www.kmjeenovels.blogspot.com

قراقرم کے برف زاروں سے

بیافو گلیشئر، سنولیک، لُک پے لاء، برالڈو گلیشئر،
شمشال کے برف زاروں اور انوکھی وادیوں کی کہانی

ایک ہوا باز کی زبانی

جواد شیرازی

www.kmjeenovels.blogspot.com

قراقرم کے برف زاروں سے

بیافو گلیشئر، سنولیک، لُک پے لاء، برالڈو گلیشئر،
شمشال کے برف زاروں اور انوکھی وادیوں کی کہانی

ایک ہوا باز کی زبانی

جواد شیرازی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

910.4 Jawad Sherazi
Karakoram Kay Baraf Zaron Say/
Jawad Sherazi.- Lahore : Sang-e-Meel
Publications, 2011.
189pp. with pictures.
1. Urdu Literature - Travelogue.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/ مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2011
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

مصنف ای میل۔ spreadharmonyintheworld@yahoo.com
مصنف رابطہ نمبر۔ 0321-5369524

ISBN-10: 969-35-2432-2
ISBN-13: 978-969-35-2432-1

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall) Lahore-54000 PAKISTAN
Phones 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax 92-423-724-5101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

اپنے آنگن کے گلابوں کی مہکاروں

علی شایان، مناہل شیرازی، مَنیہہ جوّاد

کے نام

www.kmjeenovels.blogspot.com

شکریہ، مہربانی

سب سے پہلے تو رب غفور الرحیم کا شکریہ کہ اپنے انوکھے جہاں کو اتنے انوکھے انداز سے دکھایا کہ جس کی خواب میں بھی توقع نہ تھی.

اس سفر کو محفوظ اور کامیاب صرف آپ نے ہی بنایا میں تو اس کے بالکل قابل نہیں تھا.

لیفٹننٹ کرنل احسن اختر کیانی، ڈاکٹر احسن اختر اور شیخ ذیشان کا خصوصی شکریہ کہ انہی بلند و بالا ہستیوں کے ساتھ مجھ جیسا بونا بھی انگلی تھامے اتنے بلند و بالا مقامات کی دید سے ہمکنار ہوا. آپ کی سنگت کا، رفاقت کا، رہنمائی کا، دلداری کا بہت شکریہ.

بے مثال ادیب باکمال سفرنامہ نگار جرات و بے خوفی کی زندہ تصویر اور میرے مرشد جناب مستنصر حسین تارڑ کا شکریہ کہ اُن کی ذات نے ہی ان وادیوں کی طرف مراجعت کے شوق کو مہمیز عطا کی. اس گھسے پٹے اظہار کے مجموعہ کو جس

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

طرف انہوں نے اپنی خصوصی شفقت سے نواز اور اتنا خوبصورت دیباچہ تحریر کیا یہ انہی کی کرم نوازی ہے۔

۴ ایک بہت خصوصی شکریہ سپاہی کلرک عبدالروف ہزاروی کا کہ جس نے ''میری لکھائی'' کے پوشیدہ خزانے کو سمجھ کر ٹائپنگ کے کمال سے آپ تک پہنچانے کا کوہ گراں سر کیا۔ مجھے یقین ہے کے ٹام ھینکس آئندہ ''ڈیونچی کوڈ'' کا اگلا حصہ بناتے وقت اس سے ضرور استفادہ کرے گا۔ پہلے بھی میری لکھائی کو ہی سمجھ کر اُس نے اس راز کی آفاقی تشریح اس بے مثال فلم کے زریعے کی تھی۔

۵ سرائیکی علاقوں کی مٹھاس کا ایک زندہ نمونہ، نام ور ادیب اور ایک بہت خوبصورت انسان ''ڈاکٹر محمد عباس برمانی'' کا بہت شکریہ کہ اس کتاب کا اتنا خوبصورت ٹائٹل انہی کا تجویز کردہ ہے۔

۶ سنگ میل پبلشر کا بہت شکریہ انہوں نے اس تحریر کو اشاعت کے قابل سمجھا اور اتنی خوبصورت سجاوٹ سے طباعت کی۔

۷ اور سب سے بڑھ کر آپ کا شکریہ کہ آپ کا اعلیٰ ذوق اگر یہ کتاب نہ اٹھاتا تو سب رائیگاں جاتا۔ آپ کی ملاقات کا بہت شکریہ۔

فہرست

۱	رقصِ سنولیک	12
۲	سکردو میں جن	20
۳	نملا لوری	35
۴	بیانتھا کے مارخور اور ریچھ	60
۵	طوفانِ محبت۔ کارفو گورو	74
۶	موتیوں کی دمک۔ سنولیک	89
۷	برف زاروں میں چاندنی ملکہ	103
۸	گولی پوکیزہ۔ لک پے لاء	110
۹	انکل ڈیوڈ اور دنیا کا سب سے ڈوگی گلیشئر	121
۱۰	رنگوں کی بجکاری۔ چکار	137

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

۱۱	شمشال رت کا شلپنڈ وک۔ کیا بکرا مولوی کے بغیر ذبح ہو سکتا ہے	146
۱۲	شمشال کی گھاٹیوں میں سکندرِ اعظم	154
۱۳	جنت سے گرا ایک ٹکڑا۔ شمشال، باکمال لازوال	172
۱۴	خواب و حقیقت۔ واپسی کا سفر	186

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

دیباچہ

"اپنے ایک جرات منداور حماقت پرست مرید کے لئے"

نہ کبھی مجھ میں اتنی اطاعت اور سپردگی تھی کہ میں کسی کا مُرید ہو جاتا اور یوں بھی جو شخص قصوی کے سوار کے پیچھے پیچھے سر جھکائے اس احتیاط سے چلتا ہو کہ اُس کی اونٹنی کی مینگنیوں پر پاؤں نہ آ جائے وہ بھلا کیسے اُس سوار اور کسی کا مرید ہو سکتا ہے۔ نہ ہی میں کوئی صاحب کشف ہوا کہ پرہیزگاری اور پارسائی میرے خمیر میں ہو اور مجھے مرشد مان لیا جائے ...... اور اس کے باوجود کم از کم دو ایسے بے راہرو بندے ہیں جنہیں میری تحریر نے بھٹکا دیا ہے اور وہ مجھے اپنا مُرشد ٹھہراتے ہیں...... اب اُن کی جہالت پر کفِ افسوس مسلسل ملنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے...... ایک چوٹی زیریں کا مرد ناداں ڈاکٹر عباس برمانی ہیں جس کے خطوں میں میں نے ایک نایاب تخلیقی جوہر دیکھا اور اسے لکھنے کی جانب لا کر منت سماجت کر کے مائل کیا.............. اور دوسرا جواد شیرازی ہے جس میں نے ہرگز

www.kmjeenovels.blogspot.com

سفرنامے لکھنے پر مائل نہ کیا پر وہ خود بخود ہو گیا..... اس دوران نیویارک میں چوکور داڑھی اور گول شیشوں والی عینک والے مصور اور فلم میکر امتیاز حسین سے ملاقات ہو گئی اور وہ تو باقاعدہ پاؤں پڑنے کو تھا..... مرشد! آپ کا ''بہاؤ'' واہ واہ..... آپ کو وہ سفر نامہ..... سبحان اللہ..... آپ میرے مرشد ہیں. اس طرزِ تخاطب سے مجھے اقرار کر لینے دیجیے کہ میں قدرے صوفیانہ پن میں آ کر ذرا سر بلند اور سرفراز محسوس کرنے لگا کہ اگر رومی مرشد ہو سکتے ہیں تو ایک تارڑ مرشد بھلا کیوں نہیں ہو سکتا. میں ابھی سرفرازی اور سربلندی کے اس کیف سے مخمور تھا جب نیویارک کی فیفتھ ایونیو پر واقع ایک پر ایک پرشور مے خانے میں امتیاز نے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے بارمین کو مخاطب کر کے کہا ''مرشد'' ایک بیئر تو عطا فرمائیں'' یہاں تک تو خیر گذری لیکن اگلے روز سنٹرل پارک میں سیر کرتے ہوئے ایک لحیم شحیم ریچھ نما کتا سامنے آ گیا تو امتیاز نے جھک کر اُس سے درخواست کی کہ..... مرشد ہمیں گذر جانے دیجیے..... معلوم ہوا کہ ''مرشد'' امتیاز کا تکیہ کلام ہے..... مجھے شک ہے کہ عباس برمانی اور جواد شیرازی مجھے مرشدیت کے اس نوعیت کے درجے پر فائز دیکھتے تو انہیں زیادہ سنجیدگی سے نہیں لینا چاہئے.....

جواد شیرازی اگر فوجی افسر ہے تو اس کی اس خامی کو معاف کر دینا چاہیے. اس نے جانے کیسے فوجی جکڑ بندیوں کے باوجود سوچ اور فکر کے دروازوں کو بند نہ ہونے دیا..... شفیق الرحمن اور کرنل محمد خان بھی اس نوعیت کے باغی تھے ..... وہ میرے اُس کوہ پیما ٹیم کا ایک ممبر تھا جو دیوسائی، درّہ برزل، منی مرگ اور درّہ کامری کو پار کر کے کشمیر میں اتری. اس مہم کے دوران جواد کے فوجی رابطوں کی برکت سے ہم ویرانوں اور جنگلوں میں بھی بابر سے بڑھ کر عیش کوش کرتے رہے. اُس نے مجھ سے اجازت طلب کر کے اس مہم کی داستان تحریر کی جسے پڑھتے ہوئے میں اُس کی تخلیقی صلاحیتوں کا قائل ہوا..... اُس میں ایک ادیب ہونے کے تمام تر جراثیم کلبلاتے تھے. اور تب میں ایک شدید حسد میں مبتلا ہوا جب اُس نے مجھے یہ خبر دی کہ وہ سنولیک کے راستے درّہ لُک پے لاء کے راستے شمشال بے مثال میں جا

اترا ہے..... اس راستے کی خطرناکیوں اور برف فریبوں میں قدم رکھنے کے لئے صرف جرات نہیں بلکہ کچھ حماقت بھی درکار ہے اور یہاں اُس فوجی تربیت کام آئی. یعنی جرات اور حماقت کا اُسے تجربہ تھا..... اور اب اُس نے اس مہم جوئی کی داستان بہ عنوان ''قراقرم کے برف زاروں سے'' لکھ ڈالی ہے..... اور میرے لیے یہ ایک اور حیرت کدہ ہے. صرف برفوں، پہاڑوں اور پتھروں پر تب تک ایک کتاب نہیں لکھی جا سکتی جب تک وہ سب آپ سے ہم کلام نہ ہوں... یہ سفرنامہ ثبوت ہے کہ جواد اُن سے ہم کلام ہوا بلکہ بعض اوقات کچھ زیادہ ہی باتونی ہو گیا. بیان پر اُس کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑتی اور کردار نگاری بھی وہ کمال کرتا ہے..... البتہ کہیں کہیں وہ فحش نگاری کا مرتکب ہو جاتا ہے کہ یہ اُس کی نوخیزی کی مجبوری ہے. برمانی اور جواد نے اگر میرے طرزِ تحریر سے متاثر ہو کر میری سفرنامہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا ہے تو میں خوش نصیب ہوں کہ ایسے مرید روز روز کہاں میسّر ہوتے ہیں اور میں شکر گزار ہوں کہ وہ مجھے مرشد مانتے ہیں..... جانے اور کس کس کو مانتے ہیں امتیاز کی مانند...

میں جواد کے لئے مزید جراتوں اور حماقتوں کی دعا کرتا ہوں کہ مجھ میں یہ دونوں وصف جرات اور حماقت کے کب کے مفقود ہو چکے.

مستنصر حسین تارڑ

لاہور

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

رقصِ سنولیک

میرے بازو کھلے ہیں، آنکھیں بند ہیں اور میں گول گول گھوم رہا ہوں...

یہ رومی کا رقصِ درویش نہیں رجنیش کا رقصِ مراقبہ نہیں، وحشی کالی آنکھوں والی ہسپانوی حسیناؤں کا پنجے مارتا سالسہ نہیں، کسی وجیہ اور مشاق ڈیوک کا اپنی ڈچز کے ساتھ والز نہیں، مائیکل جیکسن کا واک آن دی مون نہیں، نرت بھری کسی کلاسیکل رقاصہ کا کوی انگ نہیں .... یہ وہ وجد بھی نہیں جو قطب الدین بختیار کاکیؒ کے کشتگانِ خنجر تسلیم را کے آفاقی بولوں سے اٹھا اور جنون کو خرد سے آزاد کر کے روح کی جسم سے رہای میں منتج ہو، یہ ساقی و مینا کی محفل سے اٹھا کوئی خمار بھی تو نہیں، یہ زلف ولب، چشم وادا کے مقناطیسی سحر سے جڑا کوئی محور بھی نہیں جو تمام اطراف سے کھینچ رہا ہو.....

یہ پھر کیا ہے؟؟؟

کیا یہ لذتِ نا آشنا ہے یا پھر خون کی وہ بے نام کلی ہے جو بن کھلے مرجھا گئی؟؟؟؟

کچھ ہے سہی!!!

کیا خیال کی وہ ابتدا ہے جو شریانوں میں خون کے ساتھ دوڑتی ہے، دل کے ساتھ دھڑکتی ہے اور اسے اتنا ستاتی ہے کہ پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو مچلتا ہے؟؟؟؟

یہ کیسا درد ہے؟؟؟

یہ کونسا ساز ہے جو رانجھے دی ونجلی کی کُوک کی مٹھاس سے پیدا ہوا اور سارے جہان پہ چھا گیا مگر دل میں چھید کر گیا.....

یہ کیسی کسک ہے؟؟؟؟

یہ کیا راز ہے؟؟؟؟

راز اور بھید ویسے بھی سو پردوں میں لپٹے ہوتے ہیں....

جاننا چاہتے ہو؟؟؟

ہمت ہے؟؟؟ دریاؤں کے پار اترنے کی، سرحدوں سے آگے جانے کی، بیڑیاں توڑنے کی، اپنے آپ کو جاننے کی، معاشرے سے بغاوت کی، روایت شکنی کی....

طاقت ہے؟؟؟ بقاء اور فنا کے درمیان موجود آخری تنے ہوے رسے پر چلنے کی، احساس تکلیف کو بھلا کے جلتے ہوے کوئلوں پہ آبلہ پا چلنے کی....

کیا کہا؟؟؟؟ گورا بھی تو کرتا ہے..... 65 سال کی عمر میں ماونٹ ایورسٹ سر کرتا ہے اس کی چوٹی سے سکی انگ کرتا واپس آتا ہے،

نانگا پربت اور راکاپوشی کے کیمپ تھری سے چھلانگ مارتا ہے اور گلائیڈنگ کرتا نیچے اترتا ہے، تنہا قطب شمالی کی مہیب برفوں میں مہینوں پھرتا ہے، رود بارِ انگلستان تیر کر عبور کرتا ہے، بحرِ اوقیانوس کی میلوں گہرائیوں میں آبی مخلوق سے بھڑتا ہے اور بھی بہت کچھ کرتا ہے.....

لیکن بھئی وہ گورا ہے جو حیات کی کُہر میں چھپی مسرت کو ڈھونڈنے کیلے جھپٹا ہے. کہاں وہ شاہین، کہاں تم جیسا گنگو تیلی.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کیا کہا؟ وہ بھی انسان ہے اور تم بھی، اس کے ماحول نے اسے یہ جرات عطا کی ہے جبکہ اتنی ہی شجاعت اور فرزانگی تم میں ہے مگر...... پنہاں. اچھا تو پھر آؤ میری انگلی پکڑو اور میرے پیچھے پیچھے آلو......

ٹھہرو! میرا مطلب ہے ایسی بھی کیا جلدی ہے، سوچنے تو دو......

لیکن یہ بابے سوچنے تو نہیں دیتے بس اچک لیتے ہیں اور جب معاملہ اس بابے کی عدالت میں پیش ہو جسے من کہتے ہیں تو آپ بے بس ہیں کٹھ پتلی ہیں......

سنو بابا، اچھا نہ رکو، لیکن یہ تو بتا دو لے کر جاؤ گے کہاں؟؟؟

من بابا رُک گیا، پہلی دفعہ اس کی آنکھوں میں خشونت کی بجائے چمک پیدا ہوئی.

''تم کہاں جانا چاہو گے ؟'' بابے نے گیند میرے کورٹ میں پھینک دی.

میں! ذہن جیسے خالی سا ہو گیا'' مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ میں نے کہاں جانا ہے؟''

''نہیں نہیں، ایسی بات نہیں''، بابا اب فرینڈلی ہو چکا تھا. ''وہ کونسی جگہ ہے جو صرف تمہارے خوابوں میں بستی ہے مگر زبان پر نہیں آتی......''

خوابوں میں.... میں نے آنکھوں کو بند کر کے کچھ سوچا'' ہاں ایک جگہ ہے تو سہی جہاں کوری کنواری دودھیا برفیں ہیں، آنکھوں کو چندھیاتی نیلو نیل جھیلیں ہیں، آسمان میں چھید کرتی چوٹیاں ہیں، جہاں لاکھوں ستاروں کے جلو میں چاندنی ملکہ جب اپنا تخت بچھاتی ہے، تو برف کے اوپر پریاں اترتی ہیں اور اسے اپنے رقص سے نور بخشتی ہیں، جہاں صنوبر کے جنگل ہیں جہاں نغمگی سے بھرپور آبشاریں ہیں، جہاں شوریدہ مگر معصوم پہاڑی چشمے ہیں، جہاں.....''

''بس بس.'' بابے نے مجھے روک دیا، ''سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ تم ''سنولیک'' جانا چاہتے ہو.''

''سنولیک'' مجھے جیسا جھٹکا سا لگا، وہی سنولیک جہاں میں ایک فرانسیسی ٹریکر کو اٹھانے ہیلی کاپٹر پر گیا تھا، وہی سنولیک جہاں مرشد جناب مستنصر حسین تارڑ بھی گئے تھے اور ڈیتھ

ڈراپس کی فراوانی کی وجہ سے واپس آ کر ٹریکنگ سے عارضی طور تائب ہو گئے تھے، جہاں بہت کم آدم زادوں کے قدم پڑے ہیں، جس کے لک پے لاء، سکم لاء کو عبور کرنے کی حسرت دل میں لیے کئی ٹیمیں واپس آئی ہیں جدھر وحشت اور ویرانی کا راج ہے....

''ہاں وہی سنولیک''، بابے کی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی.

''لیکن بابا اس کے بیافو گلیشئر کی ہیبت کی کہانیاں ہیں وہاں سنا ہے کہ کریوس بہت ہیں. ڈیتھ ڈراپس ہیں، وہاں آدم زاد کم ہی جاتے ہیں.... ''میری گھگی بندھ چکی تھی.

''چپ'' بابا پھر غصے میں آ گیا، ''تو پھر جاؤ، معاشرے کی بھیڑوں میں ایک بھیڑ ہو جاؤ، روٹین کی دیوار میں لگی ایک اینٹ ہو جاؤ''

بابے کی منہ سے جھاگ نکل رہی تھی.

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں''، میں اتنی بے عزتی برداشت نہ کر سکا، ''میں ایسا نہیں ہوں''

لیکن..... خرد نے ہلکی سے انگلی چبھائی.

''وہ تو میں ذرا نہاریاں، گردے، کپورے، بریانیاں کھا کر تھوڑا سا موٹا ہو گیا ہوں....''

''کتنا موٹا؟'' بابے کی آواز میں تمسخر تھا.

''آٹھ کم ایک سوکلو...... ''میری مریل سی آواز نکلی

''بانوے کلو!'' بابا بے یقینی سے مجھے دیکھ رہا تھا، ''یہ کوئی مسئلہ نہیں، مرشد کے ساتھ جب سلمان گیا تھا تو وہ دس اوپر سو تھا''

یہ مسئلہ حل ہوا. یہ بابے کی عدالت تو چیف جسٹس کی عدالت تھی جرح اور مدلل فوری فیصلہ.

''ارے سنو تو سہی!'' مجھے ایک اور سوجھی، ''وہ میری ٹینس ایلبو ابھی تک مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی اور گھٹنے کے درد کا بھی کوئی پتا نہیں کب سر اٹھا لے.''

''مت بہانے لگاؤ'' من بابا آگ بگولا ہو گیا. ''وہاں گلیشئر پر تم نے راجر فیڈرر کے ساتھ پانچ سیٹ کا گرینڈ سلیم کھیلنا ہے؟ اور گھٹنا ابھی تو ٹھیک ہے، تو اُدھر بھی ٹھیک'' بابے کے فیصلے اسطرح کے فوری اور کاری تھے جسطرح عدلیہ کے گھن زدہ اور ناکارہ بیوروکریسی پر.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

''وہ میرے پاس سامان بھی نہیں، چھٹیوں کا بھی مسلہ ہے'' میں آخر پاکستانی تھا جو بہانوں کی اعلیٰ معیار کی چلتی پھرتی فیکٹری ہوتا ہے.

''سامان یار دوستوں سے مل جائے گا اور چھٹیوں کا مسلہ نہیں، وہ تمہارا راکٹ تیار ہے جس کی سائنس تم پڑھ رہے ہو.؟'' بابا تھا ماڈرن جس کو معلوم تھا میری راکٹ سائنس پراٹھوں، قتلموں، کڑاھیوں کے کلیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے.

''اپنے آپ میں رہو!'' اب غصے میں آنے کی باری میری تھی..... ''بتاؤ کہاں جانا ہے، کہو تو کے ٹو سر کر کے دکھادوں.''

''اب لائن پر آئے''، بابے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی ''سکردو، اسکولے، بیافو گلیشئر، سنولیک، لُک پے لاء، برالڈو گلیشئر، شمشال پاس، شمشال گاؤں'' بابے نے ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا.

''یہ سب..... ایک ہی ٹریک میں؟؟؟'' میرا حلق ایک دفعہ پھر خشک تھا.

''ہاں!'' بابے کی آواز میں اطمینان تھا ''جب اوکھلی میں سر دینا ہے تو پھر پورا دینا ہے، بنجارے کبھی بھی سفر کی طوالت کا نہیں پوچھتے.''

بنجارے!! میرے ذہن میں جیسے ایک بجلی سی کوندی. بنجارہ پن تو میرا وہ خواب، میری وہ تمنا تھی جس کو اندر بہت اندر میں نے چھپا رکھا تھا. بچپن سے ہی آوارگی کا احساس حسیات کو بیدار کرنے کا موجب بنتا تھا. اے حمید کی وہ رومانوی دنیا جس میں وہ منزل منزل، نگر نگر پھرتے تھے، میرے لیے طلسماتی الف لیلہ تھی. انہی کے بغیر ٹکٹ سفر نیچ ہائکنگ میرے لیے وہ حکایات تھیں جس میں ٹرین جہاز میرے طلسمی قالین تھے جو مجھے اڑائے پھرتے. شباب خانہ خراب نے تو بالکل ہی لٹیا ڈبودی. مرشد جناب تارڑ صاحب نے سیدھا دل پر چھاپہ مار دیا اور ان کی پاسکلوں، ناژلاؤں، جپسیوں نے برباد کر کے رکھ دیا. جس آشفتہ سری سے وہ سفر کرتے، بس نکل جاتے، میرے لیے وہ پرائڈ آف پرفارمنس تھا جس کو میرے جیسے کھوٹے سکے گردن پیچھے پھینک کر اوپر بہت اوپر بس دیکھا کرتے.

یہ بنجارا پن ہر کسی کے بس کا روگ نہیں. اس کے لیے ایک عشق چاہئے، اک جنون چاہئے. یہ مائیکل انجیلو کا وہ ہتھوڑا ہے جو تخلیق پر آتا ہے تو ڈیوڈ تخلیق کرتا ہے. یہ گُل جی کا برش ہے جو فیصل مسجد کی دیواروں پر ایک سو ستائیسوں سیڑھی پر کھڑا ہو کر شاہکار تخلیق کرتا ہے. یہ ساغر صدیقی کا وہ جام ہے جو اپنی لازوال شاعری کے عوضانے میں ملتا ہے، بھلے وہ کمبل پوش داتا دربار کی سیڑھیوں پر خود مردہ ہی کیوں نہ پایا جائے. یہ ھالینڈ کی برٹ داس کا وہ ارمان ہے جو گلیشئروں، پہاڑوں پر تو پیدل چلتی ہے ہی سڑکوں، راستوں پر بھی پیدل چلتی ہے کہ غیر فطری مشینی طریقہ سفر سے نالاں ہے. جنوبی امریکی پائلو کوہلو کی وہ کھنک ہے جو صحرا نوردی، جنگلوں میں بھٹکنے، پہاڑوں پہ گم ہو جانے کے ساز سے پیدا ہوتی ہے اور دنیا کو ''والکریز'' ''الکیمسٹ'' جیسے بے مثال تحفے عطا کرتی ہے. یہ بنجارے بہت خاص لوگ ہوتے ہیں. انہوں نے نہاں خانوں میں چھپی اس مسرت کو پالیا ہوتا ہے جس کا حصول صرف دل والوں کے بس میں ہوتا ہے. انا کی دیواروں سے ٹکرا کر اس کو مسمار کر دیا ہوتا ہے، روایت ان کیلئے تمسخر ہوتی ہے، روایت شکنی ان کا طرہ امتیاز ہوتا ہے. ڈر خوف کی سرحدوں کو پھلانگ کر ان کی آمد کا استقبال جرات کی دیویاں شجاعت کے ہاروں سے کرتی ہیں. ذات سے زیادہ انہیں ہمزاد میں دلچسپی ہوتی ہے. خرابی ان میں صرف ایک ہی ہوتی ہے، بس ذرا دل کے ''ہلکے'' ہوتے ہیں. ذرا سا کوئی میٹھا بول، تھوڑی سی اپنائیت اور یہ آپ کے ہو گئے. یہ نہ دیکھا کہ آپ کون ہیں، گورے ہیں، کالے ہیں، امیر ہیں، غریب ہیں..... جو پیار کیا تو پیار کیا..... محبت ہی محبت..... ان کی صحبت سے بچو، یہ آپ کو بھی رسوا کر دیں گے. اپنے جیسا بنا دیں گے، دیوانہ کر دیں گے.

میرے ساتھ بھی یہ ہوا..... مجھے بھی مرشد نے اپنی مریدی میں لے لیا اور وہاں جا کر مارا جہاں پربت سنہرے تھے اور جھیلیں نیلی تھیں.....

جہاں نیلگوں آکاش کو چھوتی دودھیا برفیں تھیں.....

جہاں اونچائیوں سے آبشاریں گرتیں تو زمین پر گرنے سے پہلے میرے دل پر لگتیں.....

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

جہاں کے درختوں کی چمک میرے اندر کے اندھیارے کو اجلا بناتی...

اچھے خاصے ہوش پر چھاپہ مار کر اسے دبوچ کر اوپر کنڈی مار کر بیٹھ گئے... خود سگریٹ پینا شروع کر دیا، مجھے فرزانگی عطا کر دی. فرزانے کوئی نچلے تھوڑی بیٹھے ہیں!!!

یہ آدم زاد نہیں ہوتے، آدم زاد تو اہل خرد ہوتے ہیں....

یہ کوئی جن ہوتے ہیں، جنوں نے شاید برف کی کوکھ سے جنم لیا ہوتا ہے

پھر تو یہ ''برف زاد'' ہوے.... اور ایسے ہی برف زاد کو اگر کوئی بابا کہہ دے چل ان علاقوں میں جہاں بجلی نہیں ہوگی، ٹی وی نہیں ہوگا، سڑکیں نہیں ہوں گی، موبائل نہیں ہوں گے، صرف.... برف ہوگی..... گلیشئر ہوں گے، مہیب منہ کھولے کریوس ہوں گی، مچلتے پھسلتے پتھر ہوں گے، آسمان کو اٹھی چڑھائیاں ہوں گی، موت وحیات کے درمیان کچھ انچ ہوں گے..... تو اس کا دل ایک دفعہ بہت زور سے دھڑکے گا.

بس یہ سب کچھ میرے ساتھ ہوگیا.... من بابا کی انگلی تھامے اس کے پیچھے پیچھے ہولیا.

اب میرے کانوں میں پڑتی تھی صرف رانجھے دی ونجلی کی کوک.

دیوانگی کی پریوں نے آکر میرے پیروں میں پڑی سمجھ اور ذمہ داریوں کی بیڑیاں آہستگی سے کھول دی تھیں اور میں ہوا میں اڑ رہا تھا.....

میری آنکھوں پر پڑا روٹین کا پردہ ہٹ چکا تھا اور میں دور بہت دور خوشیوں کی آتش بازیوں کو زندگی کی سیاہ رات میں رنگ بکھیرتے دیکھ رہا تھا....

میرا بدن میرے اختیار میں قطعاً نہیں تھا....

مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرے بازو اٹھ چکے ہیں اور وہ دھیرے دھیرے ہوا کو چیر رہے ہیں.... کچھ ایسا سحر تھا کہ بے گانہ ہو کر آنکھیں بند ہو چکی تھیں، ٹانگیں زمین پر نہ تھیں.... وہ خود بخود گول گول گھوم رہی تھیں....

آہستہ آہستہ اس رقص میں ساتھ اڑتی تتلیاں شامل ہوگئیں، گلابوں کی مہکار بھی شامل ہوگئی، درختوں کی شاخیں، پودوں کی ڈالیاں بھی شامل ہوگئیں.....

میری روح کے جہاں میں ہر کوئی محوِ رقص تھا.

یہ دیوانگی کا رقص تھا، مسرت کا رقص تھا، یہ آزادی کا رقص تھا، اس رقص کو کیا نام دیا جائے؟؟؟؟

کیوں نہ اس کو اس سے نسبت دی جائے جس کے بلاوے پر یہ رقصِ ہو رہا تھا

پھر تو یہ ''رقصِ سنولیک'' ہوا.....

آیئے آپ کو بھی اس رقص میں شامل کریں.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

سکردو میں جن

یہ سب شرارت عبدھو کی تھی.

''سنہرے پربت نیلی جھیلیں'' فیم عبدھو ایک دیوانہ تھا. جس عمر میں مسیں بھیگتی ہیں احساسات میں ایک خمار آتا ہے، جوانی کی ترنگ چین نہیں لینے دیتی، یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پہاڑوں میں جا بسا. شمالی علاقہ جات کے جب سب ٹریک ہو گئے تو اس کام کو پیشے کے طور پر بھی اپنانے کی امنگ پیدا ہو گئی. کئی سالوں کی ''برف'' چھاننے کے بعد پیشہ تو نہ اپنا سکا لیکن اس کو ضرور اپنا لیا جو کوریا سے یہ جنت بے نظیر تکنے آئی تھی اور اسے تکتی رہ گئی. حال کوریا مقیم اپنے پہلے عشق کی کسک سے تنگ آ کر ہر سال گرمیوں میں یہ کوئی نہ کوئی کورین ٹیم پکڑ کر پہاڑوں میں آ دھمکتا. انٹرنیٹ پر سارا سال لوگوں کو پہاڑوں کی طرف راغب کرتا اور مفید مشوروں سے نوازتا. مرشد کے ساتھ ٹریک سے بعد میرے دو سیزن بالکل خالی، روکھے پھیکے گزر چکے تھے اور میرے اندر کی وحشت نے روح پر کھجلی کر کے اس کا برا حال کر دیا تھا. میں نے جب اپنا غم دل اسے سنایا تو اس نے بھرپور تسلی دی کہ میرا یہ

سیزن بے کار نہیں جائے گا. گرمیاں شروع ہو چکی تھیں. جب اچانک عین اسوقت اسی کی کال آ گئی جب میں ٹینس کورٹ میں جانے ہی والا تھا.

''ہیلو! کیا ایک پاگل دوسرے پاگل سے بات کر سکتا ہے؟''

میں تذبذب میں پڑ گیا، پاگلوں کی باتیں ہوش مندوں سے نمرا ہوتی ہیں اور میرا ٹینس پارٹنر پہلے ہی میرے موبائل کو کھا جانے والے نظروں سے دیکھ رہا تھا.

''بالکل بھئی'' میں نے دوسرے پلیئر کو خشونت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا جو میری ''مصروفیت'' کا فائدہ اٹھا کر کورٹ میں گھس گیا تھا اور ابھی کم از کم ایک گھنٹے تک نکلنے والا نہیں تھا..

''ہاں جی، کدِ اں''؟ عبدھو نے سب سے پہلے تو خیر مقدمی کوڈ بولا جو پچھلے ٹریک کے بعد ہماری بات چیت کا مستقل حصہ بن چکا تھا.

''او داں ای جداں برادری.....'' میرا بے ساختہ جواب تھا.

''نشہ کیسا ہے؟'' عبدھو کو آواز میں طنز تھا.

''ارے کیسا نشہ! تمہاری ہوش کی دنیا نے سب نشے ہوا کر دیے. کچھ ہے تو تھوڑی سی پلا دو'' میری آواز میں لجاجت اور خوشامد تھی.

''اچھا تو پھر تیار ہو جاو! جام سنبھال سکو گے؟''

عبدھو کے سوال میں خوش کن امید تھی، ''ارے جام چھوڑ، میں پوری بوتل چڑھا جاؤں، بتاؤ کدھر کا مشروب ہے''، میری تمام حسیات بیدار ہو چکی تھیں.

''اچھا اتنی بے قراری! تو پھر تیار ہو جاؤ، میرے ذاتی دوستوں کی ایک ٹیم جا رہی ہے، بیس دن نکال سکو گے؟''

ارے بیس چھوڑ میں تیس کر لوں گا، جانا کدھر ہے؟ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا

''سنو لیک اور کچھ آ گے''، عبدھو نے سپاٹ لہجے میں کہا.

سنو لیک! میرے ذہن میں مرشد کی کتاب، ہیلی کاپٹر پر کی گئی وہاں اپنی پرواز سب ایک دم

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

یاد آ گیا" "بالکل بھائی، بس جلدی سے مجھے بتا کب جانا ہے؟"

"میری اگلی کال کا انتظار کرو، خدا حافظ"

پچھلی دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی سب ایکدم سے ہونے والا تھا، اگلی کال عبدھو کی تو نہیں آئی ٹیم لیڈر کی آ گئی جس سے سب پروگرام طے ہو گیا، طے یہ پایا کہ سکردو میں ملاقات ہو گی. میرے خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہیں تھے. اچانک ذہن میں آیا کیوں نہ ایک دو ہمجولیوں سے بھی پوچھ لوں. سب سے پہلے میں نے میجر ریحان کو فون کیا جو خود ایک چلتا پھرتا عجوبہ ہیں. ابھی چالیس کے نہیں ہوئے مگر تقریباً ساری داڑھی سفید، سر پر کہیں کہیں موجود بال بھی زیادہ تر سفید. ان کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ یہ غالباً کوئی ایسا بزرگ ہے جو پوتوں نواسوں کو کھلانے کیلئے پارک میں آیا ہے. لیکن درحقیقت سر ریحان حرکت اور جرات کی ایسی چلتی پھرتی بجلی تھے جس کے غیر متوقع کرنٹ سے بہت کم لوگ بچ پاتے. موصوف سکردو میں برف باری کو کمرے میں دو ہیٹروں کے اوپر بیٹھ کر کافی پی کر محظوظ ہونے کے بجائے رات کو کسی ویرانے میں اپنا ٹینٹ لگا کر شب بسری سے یادگار بناتے. صد پارہ کے مرحوم ہوتے ہوئے جزیروں پر بھی گھپ اندھیرے کشتی رانی کر کے پہنچنا اور اس پر رات بسر کرنا انہی کا شیوہ تھا. سکردو سے گلگت سائیکل پر سفر کا ان کا پروگرام ایک نا قابل بیان وجہ سے آخری وقت پر سبوتاژ ہو گیا. بیگم کو سرکاری ڈیوٹی کا چکمہ دے کر جب یہ بالتورو گلیشیر، کے ٹو بیس کیمپ اور واپسی پر گندوگوڑ لا عبور کرنے کا حیرت انگیز کرشمہ کر کے واپس آئے تو ہم نے تو انہیں تمغۂ مردانگی سے نوازا لیکن بیگم نے آخری الٹی میٹم دے دیا کہ اب یا ہوش کی دنیا میں رہو یا ہمیں بھول جاؤ. ایک مشاق اور تجربہ کار پائلٹ جوان بلندیوں پر پرواز میں مسرت محسوس کرتے جہاں باقی جانے سے سرے سے انکاری. میری اور ان کی مشترکہ بدقسمتی کہ انہی دنوں ان کو پاک فوج کی طرف سے اقوام متحدہ کے سوڈان مشن میں بھیجا جا رہا تھا اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کی روانگی تھی.

دوسرا ہم نفس بھی ایک ہم پیشہ تھے. بادامی آنکھیں، سفید رنگت، سنہرے بال، ان

کی جوانی یوسف ثانی کی ایک ایسی تصویر تھی جس کی دمک سے کئی زلیخاؤں نے اپنی انگلیاں کٹوائیں. حج کے بعد مکمل اسلام قبول کرنے کا ثبوت ریش سے ملتا جو وقت کے ساتھ کھچڑی مائل تھی. ٹریکنگ کے بہت رسیا چھوٹے موٹے ٹریکوں کے علاوہ شمالی علاقہ جات کے کچھ ٹریک کر چکے تھے اسلیئے میری کال کے اختتام پر لیفٹننٹ کرنل احسن اختر کیانی ہماری ٹیم کے ایک ممبر بن چکے تھے. اب انتظار تھا تو 16 جون کا کہ ہم سب کو اکٹھا سکردو میں ملنا تھا.

سکردو پہنچنا بھی بذات خود ایک مہم ہے. اگر تو آپ زندگی میں خوش قسمت ہیں تو پھر مزے سے جہاز میں بیٹھے اور ایک گھنٹے میں سکردو پہنچ گئے. لیکن اگر قسمت کی دیوی ذرا سی بھی ناراض ہے تو اپنی ہڈیوں پسلیوں کو ناپ تول کر گن لیں، ایک 30 گھنٹے کا پہاڑی سفر آپ کا منتظر ہے. کہنے کو یہ شاہراہ ریشم ہے، لیکن یقین مانیے اس میں ریشمی کچھ نہیں. سڑک کے عین درمیان پڑے ہوئے گڑھے، شکستہ حالت پتھروں، بجری اور سیمنٹ کا یہ ایک ایسا مجموعہ ہے جسے سڑک کہتے لاج آتی ہے. برسات کے موسم میں تو اس کے حسن میں نکھار آ جاتا ہے جب لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے یہ مکمل طور پر بند ہو جاتی ہے. میں اور سر احسن تو اپنے پائلٹ دوستوں کی مہربانی سے ہیلی کاپٹر پر سکردو پہنچ گئے لیکن ہمارے لیڈر اور ایک ممبر راولپنڈی ہی میں تین دن پھنسے رہے. خدا خدا کر کے وہ کسی طرح گلگت پہنچ گئے. جہاں سے ایک چھ گھنٹے کے سفر نے انہیں سکردو پہنچا دیا تھا.

میں اور سر احسن میجر ریحان کی ڈپٹ سے خائف اس خیال کو دوبارہ لب پر نہیں لا رہے تھے جس کے بارے میں پنڈی میں بڑے خشوع و خضوع سے ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے. نیٹ پر مجوزہ ٹریک کے بارے میں تجربہ کار ٹریکروں کے خیالات بہت دہشت آمیز تھے. سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس ٹریک کو اسوقت کریں جب آپ نے باقی سارے ٹریک کر لیئے ہوں. اب ہم دونوں کا تجربہ تھا نہیں، اوپر سے سکردو سے بھی دستیاب اطلاع حوصلہ شکن تھی. ایڈونچر کمپنیوں کے آپریٹر بھی اس ٹریک کا سن کر فوراً کہتے ایکسکوزمی،

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کیا کہا؟ بیوی بچے، دوست احباب تو پہلے ہی اس کے مخالف تھے، اسلئے ہم اس کی بجائے کسی اور ٹریک کا سنجیدگی سے سوچ رہے تھے. کہیں سے میجر ریحان کو اس کی بھنک مل گئی تو انہیں نے وہ ڈانٹ ڈپٹ کی کہ چودہ طبق روشن ہو گئے. تماتر حوصلہ افزائی کے باوجود جب انہوں نے ہمارے اترے ہوئے چہرے دیکھے تو آخری حربے کے طور پر انہوں نے کہا ''مجھے دیکھو میں کہیں سے بھی لگتا ہوں کہ گندو گوڑو کر سکوں گا. یہ دیکھو میری سفید داڑھی'' انہوں نے باقاعدہ چہرہ آنکھوں کے سامنے لا کر کہا، ''اس میں گنو کتنے کالے بال رہ گئے'' ہیں؟ سَر احسن تو شرم کھا گئے لیکن میں نے سوچا ہاتھ کنگن کو آرسی کہا، ذرا گن کر ہی دیکھ لیں، ابھی میں تیرہ تک ہی پہنچا تھا کہ ریحان آخر ملا تھے جس کو آج تک کوئی نہ پکڑ سکا، ایک اور نا قابل بیان عضو جسمانی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ ذرا ادھر بھی جھانک لینا اگر بالوں کی سیاہی گنتا میں اتنا ہی مرغوب ہے. یہ ایک ایسا مقام آہ وفغاں تھا جہاں میرے اعتماد کی تمام دیواریں ایک جھٹکے سے زمین بوس ہو گئیں اور مجھے آخر 'لاج' آ ہی گئی.

تو اس لاج کی لاج رکھنے کیلئے ہم تھے اور سکردو تھا. ایوی ایشن کے Fearless Five سکواڈرن کے آسودہ میس میں چائے کی چسکیاں لیتے تھے جہاں گلابی پہاڑی شام دھیرے دھیرے اترتی تھی. مشینوں سے دور پہلی پہاڑی شام کی آمد میں ایک حسن تھا، فسوں تھا. پہاڑیوں میں گھرا یہ سکواڈرن ویسے بھی پھولوں اور درختوں کے جھرمٹ کا ایک حسین مجموعہ تھا. اس سے میری سکردو تعیناتی کے دوران جڑی بہت خوشگوار یادیں تھیں. رات کو خنکی کافی بڑھ گئی تھی اور ہمیں جتلاتی تھی کہ یہ ٹی شرٹیں وغیرہ اتارو اور ''انسانوں'' والی کوئی سویٹر، جیکٹ وغیرہ پہنو. رات کو کچھ پوسٹ آوٹ ہونے والے افسروں کے اعزاز میں کھانا تھا جن میں میرا ایک عزیز سلیمان الفیصل بھی شامل تھا. اس کے پورے نام سے اکثر شک پڑتا کہ شاید کوئی عربی ہے جو غلطی سے پاک فوج میں آ گیا ہے لیکن یہ شبہ ملاقات میں فوراً زائل ہو جاتا ہے جب آگے سے یوپی کی مفتح و مسجع اردو سننے کو ملتی. لذیز باربی کیو کھانے کے خمار نے فوراً نیند کی دیوی کو اپنی باہوں میں لے لیا کہ لیڈر اب صبح ہی پہنچیں گے، صبح ہی

ملاقات کر لیں گے.

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ مجھے لگا کوئی میرا نام لے کر جگا رہا ہے. پہلے تو میں نے نظر انداز کر دیا لیکن جب تواتر سے آواز آئی تو میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور بس یہی غلطی تھی جو مجھ سے سرزد ہو گئی. کمرے میں دو 'جن' بڑی خاموشی اور سنجیدگی سے مجھے تک رہے تھے.

جانے کس طرح میں نے اس چیخ کا گلا گھونٹا جو انہیں دیکھ کر میرے حلق سے نکلنے والی تھی. بڑے بڑے پیر، بڑے بڑے ہاتھ، میں ان کے آگے بالکل بونا لگ رہا تھا. یہ جن لیکن بالکل جامد تھے اور کچھ نہ بولتے تھے. یا اللہ یہ کسلئے آئے تھے اور ان کا کیا مقصد ہے. میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا. غور سے ان کی طرف دیکھا تو ایک عجیب انکشاف ہوا. ان کے سینگ نہیں تھے. یہ بغیر سینگوں والے جن تھے اور بڑے ماڈرن پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھے. انسانوں کی سی شکل والے ایک جن نے کلین شیو کی ہوئی تھی اور سر سے تقریباً گنجا تھا جبکہ دوسرے جن کے سلیقے سے سنوارے ہوئے بال تھے اور باقاعدہ داڑھی بھی تھی. بڑے بے ضرر قسم کے جن تھے جو ہاتھ باندھے مودب کھڑے تھے. یکا یک خیال آیا کہ یہ کوئی خادم قسم کے جن نہ ہوں جو خدا نے میرے لئے بھیجے ہوں. یہ خیال آنا تھا ہی کہ میں اکڑ کر بیٹھ گیا اور تحکم بھرے لہجے میں ان سے گویا ہوا.

''ہاں بھئی تم لوگ میرے لیے آئے ہو؟''

''جی حضور! حکم کیجئے، دونوں یک زبان ہو کر بولے.''

نہیں یہ بڑے کام کے جن ہیں کیوں نہ ان سے کوئی بڑا کام لیا جائے.

''اچھا سرکاری خزانے سے نوارب نکالو اور سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں میرے نام جمع کرا آؤ.''

میں نے خالصتاً پاکستانی خواہش سے آغاز کیا.

''نہیں حضور! یہ ہمارا شعبہ نہیں.'' گنجے جن نے سپاٹ لہجے میں کہا ''اور ویسے بھی اس کام کو جنوں سے آپ کے ملک کی ایک انتہائی قابل احترام مقتدر سیاست دان شخصت نے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا ہے.'' مولوی جن نے انکشاف کیا.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

"اچھا تو پھر ملک سے بجلی کی لوڈ شیڈنگ ختم کرادو۔" میں آخر ایک محب وطن تھا جس کے دل میں سارے ملک کا درد بھرا تھا

"وہ" گنجے جن نے شرمندہ ہو کر نگاہیں نیچی کر لیں،" کام تو ہمارا ہی تھا لیکن ایک راجے نے ہم سے چھین کر خود اپنے ذمے لے لیا ہے۔"

ہور چو پو، میں دانت پیس کر رہ گیا، اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی ختم نہیں ہو سکتی اچھا مجھے ایک خیال آیا "ملک سے فرقہ واریت ختم کرادو، دین سے انتشار ختم کرادو۔"

"جی حضور! مولوی جن چوکنا ہو گیا، تعمیل ہو گی، صرف دس بارہ بہت بڑے بڑے ناموں کا حلوہ بند کرنا پڑے گا۔"

"نہیں نہیں!" میں فوراً خوفزدہ ہو گیا اگر حلوہ بند ہو گیا تو اندر کا گند باہر آجائے گا۔ "نہیں بھئی میں خاکروبوں کی ہڑتال نہیں سہہ سکتا۔

یہ عجیب نکھو قسم کے جن ہیں، کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔

"پھر تم کر کیا سکتے ہو؟ میں جھنجھلا کر بولا، پہاڑوں پر لے جا سکتے ہو؟" میں نے ترکش کا آخری تیر پھینک دیا۔

"جی حضور، یہ ہمارا محبوب کام ہے، کہاں جائیں گے؟" دونوں کے چہروں پر مسرت تھی۔

"ہوں! تم اور پہاڑ! میں نے حقارت سے کہا، کبھی دیکھے ہیں پہاڑ؟"" میں نے طنزاً کہا"

"جی حضور آپ حکم تو کریں" دونوں کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"اچھا چلینجی گئے ہو؟" میں نے فوراً گنجے جن کا امتحان لیا۔

"جی بابا گنڈی زیارت سے یرز، چلینجی بیس، چلینجی ٹاپ، جنگل کیمپ، اشکومن، سات دن کا ٹریک" گنجے نے فرفر سنایا۔

"اچھا گندوگوڑ وزراچپلو کی طرف سے بیان کرو۔" میں مولوی جن کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی ہوشے، سایچو، گندوگوڑو کیمپ، دلسن پا، خیوسپنگ، ہائی کیمپ، ٹاپ، بیس، علی کیمپ، کنکورڈیا 7 دن لگ جاتے ہیں" مولوی نے بغیر رکے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

یہ تو بڑے ٹریکر قسم کے جن ہیں۔ مجھے دلچسپی پیدا ہو گئی۔

"ذرا واخان کے بارے میں بتاؤ"

"اشکومن، سوختر آباد، شونج، واخان پامیر، کرومبر جھیل، لشکر گھاس، کشمانجہ، لشت، مشتوج، چترال، 10 دن کا ٹریک، گنجے جن کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی۔

یہ تو بڑے دھانسو ٹریکر جن ہیں، میں نے گنجے سے مایوس ہو کر مولوی کی طرف دیکھا جو سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلاب جامن کو محویت سے تک رہا تھا۔

"ہاں بھئی، اگر تم نے یہ آخری سوال ٹھیک کیا تو تم پاس ہو،"" ہراموش ٹریک کے بارے میں کیا خیال ہے؟"۔ میرے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی کیوں یہ ٹریک تو بہت ہی کم نے کیا تھا۔

"ہراموش" مولوی نے گلا کھنکار کر صاف کیا،" جگلوٹ سکردو روڈ پر واقع سسّی گاؤں سے کتوال، ہراموش پاس، چوگولنگمہ گلیشئر سے ارندو ویلی، 10 دن کا ٹریک" حیرت انگیز طور پر جواب درست تھا۔

"چپ، خاموش" میں دھاڑا،" اگر اتنے تم تیس مار خان ہو تو چلو مجھے لے چلو، اشکولے، بیافو گلیشئر، سنولیک، لُک پے لاء، برالڈو گلیشئر شمشال پاس، شمشال گاؤں" میری آواز میں غصے بھری التجا تھی کہ میری ہمت سے ماورا یہ ٹریک مجھے کوئی جن ہی کرا سکتا تھا۔

"جی سر، اس لئے تو ہم آئے ہیں۔"

"مجھے ڈاکٹر احسن اختر کہتے ہیں اور میں آپ کا ٹیم لیڈر ہوں،" گنجے نے تپاک سے مصافحہ کیا۔

"میرا نام شیخ ذیشان ہے اور میں آپ کا ٹیم ممبر ہوں" مولوی نے مصافحہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسا اسلامی معانقہ کیا جس کی زد براہ راست پسلیوں پر پڑتی ہو۔

تو یہ سکردو میں ایسے جن تھے جو خاص میرے لیے بھیجے گئے تھے۔ ظاہر ہے ایک ایسا شخص جس کو بچپن میں پولیو کا حملہ ہو داہنی ٹانگ گھٹنے سے نیچے مستقل ہلکی سی لنگڑاہٹ کا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

شکار ہو، فیصل آباد یونیورسٹی سے علم البدن کا تحصیل یافتہ ہو چاہے جانوروں کا ہی سہی، احباب رشتہ داروں میں دور دور تک سارے ''ہوش مند'' ہوں جن کی زندگی کا پھیر رزق کی تلاش اور پھر اس کا بے دردی سے صرف ایک ہی جگہ ''خوراک'' میں استعمال ہو، اگر پندرہ سال کی عمر سے ٹریکنگ کی 'لت' کا شکار ہو جائے شمالی علاقہ جات کے تقریباً تمام ٹریک کر چکا ہو، موٹر سائیکل پر کئی دفعہ تنہا پہاڑوں کی بلندیوں میں آنکھیں ڈال چکا ہو، ہمت جرات اور اولعزمی کی چلتی پھرتی تصویر ہو، پچھلے چوبیس سالوں میں گلیشئروں اور پہاڑوں کے چھیالیس ٹریک کر چکا ہو..... کوئی جن ہی ہوگا بھلے ذرا گنجا ہی سہا.

دوسرا بھی کم دلچسپ نہیں تھا. خالصتاً مولویوں جیسی شباہت، لمبی داڑھی، واضع نکلا ہوا پیٹ، چھوٹی چھوٹی ٹانگیں، پہلی ملاقات میں تبلیغی جماعت کا ایسا رکن لگے گا جو آپ کو 'پھر سے' مسلمان بنانے کے عظیم مشن پر نکلا ہے. لیکن جدید فیشن سے بہرہ ور جب یہ مولوی کرتے کے نیچے جینز پہن کر آپ سے شمالی علاقہ جات کی ایسی باتیں کرے گا جیسے گلی محلے کی سڑکیں ہوں..... ڈاکٹر احسن کا تقریباً تمام ٹریکوں پر ہمدم شیخ ذیشان بھی ایسا ہی جن تھا جس کی زندگی کے پچھتاوں میں ان گلیشئروں پر ابھی قدم نہ پڑنا تھا جن پر جانے سے اصلی جن بھی گھبرائیں.

یہ دونوں چونکہ اس کھیل کے پرانے پاپی تھے اسلئے سکردو کے ایک ایک چپے ایک ایک دوکان کو جانتے تھے. کچھ انتظامی خریداری مقصود تھی اسلئے طے ہوا کہ کل کا دن خریداری ہوگی، سامان اکٹھا ہوگا، شمشال سے 'پرانے' تعلقات کی وجہ سے منگوائے گئے چھ پورٹر بھی پہنچ جائیں گے اس کے اگلے دن اشکولے بذریعہ جیپ روانگی ہوگی. چونکہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا محور پہاڑ اور ٹریکنگ تھے، اسلیے ہر دو کے پاس نہایت عمدہ اور قیمتی ٹریکنگ شوز، کئی پرتوں والے ٹینٹ، غالباً الاسکا سے منگوائے گئے سلیپنگ بیگ اور بھی بہت کچھ تھا. کرنل احسن بھی زندگی میں سلیقے اور قرینے کے پروردہ تھے اسلئے دیدہ زیب اور کارآمد سامان سے لیس تھے. سب سے پتلی حالت میری تھی جو اپنی لاپرواہ اور لاابالی عادت

کی وجہ سے بہت ضروری سامان حتیٰ کہ ٹریکنگ شوز سے بھی محروم تھا، تکیہ کیئے بیٹھا تھا کہ ان ماہرین میں سے کوئی مجھے ''گورا بازار'' سے پسند کروا دے گا اور میں جھٹ خرید لوں گا، لیکن یہ خوف ڈراتا تھا کہ اگر وہ اپنی مصرفیات میں مصروف ہو گئے تو مجھے تو کوئی بیوقوف بنا کر گھٹیا چیز دے دے گا.

اگلا سارا دن مصروف گزرا، سب سے پہلے تو تلاش تھی ایک شجاعت کی کہ جس کا عبدھو نے بتایا تھا. وہاں سے ہم نے عارتیاً کچن ٹینٹ لینا تھا. سکردو کی فطری شادابی تو اسی طرح قائم تھی لیکن 'مومینن' کے پاکستان میں گوروں کی اب برائے نام دلچسپی کی وجہ سے شہر میں وہ ''رونق'' نہ تھی جو اس کا خاصہ ہوا کرتی تھی. ایک نیم اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر ہم ایک کھلے کمرے میں پہنچے جہاں متینہ طور پر شجاعت ہونا چاہئے تھا. ایک چھوٹے قد کا بلتی فون پر کسی سے اونچی آواز میں بات کر رہا تھا. اور غصے میں تھا. فون سے فارغ ہو کر اس نے ہم پر ایک خشمگیں نگاہ ڈالی کہ ہاں کیا ہے؟

''وہ'' ڈاکٹر نے کھنکار کر گلا صاف کیا.

''ہمیں بتایا تھا کہ یہاں شجاعت ہوگا جو کچن ٹینٹ دلائے گا''.

''کون شجاعت؟ میں کسی شجاعت وجات کو نہیں جانتا اور یہاں کوئی ٹینٹ نہیں ہے.'' اس نے اتنی رکھائی اور بداخلاقی سے کہا کہ ہم سب حیران رہ گئے. اخلاق اور میٹھی زبان تو یہاں کے لوگوں کا خاصہ ہے.

''اچھا تو پھر ہم چلتے ہیں،'' شیخ نے بھی رکھائی سے کہا.

''کہاں چلتے ہیں، چائے پیئے بغیر آپ کہاں جا سکتے ہیں.؟'' بلتی کی آواز میں تو وہی رکھائی اور غصہ تھا لیکن دعوت حیرت انگیز تھی. یکا یک انکشاف ہو کہ بچارے کا لہجہ ایسا ہے، دل کا برا آدمی نہیں ہے. ہماری روانگی کی تمام کوششیں بے کار گئیں، کیوں کہ فٹ ہی چائے آ گئی.

''کہاں کا ارادہ ہے؟'' محبوب ایک ٹریکنگ کمپنی کا منیجر تھا، بر سبیل تذکرہ پوچھ بیٹھا.

''سنولیک'' ڈاکٹر نے مختصر جواب دیا.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

''سنولیک!'' محبوب کا چائے کا کپ ہونٹوں پر آتے رک گیا. اگلا سوال دلچسپ تھا،

''کیوں؟''

''کیوں کا کیا مطلب ہے'' ڈاکٹر نے قدرے ناراض ہوکر کہا۔''ہم تو اس کے بعد لگ پے لاء، برالڈو اور شمشال بھی جا رہے ہیں.''

''آپ لوگ!'' اس نے ہم سب کو گہری نظر سے دیکھا اور ہمارے چہروں پر پھیلی ناراضگی بھانپ کر بولا'' وہ میرا مطلب ہے وہاں تو صرف گورا لوگ جاتا ہے اور پھر وہاں.....''

اس نے آواز کو آہستہ کیا،''وہاں تو کریوس ہوتا ہے، آپ کیوں جاتے ہیں؟''

''اللہ مالک ہے، وہی لے کر جائے گا'' ڈاکٹر نے اپنا مخصوص جملہ بولا'' موت تو کہیں بھی آسکتی ہے''، ڈاکٹر نے ہاتھ سر پر پھیرتے ہوئے کہا جو بالوں کی کمیابی کی وجہ سے چکنے احساس کی وجہ سے فوراً اپنی جگہ واپس آ گیا. چائے ختم ہونے والی تھی کہ کمرہ ایک دم 'بھر' گیا..... ہم سب دب گئے، اور ایک سنہرے بال، سبز آنکھیں، بہت سجتی ہوئی فرنچ کٹ داڑھی والے ایک وجیہ شاندار انسان کی آمد نے کمرے کو بھر دیا جس کا نام شجاعت تھا.

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ محبوب جو کسی شجاعت وجات کو نہیں جانتا تھا، اس سے والہانہ گلے مل رہا تھا اور بلتی میں نان سٹاپ باتیں کر رہا تھا.

''آپ تو شجاعت کو نہیں جانتے تھے، پھر یہ کیا ہے؟'' میں نے محبوب پر طنز کیا.

''یہ شجاعت تھوڑی ہے یہ تو شجاعت بیگ ہے، اپنا یار ہے'' محبوب کے لہجے میں حیرانی تھی کہ آخر شجاعت اور شجاعت ''بیگ'' آخر ایک کسطرح ہو سکتے ہیں؟ ہم نے یہ 'بیگ' والی بحث کسی اور وقت کیلئے اٹھادی اور شجاعت کی طرف متوجہ ہوے جس سے کچن ٹینٹ اور کافی ضروری سامان فوراً مل گیا. 'گورا بازار' میں گوروں کا استعمال کردہ سامان ارزاں نرخوں پر دستیاب ہوتا ہے. میں نے فوراً حسن صد پارہ کی دکان کا رخ کیا. حسن صد پارہ ان چھ ستاروں میں ایک اور ستارے کا اضافہ ہے جنہوں نے پاکستانی ہوکر ''کے ٹو'' سر کرنے کا شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے. یہ قسمت کی دیوی بھی عجیب ہے، جب روٹھ جائے

تو پھر حسن جیسے لوگ اتنا عظیم کارنامہ کرنے باوجود داد سے محروم رہتے ہیں. حالانکہ پہلے بھی رجب علی، شاہین بیگ، نذیر صابر، اشرف امان، مہربان شاہ، قدرت علی کو ہم نے کوئی کندھوں پر نہیں اٹھایا، لیکن کم از کم اس کا اعتراف تو کیا اور کبھی بھولے بھٹکے ٹی وی پر انٹرویو بھی کروا لیتے ہیں. مگر حسن ان سب سے محروم ہے. اچھے 'تعلقات' سے محروم حسن کو صرف سکردو کے لوگ جانتے ہیں یا ''سنہرے پربت نیلی جھیلیں'' کے قاری. پہلے تو پھر اس کی وہاں دوکان تھی لیکن اس کے بیٹے کی زبانی یہ سُن کر تو مجھے شدید صدمہ ہو کہ وہ اب کسی تعمیراتی ٹھیکدار کے ساتھ ہے اور کشمیر اسی سلسلے میں گیا ہوا ہے. اگر یہ الفاظ کوئی ٹورازم والا پڑھ رہا ہے تو برائے مہربانی حسن کو عزت دیں، اپنے کتابچوں میں شامل کریں، یہ ہمارے ہیروز میں سے ایک ہے. یہ کتاب طباعت کے آخری مراحل میں تھی کہ یہ عظیم خوشخبری ملی کہ حسن نے دنیا کی بلند ترین چوٹی 'ماؤنٹ ایورسٹ' سَر کر لی ہے۔ اس عظیم نابغہ رُوزگار شخص کے ولولے اور ہمت کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ حسن ہمیں تم پر ناز ہے۔

واٹر پروف جیکٹ، موٹے موزے، واکنگ سٹک جیسی چیزیں تو وہاں سے فوراً مل گیئں لیکن ٹریکنگ شوز کیلئے مجھے اور سَر احسن کو کافی تردد کرنا پڑا کہ کرنل کے معیار کے پیمانے بہت بلند تھے اور کم ہی کوئی اس پر پورا اترتا تھا. ٹن فوڈ تو ڈاکٹر ساتھ لے کر آیا ہوا تھا، وافر مقدار میں آٹا، چینی، مصالہ جات، دالیں، پتی، بسکٹ، چاکلیٹ، انرجائل وغیرہ کی بھی خریداری کر لی گئی. گیس والا چولہا اور سلنڈر، ٹارچیں، رسے، ڈی رنگ، آئس ایکس جیسی ضروری چیزیں بھی لے لی گئیں. برف پر چلنے کے لیے بہت ضروری گیٹرز (ٹخنوں سے اوپر ٹانگوں پر پہننے والے کور جو برف کو جوتوں کے اندر جانے سے روکتے ہیں) بھی لئے گئے لیکن شیخ کی مولویانہ غفلت کیوجہ سے میرا جوڑا دوکان پر ہی رہ گیا جس کا خمیازہ مجھے گلیشئر کے اوپر بہت بہیمانہ طریقے سے بھرنا پڑا. وہاں راہ چلتے ہماری ملاقات ایک پرانے ٹریکر 'شاہد سلیم' سے بھی ہوئی، شاہد بھی ٹریکنگ کا جنونی ہے اور نہ جانے اس کے دماغ میں کیا آئی کہ ٹریکنگ کرتے کرتے 6000 میٹر بلند ''منگلیک سَر'' نامی چوٹی کو سَر کر آیا. اس نے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ٹریکنگ اور کوہ پیمائی کے درمیان موجودہ لائن عبور کرنے سے بھی تامل نہیں کیا. کیسے کیسے لوگ ہیں ہمارے ملک میں. اکاؤ کا گوروں کو دیکھ کر بڑی خوشگوار حیرت ہوئی. گوئٹے مالا سے تعلق رکھنے والی ٹیم ''گیشر برم I'' سَر کرنے آئی تھی، شدھ ہندی بولتے ایک نیپالی ٹیم کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی جو ''براڈپیک'' کیلئے آئے تھے. وہ دوکانداروں سے صاف اردو میں باقاعدہ بھاؤ تاؤ کر رہے تھے. میڈیا بھی کتنی طاقتور چیز ہے.

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب ہم واپس میس پہنچے. پورٹر ابھی تک نہیں پہنچے تھے اور ان سے ملاقات اب اگلے دن ہی ہونی تھی، فوج کا یہ '' فیئر لیس'' ایوی ایشن سکواڈرن واقعی جری اور نڈر ہوابازوں کی آماجگاہ تھی. اپنی معمول کی فوجی ڈیوٹی کے علاوہ ہم جیسے سر پھروں کو زخمی، بیمار حالات میں برفوں اور چوٹیوں سے نکالنا ان ہی کا خاصہ تھا. خود میں اِدھر تعیناتی کے دوران کئی ایسے کوہ پیماؤں کو نکال چکا تھا جن کی سانسوں کی روانی کا دارومدار صرف ہیلی کاپٹر سے بروقت ریسکیو تھا.

مجھے معلوم تھا کہ بغیر کسی ہموار جگہ کے اتنی بلندیوں پر گلیشئر کے اوپر لینڈ کرنا کتنا مشکل کام ہے اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب آپ اپنی سو فیصد مہارت کو استعمال میں لا کر بے خوفی سے یہ کام کریں. کئی دفعہ زندگی سے مایوس گوروں کی نئی زندگی صرف انہی ہوابازوں کی مرہون منت ہوتی تھی جو اپنی جان پر کھیل کر ان کیلئے یہ جان لیوا کھیل کھیلتے.

بے خوفی کی ان داستانوں میں ایک دیومالائی کردار برگیڈئر راشد اللہ بیگ ہیں. کرنل خالد رانا کے ساتھ مِل کر انہوں نے 2005 میں ایک عظیم داستان رقم کی. ''سلوانیا'' سے تعلق رکھنے والا انڈر اور جری ''ٹوماز ہیومار'' نانگا پربت کے رُوپل فیس سے اس کو تنہا سَر کرنے کی بظاہر ناممکن مہم پر نکلا. ''کِلر ماؤنٹین'' کے نام سے جانے جانے والی نانگا پربت پر اب تک دنیا میں سب سے زیادہ اموات ہوئی ہیں. یہ شیر مصائب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر 7800 میٹر تک پہنچ گیا لیکن آخری عمودی بلندی اس کیلئے ناقابل عبور ثابت ہوئی اور تھک ہار کر یہ وہیں بیٹھ گیا. اس نے جو رُوٹ چنا تھا اس میں چوٹی تک پہنچے

بغیر واپسی کا راستہ نہیں تھا اسلئے وہاں اس آس میں تھا کہ وہاں اسے کوئی ہیلی کاپٹر سے نکال لے. اس نے سٹیلائیٹ فون کے ذریعہ اپنے آپ کو نکالنے کا کہہ دیا. اپنے آپ کو پہاڑ سے باندھے اگلے پانچ دن اس کی بدقسمتی سے موسم خراب رہا اور کوئی ہیلی کاپٹر نہ آسکا. خوراک کے تمام ذخیرے ختم کر کے اس کی سانس اب اکھڑ رہی تھی. برگیڈئر راشد ان پہاڑوں کو بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ خود ان کا تعلق گلگت سے تھا. انہی نالوں جھرنوں پہاڑوں میں کھیل کُود کر وہ جوان ہوے تھے. اس کیلئے انہوں نے رضا کارانہ طور پر خدمات پیش کیں لیکن موسم کی وجہ سے اگلے پانچ دن کچھ نہ ہو سکا. 'سلوانیا' حکومت کی درخواست پر اٹلی سے ایک مشہور کوہ پیما مہم جو ٹیم بھی پہنچ گئی لیکن وہاں تک پہنچنا اس کے بس میں بھی نہیں تھا. چھٹے دن جب موسم قدرے صاف ہوا تو برگیڈیئر صاحب اپنا لاما ہیلی کاپٹر لے کر مہم پر نکل گئے ٹوماز کو انہوں نے تلاش تو کر لیا لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ بالکل نڈھال پہاڑ کے بالکل ساتھ چپکا ہوا تھا اور یہ اونچائی ہیلی کاپٹر کی لینڈنگ کیلئے اسی کی ستطاعت سے باہر تھی. سَر نے کچھ دیر سوچا اور پھر اس کیلئے اپنی جان داؤ پر لگا دی. وہاں اتنی اونچائی پر انہوں نے ہیلی کو 'ہوور' میں رکھا اور آہستہ آہستہ اس کے نزدیک لے جانا شروع کر دیا. جہاز کے پنکھے پہاڑ کے اتنے نزدیک پہنچ گئے کہ اس پر سے برف اُڑ کر جہاز کی کینوپی پر آنی شروع ہو گئی. ہیلی کی سو فیصد طاقت استعمال کرتے ہوئے انہوں نے نیچے رسی پھینکی جس کو فوراً ٹوماز نے اپنے گِرد لپیٹ لیا. کرنل خالد متواتر اس کو اشارے کرتے رہے کہ آگے آؤ، پیچھے ہو جاؤ اور جب ایک جھٹکے سے اسے اٹھا کر ہیلی سے لٹکا ٹوماز بیس کیمپ پہنچا تو باوجود نقاہت کے اس نے کھڑے ہو کر ان دونوں کو سلیوٹ کیا. ہوابازی کی تاریخ کے اس انوکھے ریسکیو پر دنیا بھر نے داد دی. سلوانیا حکومت نے دونوں ہوابازوں کو اپنا سب سے بڑا سول ایوارڈ برائے ''شجاعت'' عطا کیا.

تو اس ''فیئر لیس'' سکواڈرن میس میں وہ شام اترتی تھی جو تہذیب میں ہماری آخری شام تھی. ''احمد بیگ'' جو حال ہی میں اپنی ترقی پر شاداں و نازاں تھا. ہمیں حسرت

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

سے تکتا تھا کہ مہم جوئی اس کی گھٹی میں پڑی تھی لیکن ''اتنی زیادہ'' پر ذرا دل دہلتا تھا. اس کی عملی مدد البتہ شامل حال تھی. ریسکیو کیے گے کئی گورے اظہار ممنونیت کے طور پر بسا اوقات اپنا سامان اِدھر ہی دے جاتے. اس 'کاٹھ کباڑ' سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن ہمارے لئے وہ سٹور بہت فائدہ مند ثابت ہوا جہاں سے کئی مفید اور کارآمد چیزیں احمد بیگ کی مہربانی سے مہیا ہو گیئں.

اگلی صبح طے ہوا کہ علی الصبح چلیں گے اسلئے جب پاکستانی روایت کے مطابق دن دو بجے روانگی ہوی تو ایک ٹیم ممبر ابھی تک خمار میں تھا اور معترض تھا کہ اتنی جلدی آخر کیوں چل رہے ہیں؟ شہر میں کچھ گوروں نے نا قابل فہم طور پر ہماری جیپ کو رکنے کا اشارہ کیا . رکنے پر بڑے والہانہ انداز سے ہمیں ملے. سرخ رنگت، سنہرے بال، فرنچ داڑھی، شوخ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس پہلی نظر میں فرانس سے آمد شدہ مائیکل معلوم ہوتا تھا لیکن درحقیقت پورٹر 'ذیشان' تھا. دیدہ زیب ہیٹ اور انگریزی لہجے میں بمشکل اردو بولتا گورا ہمارا بہت ہی پیارا ہمدرد اور ماہر گائیڈ 'عبدل' تھا . کھلی کھلی مسکراہٹ ہر وقت ہونٹوں پر سجائے بڑی مناسب داڑھی والا ''شاہ' تھا. کلین شیو دولت کی بھی رنگت بالکل سرخ سپید اور سٹائل بالکل گورا موافق. ان کو دیکھ کر کافی ڈھارس ہوی کہ چلو یہ گورے کہیں نہ کہیں تو پہنچا ہی دیں.

آخری خریداری کے بعد دو جیپوں میں یہ قافلہ سفر پر گامزن ہوا تو مجھے ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی محسوس ہوی کہ ہر سفر کے شروع میں اندیشے اور امیدیں ہوتی ہیں جو آپ کے ہمسفر ہوتے ہیں. انہی اندیشوں نے اب پورا ٹریک ساتھ چلنا تھا، ہر گذرے قدم کے ساتھ انہوں نے اپنی عمر گھٹانی تھی اور ''امید'' کو جواں سے جواں تر کرنا تھا. اس وقت تو اندیشے اپنے پورے جوبن پر تھے اور امید کی صرف ایک کلی ان کے تھپیڑے پوری بہادری سے سہتی تھی کہ سکردو میں نازل شدہ جن ہیں نا ساتھ جن میں ابھی کچھ گورے جن بھی شامل ہو چکے تھے.

نملا لوری

وہ سنسنی جو میری ریڑھ کی ہڈی میں روانگی کے وقت اترتی تھی، ہولے ہولے معدوم ہوتی تھی. فطرت دوشیزہ اپنے تیکھے پن کے ساتھ نین لڑاتی تھی. کئی دنوں کے ابر الود موسم کے بعد بڑی چمکیلی دھوپ نکلی تھی. شفاف نیلے آسمان کا نیلگوں پن اس دھوپ کی چمک سے شِگر جھیل کو ایک خاص دمک عطا کرتا تھا جس کو بغور دیکھنے کیلئے کرنل کی دوربین کی بہت مانگ تھی. ہم سکردو اسکولے روڈ پر گامزن تھے جس نے شِگر سے ہو کر گزرنا تھا. دو جیپوں کے اس قافلے میں اگلی جیپ پر ہم اور پچھلی میں پورٹر. میں نے اپنے تئیں خالصتاً ٹریکر ڈریس زیب تن کرنے کیلئے ٹریکنگ شُوز سپورٹس پاجامہ اور ہیٹ پہنا تھا. سَر احسن نے بھی قیمتی ہیٹ کو ہوا لگوادی تھی جو انہوں نے گذشتہ روز سکردو سے پورے شہر کی خاک چھاننے کے بعد لیا تھا. گیروی رنگ کے اس ہیٹ کو خاص کی چیز گردن کے پچھلی طرف کا ہم رنگ کوَر تھا جو دیدہ زیب ہونے کے علاوہ کارآمد بھی تھا. ٹریک کے دوران گردن کو سورج کی تیز شعاوں سے بچا کر اس کی گوری رنگت کو برقرار رکھنا تھا اسی کا خاصہ تھا. دونوں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

پرانے پاپی البتہ ڈھیلے ڈھالے عام لباس میں جینز شرٹ وغیرہ کے ساتھ چلتے تھے کہ ان کیلئے ٹریک اس طرح کا معمول تھا جیسے قصائی سے بغیر ہڈی قیمہ بنوانا. شیخ نے تو سینڈل بھی اتارنے کا تردد نہیں کیا تھا. اس نے تو اپنی مولویانہ عادت سے مجبور ہو کر ایک بڑا چارخانہ رومال ایک چادر کی طرح سر پر لپیٹا ہوا تھا جبکہ میں نے عظیم 'یاسر عرفات' کی مناسبت سے ایک سرخ اور سفید فلسطینی رومال گردن کے گرد لپیٹا ہوا تھا. وادی سکردو میں شیر دریا دریائے سندھ کو خوار دو پُل پر الوداع کہا جہاں نیچے اس کا پاٹ کافی وسیع ہو رہا تھا.

بل کھاتی سڑک ایک پہاڑ کے گرد چکر لگاتی تھی کہ اس کے پیچھے شِگر وادی تھی. قدرت کا انوکھا رنگ ریت کے ٹیلے اس ہوا سے پوری تندی سے نبرد آزما تھے جو وادی میں پوری طاقت سے اسطرح گھومتی تھی کہ جیسے کوئی بدمست ہاتھی. نیچے دریا، ساتھ کم از کم دس (10,000) ہزار فٹ بلند چوٹیاں جن کے دامن میں سبزہ. خالص ریت کے ٹیلوں کے ساتھ بل کھاتی سڑک پر ہماری جیپ کے اندر بھی وہ زور آور ہوا گھستی جو تمام شیشے بند کرنے کے باوجود نہ جانے کس درز سے اندر کا راستہ بناتی تھی اور ہمارے رومالوں کو پھڑ پھڑاتی تھی. تقریباً ایک گھنٹے میں ہم شِگر پہنچ گئے. میں پورے تین سالوں بعد اِدھر لوٹا تھا. لوگوں میں اور ماحول میں ایک واضح تبدیلی تھی. اکثر نے کان کے ساتھ موبائل فون لگائے ہوے تھے اور سڑک کے ساتھ دکانوں کی تعداد میں اضافہ تھا. قدرتی رنگ آہستہ آہستہ مادیت کے رنگ میں مِل رہا تھا. عورتیں بھی اب کوئی شرمیلی نہیں تھیں اور ماضی کے طرح کسی جیپ کو دیکھ کر اپنا منہ چھپانے کی بجائے بے باکی سے تکتی تھیں. حیرت انگیز طور پر ڈاکٹر اور شیخ اس تزئین شدہ قلعے کے دیدار سے ابھی تک محروم تھے جو پانچ سال پہلے 2005 میں آغا خان فاونڈیشن نے بڑی محنت اور سلیقے سے مرمت کے بعد عوام کیلئے کھولا. وقت کی کمی کے باعث میں نے صرف نظر کی کہ اسکولے تک ابھی سات مزید گھنٹوں کا راستہ تھا.

یہ شِگر وادی بھی اپنی خوبصورتی اور تنوع میں کسی سے کم نہیں. دائیں طرف بلند و بالا پہاڑوں کا ایک متواتر سلسلہ، نشیب میں میدان کے وسیع پاٹ میں بہتا دریائے شگر اور

بائیں پھر پہاڑی سلسلہ. دریا کے ساتھ اور راستے میں آنے والی چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے ساتھ درختوں کا ایک گھنا سلسلہ چلتا تھا. شِگر مرشد تارڑ صاحب کا ایک پسندیدہ مقام ہے جہاں گھر بنانے کی خواہش کا وہ کئی دفعہ اظہار کر چکے تھے. سڑک کے بائیں جانب ان سیبوں کے باغات تھے جو ابھی کچے تھے لیکن پورے ماحول میں اپنی مسحور کن خوشبو بکھیرتے تھے. سیبوں کے باغات سے لدا پھندا 'حشوپی' بھی ایک ایسا قصبہ ہے جس کی فضا میں مسحور کن خوشبو ہے. سابقہ تجربے کے پیش نظر ڈاکٹر نے درختوں کے ایک جھنڈ کے بائیں جیپ رکوائی جہاں کے شہتوتوں کے ذائقہ دار رس کو یہ دو چکھے بغیر کبھی آگے نہیں جاتے تھے. میں ان کے ساتھ شہتوت توڑنے کے نیک کام میں مصروف ہو گئے. شہتوتوں کو منہ میں رکھنا ایک نیا تجربہ تھا کیونکہ کالے رنگ کا یہ نرم سا دانہ زبان پر رکھتے ہی رسیلے ذائقے کی پچکاری مار کر اندر ہی کہیں گم ہو جاتا اور اپنے بے مثال رنگ کی یاد چھوڑ جاتا. یہ تجربہ خیر ناقابل فراموش ذائقے کے علاوہ ہولناک بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک ٹریک پر جانے سے پہلے اسی طرح کی ایک شہتوت خوری کے بعد ڈاکٹر کا پیٹ خراب ہو گیا تھا اور اگلے تین دن خراب رہا.

پکی سڑک کے اختتام پر دھول اڑاتا کچا ٹریک شروع ہو گیا تھا. وادی کے بائیں جانب دریا کے پار بھی کچھ دیہات تھے جس میں ڈاکٹر کا بہت پسندیدہ 'تیسر' بھی شامل تھا. اسی کے آگے بڑے خوبصورت نام والا 'گلاب پور' تھا، وادی کا آخری گاؤں 'ارندو' بھی قدرت کی ایک حیرت انگیز ضناعی ہے. جس کے آگے بلند پہاڑوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے. وہیں سات ہزار میٹر سے بلند ''سپنک'' ہے جس کی سونے جیسی چمک سے متاثر ہو کر ''گولڈن پیک'' کا نام دیا جاتا ہے. وادی کے دائیں طرف آبادی کے آخری گاؤں ''حیدر آباد'' سے جب جیپ نے دائیں ٹرن لیا تو وادی ایک دم تنگ ہو گئی. وہ وسعت جس کی ہماری آنکھیں عادی ہو گئی تھیں ختم ہو گئی.

پہاڑوں کی شباہت بھی بدل گئی اور چوٹیاں زیادہ بلند اور اکثر نوکیلی ہو گئیں.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

چڑھائی بھی شروع ہو چکی تھی اور دریائے ''برالڈو'' کے پانی کم پھیلاو کی وجہ سے پتھروں سے جھگڑتے شور مچاتے تھے. ڈرائیور اسمٰعیل جو پہلے خوشدلی سے ہمارے ساتھ قہقہے لگاتا تھا، اب سنجیدگی کے ساتھ راستے پر نظریں جماتا تھا. دھوپ ختم ہو گی تھی اور شام کے سائے گہرے ہوتے تھے جب ہم 'داسو' کی فوجی چیک پوسٹ پر پہنچے. یہاں تمام افراد کا اندراج ہونا تھا اور اجنبیوں سے تفتیش کے علاوہ فوج کا جاری کردہ پرمٹ بھی طلب کیا جاتا تھا. وہاں موجود حوالدار مجھے اور کرنل کو شک بھری نگاہوں سے دیکھتا تھا کہ یہاں تو زندگی کو کوستے ڈیوٹی کیلئے ہی فوجی آتے ہیں، یہ اپنے آپ کو آفیسر کہلوانے والے کس ناقابل فہم مہم پر چلے ہیں. باتوں باتوں میں اس نے اپنی طرف سے یہ تصدیق کی کہ ہم واقعی فوجی ہیں بھی کہ نہیں.

پہاڑوں کی چوٹیوں پہ برف پڑی ہوئی تھی اور ہمیں ہلکی ہلکی خنکی لگتی تھی. میں کچھ نوٹس لینے میں منہمک تھا کہ ڈاکٹر کی آواز آئی یہ گرمالیجئے. میں جلدی جلدی آخری الفاظ گھسیٹنے لگا، ڈاکٹر سمجھا میں نے سنا نہیں، آواز میں حد درجہ شیرینی پیدا کر کے گویا ہوا. ''یہ گرمالیں آپ بھی یاد کریں گے کہ ایک ''گنجے ڈاکٹر'' نے کتنے پیار سے پیش کیا تھا'' اب اتنے پیار کے اظہار کے جواب کا تو میرا پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، اب یہ پیار ڈاکٹر کے ان سنہرے الفاظ کے اقتباس سے ضرور لوٹا رہا ہوں.

وادی مزید تنگ اور دریا پرشور ہو رہا تھا. ٹریک بہت تنگ اور پرخطر ہو گیا تھا. راستے میں آنے والے دو تین تیز نالوں کو اسمٰعیل نے بڑی مہارت سے 4x4 گیئر لگا کر عبور کیا، ٹریک اتنا تنگ تھا کہ مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اگر سامنے سے کوئی گاڑی آ گئی تو کیا ہو گا. میں نے اپنے خدشے اظہار اسمٰعیل سے کیا تو اس نے بے پروائی سے کہا کچھ بھی نہیں ہو گا، صرف ایک آدھے سیکنڈ کیلئے دو ٹائر ہی ہوا میں کرنے پڑیں گے. یہ کافی خطرناک صورت حال تھی اور پھر میں اس کی سرخ ہوتی آنکھوں میں واضح طور پر نیند کی کمی بھی دیکھ رہا تھا. برسبیل تذکرہ جب میں نے نیند کا پوچھا تو اس نے یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ ہم نیند کے بغیر دو دو تین تین دن متواتر گاڑی چلاتا ہے. پتا نہیں اس کے پاس ایسی کون سی کستوری تھی

جو نیند کے بغیر بھی اتنی مشکل ڈرائیونگ کرتا تھا.

شب کے آٹھ بجے تھے جب ہم 'اپالی گون' پہنچے. ایک خوبصورت قصبہ جس کے K-2 ہوٹل کے باہر پانچ چھ جیپیں رکی ہوئی تھی. یہ خبر گرم تھی کہ آگے نالہ بپھر گیا ہے اور اس کو عبور کرنا اسوقت ممکن نہیں یہ رات اِدھر ہی بسر کرنی پڑے گی. ہم نے تو شکر کیا کہ اس اندھیرے میں سفر کرنے سے ہماری جان ویسے ہی نکل رہی تھی لیکن اسمٰعیل اس سے سخت ناراض تھا. ڈاکٹر سے جب اس نے اجازت چاہی کہ وہ جاتا ہے اور اگلی بکنگ کی کوئی جاپانی ٹیم لے کر واپس آتا ہے تو ڈاکٹر کا پارہ قابل فہم طور پر آسمان کو چڑھ گیا. مذکرات کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کی وجہ گاڑیوں کی چابیوں کا قبضہ تھا جو ڈاکٹر نے چابکدستی سے جما لیا تھا. مذکرات کا انجام ظاہر ہے ہمارے حق میں ہی ہونا تھا. خنکی کافی بڑھ چکی تھی اسلیے جیکٹوں اور ٹوپیوں کی بہار تھی. کھانا کھا کر سلیپنگ بیگ میں پہلی رات کچھ اتنا خوشگوار تجربہ نہ تھا کہ نا مطابقت کی وجہ سے رات کو آنکھ کئی بار کھلتی تھی.

اگلی صبح جلد ہی آنکھ کھل گئی. سپیدگی دھیرے دھیرے وا ہو رہی تھی اور ہوا ابھی پر شور نہ تھی بلکہ بانسری کی لے جیسی ہلکی ہلکی موسیقی چھوڑتی تھی. ٹریک اس طرح پرخطر اور تنگ تھا. کچھ ہی دیر بعد ہم اس نالے میں سے گزرے جہاں کل بہت پانی تھا. چونکہ صبح کا وقت تھا جس میں تمام پانی نسبتاً پرسکون اور کم تیز ہوتے ہیں اسلیئے ہمیں کوئی خاص دِقت نہیں ہوئی. وادی نسبتاً کھلی ہو گئی تھی اور کناروں پر جا بجا مکئی اور آلو کے کھیت بھی نظر آتے تھے. چونکہ ابھی ہم دس ہزار فٹ بلندی سے نیچے تھے اسلیئے درختوں کی قطاریں بھی ہمارے ہمدم تھیں. کچھ ہی دیر بعد وہ حیرت انگیز مقام آیا جو امیں نے دورانِ پرواز ہیلی کاپٹر سے تو بہت دفعہ دیکھا ہوا تھا لیکن زمین پر اتنے قریب سے دیکھنے کا پہلا تجربہ تھا.

دریائے برالڈو جو کہ تنگ راستے کی وجہ سے تیز، پرشور اور غصیلا ہوتا ہے، اس مقام پر اچانک ایک سرنگ میں داخل ہو جاتا ہے. یہ قدرتی سرنگ ایک بہت حیرت انگیز امر ہے کیونکہ بالکل کسی انسانی تعمیر کی مانند یہ پل سا بنا ہوا ہے جس کو ذرا دل گردے والا چھلانگ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

مار کر عبور کر سکتا ہے مگر نیچے پانی کو "دیکھے بغیر". چونکہ یہ پُل نما درز بہت تنگ ہے اور بالکل سیدھی ہے اسلیئے کسی لطیف حس ذوق رکھنے والے نے اسی "براللڈو گورج" کو "نیلم گورج" کہہ دیا. واقعی اگر ایک ناقابل بیان نسوانی عضو کا خیال دل میں لایا جائے تو اس سے بہترین تشبیہ نہیں ہو سکتی اور ان موصوف کو شاید نیلم نام بہت بھاتا تھا اسلیئے نیلم گورج کہہ دیا. حیرت انگیز طور پر ساتھیوں کو اس بارے میں معلوم نہیں تھا. میرے بیان کرنے پر کرنل اور شیخ تو فوراً سمجھ گئے اور دبی ہنسی ہنسنے لگے کہ اسطرح کے 'نازک' مقامات باریش مومنین کی سمجھ میں فوراً آتے ہیں لیکن ڈاکٹر نہ سمجھا. بار بار مجھ سے براللڈو کو نیلم کے نام سے تبدیل کرنے کی وجہ تسمیہ پوچھتا رہا. میں نے بھی اس کی سادگی سے لطف اٹھاتے ہوئے کہا کہ اس کو جواب یہاں نہیں گلیشر پر ملے گا.

وادی کے بائیں جانب ایک گاؤں کا بڑا دلچسپ نام اسمٰعیل نے بتایا. 'چھاپو' نام سے ذہن میں فوراً گمان آتا ہے کہ اِدھر کوئی بڑا چھاپہ خانہ ہوگا یا پھر کرپشن کو کوئی گڑھ ہوگا جہاں نوٹ چھاپے جاتے ہوں گے لیکن اسمٰعیل نے فوراً وضاحت کی کہ بلتی زبان میں اس کا مطلب "ٹوٹا ہوا" ہے. پتا نہیں یہ کہاں سے ٹوٹ کر گرا تھا. آگے ایک مقام پر شیخ نے اصرار کر کے جیپ رکوائی اور ہمیں ایک حیرت انگیز منظر دکھایا. یہاں پر دریا کی تندی اپنے جوبن پر تو تھی ہی لیکن نسبتاً چوڑا پاٹ تھا. کچھ اسطرح کے نشیب تھے جو ایسی رافٹنگ کیلئے بہت موزوں ہو سکتے ہیں جو دنیا بھر میں تیزی اور خطرے کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہو. لگے ہاتھوں کرنل نے خوشگوار انکشاف کیا کہ ناران سے آگے دریائے کنہار پر رافٹنگ کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے. "پکوڑہ" اور 'ہوتو' گاؤں اپنے کھیتوں کی وجہ سے سرسبز تھے. ایک دلچسپ بات جو نظر آئی کہ ہر گاؤں میں کسی نہ کسی پرائیوٹ سکول کا بورڈ لگا ہوتھا. اللہ جانے یہ بہتر تعلیم کی سعی تھی یا لوگوں کو بیوقوف بنانے کا ایک ذریعہ لیکن حیرت انگیز اور دلچسپ امر تھا.

ٹریک پر ایک خوشگوار مہک پھیلی جاتی تھی جو ان گلابی جنگلی پھولوں کی بہتات سے پھیلتی تھی جو قدرتی طور پر آس پاس جابجا پھیلے تھے. دور ایک برف پوش چوٹی نظروں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

میں سماتی جو پہلی نظر میں بالکل "گیشر برم 4" سے مشابہہ تھی. بائیں جانب ایک گھنا جنگل دم ردکتا تھا جس کو 'سورنگو' کا خوبصورت نام دیا تھا. انہی گلابی پھولوں کے بیچ ایک خوبصورت گاؤں 'تھنگل' کے بعد ٹریک ایکدم آسمان کی جانب اوپر چڑھنا شروع ہوگیا. نہ صرف یہ کہ چڑھائی دہشت ناک تھی، ان میں جا بجا موڑ بھی تھے. ان میں سے کچھ اتنے تنگ تھے کہ گاڑی روک کر، ریورس کر کے پوری طاقت سے اوپر کی جانب آتی تو موڑ کٹتا. سب نے چپ سادھ لی تھی اور نظریں جما کر اسی ٹریک کو دیکھتے تھے جس کو ہماری جیپ اپنی پوری طاقت سے چڑھنے میں مصروف تھی.

آخری چار دہشت ناک موڑ مڑ کر گاڑی سیدھی ہوی تو وادی ایکدم کُھل گئی، رنگوں کی بہار اپنے پورے جوبن پر آگئی...... اشکولے آگیا.

ٹریک کے آخری گاؤں اشکولے میں ایک خاص کشش ہے، بلند پہاڑوں کے بیچ میں کچے پکے گھروندوں کا ایک مجموعہ جس کو سبز کھیت تین اطراف سے گھیرے تھے. گاؤں میں داخل ہوتے ہی ایک بورڈ پر نظر پڑی تو طبیعت بہت مکدر ہوی. ایک منافقت کی رودِ رواں لسانی بنیادوں پر قائم سیاسی جماعت کے امیدوار کا انتخابی اشتہار. کیا ملک کا جنوب کم شورش زدہ تھا کہ یہ کمبخت یہاں بھی پہنچ گئے. مقامی لوگوں سے بات ہوی تو میرا خدشہ درست نکلا. اس سے پہلے یہاں انتخابات ہمیشہ پرسکون اور پرامن ہوتے تھے لیکن اس سیاسی جماعت کی آمد سے ان کا کلچر دھونس اور دھاندلی بھی میدان میں آگئے. نتیجہ دو انسانی جانوں کا ضیاع. خدارا اس جنت بے نظیر کو تو معصوم رہنے دو.

پورٹر تو سامان اتار کر وزن کرنے اور تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے جبکہ ہم گاؤں کی سیر کو چلے. بچوں کے چہروں پر بے انتہا سرخی تھی، چمکدار سنہرے بال لیکن غربت کے ملال سے بھرپور. کم ہی بچوں کے تن پر پورے کپڑے تھے یا پاؤں میں جوتے. گدڑی میں لعل پھر رہے تھے. ہم نو تعمیر شدہ اشکولے میوزم دیکھنے چلے جو کہ ایک چھوٹے سے گھر میں بنایا گیا ہے. یہاں اشکولے کی تاریخ اور قدیم تصاویر محفوظ کی گئی تھی. عورتوں کے کچھ

www.kmjeenovels.blogspot.com

ملبوسات اور زیورات بھی ایک دلچسپی کی چیز تھے۔ کالے رنگ کے گھیرے دار لباس میں عموماً کافی کشیدہ کاری کی گئی ہوتی ہے۔ کچھ بڑے بڑے مٹی کے برتن بھی پڑے تھے۔ اصرار کر کے مزیدار قہوہ پلایا گیا جس کے بعد وزیٹر بک پر کچھ لکھنے کو کہا گیا۔ ہم سے پہلے کچھ غیر ملکی بھی یہاں اپنے تاثرات لکھ کر گئے تھے۔ ان میں گوئٹے مالا کی وہ ٹیم بھی شامل تھی جو ہمیں سکردو میں ملی تھی۔ یہ پیئر برم I کو سر کرنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ایک ارجنٹائنی خاتون بنام 'لوسی' بھی اپنے تاثرات لکھ کر گئی تھی۔ میں نے ویسے ہی ڈاکٹر کو کہا کہ آپ کو پتا ہے یہاں کل ایک گوری آئی تھی تو وہ سادہ آدمی میرے پیچھے پڑ گیا کہ میں اسے اس کشف وغیب کی بابت بتاؤں جس کے بل بوتے پر میں نے یہ بیان دیا۔ وہ یہ بات اقبال انصاری (میوزم کے رکھوالے) سے تصدیق کر چکا تھا۔ میں نے بھی کچھ لطف اندوز ہو کر اسے رجسٹر کا بتایا تو اس کی حیرت دوچند تھی کہ اچھا 'لوسی' نسوانی نام ہوتا ہے!!!

اشکولے سے سامان کے لئے اضافی پورٹر لئے تھے ہم نے اپنا 10 کلو کا ذاتی بیگ بنا لیا۔ شمشالی پورٹروں نے 20 کلو کے اپنے بیگ بنا لئے اور اب ضرورت تھی سنولیک تک جانے والے آٹھ پورٹروں کی جو ہمارے اضافی سامان اٹھا سکیں۔ اس کے بعد انہیں واپس آ جانا تھا۔ اشکولے والے مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں اگر کوئی ٹیم سکردو سے پورٹر لے کر آئے۔ سابقہ تجربے کے پیش نظر ڈاکٹر نے اسلیئے یہاں سے پورٹر لینے کا پروگرام طے کیا ہوا تھا۔ یہ ایک مشکل کام ثابت ہوا۔ ٹیموں کے کم ہو جانے کی وجہ سے کئی تو یہ کام چھوڑ کر کوئی اور پیشہ اپنا گئے تھے جب کہ 'سنولیک' اور آگے جانے کا نام سُن کر باقی رفو چکر ہو جاتے۔ اس پریشان صورتحال کو وہاں موجود ایڈونچر فاونڈیشن کے ربّانی نے سنبھالا۔ کچھ زائد رقم پر اور 'سنولیک' کے آغاز تک کی شرط پر آخر کار آٹھ پورٹر تیار ہو ہی گئے۔ جلدی جلدی کھانا کھا کر دن کے ڈیڑھ بجے جب ہم نے قیصر گراونڈ کیلئے آغاز کیا تو دھوپ بہت تیز تھی۔ ربّانی نے ہمیں بارہا کہا کچھ دیر بعد چلیں کیونکہ قیصر گراونڈ بالکل کھلی جگہ ہے جہاں سایہ کوئی نہیں اور ہم دھوپ کی وجہ سے تنگ ہوں گے لیکن ڈاکٹر نے اپنا مخصوص جملہ اللہ مالک ہے،

کرم کرے گا بولا اور چل پڑا۔

کسی بھی ٹریک کا پہلا قدم بہت اہم ہوتا ہے، حالانکہ بھاری ہوتا ہے اور اندیشوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ عقل بار بار اکساتی ہے ابھی بھی وقت ہے، یہ قدم اٹھانے سے پہلے ہی واپس ہو لو لیکن جذبہ اور جنون اس کی سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ دل کی دھک دھک واضح سنی جاتی ہے۔ یہ کمبخت دل ہی تو ہے جو یہاں تک لاتا ہے اندیشے، امیدیں، تمنائیں، نامعلوم کا خوف سب اسی قدم سے پہلے اپنے عروج پر ہوتے ہیں لیکن قدم اٹھتے ہی جیسے اندر خالی ہو جاتا ہے۔ تمام احساسات بخارات بن کر اُڑ جاتے ہیں اور تمام توجہ صرف ایک شے پر مرکوز ہو جاتی ہے...... اگلے قدم پر۔ نظر راستے پر جم جاتی ہے اور کچھ ہی دیر بعد آپ ہلکے پھلکے اس ماحول کا ایک حصہ بنے ہوتے ہیں۔ 10 کلو کا رُک سیک کمر پر کچھ بھاری محسوس ہوتا تھا۔ شیخ اور ڈاکٹر بھی اپنے دیدہ زیب وقیمتی ٹریکنگ شوز کا جلوہ کرا چکے تھے اور اب شریفانہ ٹریکنگ لباس میں ملبوس تھے۔ پہاڑوں میں چلنے کیلئے جینز زہر قاتل ہے اسلیئے سب کھلے کھلے سپورٹس پاجاموں میں ملبوس تھے ڈاکٹر کی پیلی جیکٹ، کرنل کا گرے ہیٹ اور پورٹر ذیشان کی شوخ شرٹ ماحول کو رنگ بخش رہے تھے۔

ٹریک کچھ دیر تو ہموار اور کھلا رہا۔ رفتار کے حساب سے خود بخود تین ٹیمیں بن گیئں۔ پورٹر تو لمبے لمبے ڈگ بھرتے یہ جاوہ جا۔ میں، کرنل اور گائیڈ عبدل دوسری ٹیم میں جبکہ ڈاکٹر کی چونکہ ٹانگ کی وجہ سے رفتار کم تھی اسلیئے وہ اور ذیشان ساتھ ساتھ۔ وادی کے بائیں جانب ہم ٹریک پر چل رہے تھے۔ ساتھ کچھ کھیت تھے جو تھوڑی دیر بعد ہی ختم ہو گئے۔ درمیان میں دریا برالڈو بہتا تھا۔ چونکہ ہم 10 دس ہزار فٹ سے اوپر آ گئے تھے اسلیئے درخت اب معدوم ہو چکے تھے۔ دائیں جانب دریا پار ایک گاؤں 'ٹیسٹی' کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ سرکاری طور پر آخری گاؤں اشکولے ہے۔ انکشاف ہوا کہ نہیں آخری گاؤں 'ٹیسٹی' ہے لیکن وہاں تک چونکہ کوئی ٹریک نہیں جاتا اسلیئے وہ شہرت سے محروم ہے۔ یہ قسمت بھی کیا عجیب کھیل کھیلتی ہے یہ گاؤں اشکولے سے بمشکل پانچ چھ کلومیٹر ہو گا لیکن،

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

مواصلاتی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہے.

وہی عقاب کے چونچ والی G-4 سے مشابہ چوٹی جو اپالی گون سے دِکھتی تھی اب بالکل سامنے تھی. اردگرد پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جابجا برف نظر آتی تھی. ایک گھنٹہ ہونے کو تھا اور پیاس تنگ کرتی تھی. میں نے انرجائل ملے پانی کی ایک پوری بوتل بھری تھی لیکن وہ رُک سیک میں تھی جس کو اتار کر کھولنا اور پھر چڑھانا ایک مشکل کام سوجھتا تھا. ایسے میں کرنل کی بوتل بہت فائدہ مند ثابت ہوئی جس کا بل کھاتا چھوٹا سا پائپ تھا. پائپ کو پکڑ کر سانس اندر کھینچنے سے پانی بوتل سے حلق میں آتا اور فرحت بخشتا. یہ ایک دو فعہ تو ٹھیک ہے لیکن شرم اور لحاظ بھی آخر کوئی چیز ہے. چارو ناچار میں نے رُک سیک اتار کر اس میں سے پانی کی بوتل نکالی اور پھر ہاتھ میں پکڑ لی. رُک سیک ویسے بھی مجھے بہت تنگ کر رہا تھا جس کا اظہار میں نے کرنل سے کیا. اس کی عقابی نگاہوں نے فوراً مسلہ بھانپ لیا جوان دو سٹریپ کو نہ بند کرنے میں پوشیدہ تھا جو سینے پر آتے تھے. میں نے ان کو بے فائدہ سمجھ کر یونہی چھوڑ دیا تھا لیکن کرنل کے جہاندیدہ سلیقے نے جب زبردستی انہیں بند کرایا تو زندگی میں کافی سکون آیا.

وادی کے دائیں جانب دور بلندی سے گرتی چار آبشاریں رُک کر دیکھنے کے قابل تھیں کہ دودھیا برفوں سے نکلتی سینکڑوں فٹ نیچے گرتی یہ آبشاریں فطرت کے معصوم اور پر جمال ہونے کا مظہر تھیں. یہ آبشاریں تو خیر مَن میں گدگدی کرتی تھی مگر جو ایکدم ہی سامنے مَن کو چوکس اور پریشان کرتی تھی، وہ ایک بی پی چڑھائی تھی جو ایکدم ہی سامنے آگئی تھی. (بی پی تو آپ سمجھتے ہی ہونگے کہ پنجابی کے دو الفاظ ہیں اور یقیناً پر اخلاق یا شائستہ نہیں ہیں) اس بی پی چڑھائی نے سانس اور ہوش دونوں اچھی طرح ٹھکانے لگا دیے.

مزے کی بات یہ ہے کہ ایک چڑھائی کے ختم ہوتے ہی دوسری بی پی چڑھائی آ گئی. ان دو چڑھائیوں کے بعد جب سانس اور زمین ہموار ہوے تو دور ''کوروفن'' اور اس کے دامن میں ''قیصر گراؤنڈ'' نظر آنا شروع ہو گئے. دائیں ایک جھولا پُل بھی دِکھتا تھا جو بالتورو جانے والوں کیلئے راستہ تھا. ''کوروفن'' دراصل ایک عظیم اور قوی الجثہ پتھر ہے جس کا بلتی زبان

میں مطلب ہی ''بڑا پتھر'' کے ہیں. کئی میل دور سے نظر آنے والے اس پتھر کے بائیں جانب وہ عظیم گلیشئر ہے جو 61 کلومیٹر طویل دنیا کا تیسرا بڑا بیافو گلیشئر ہے. اس پر چلنا اگلے چھ دن ہمارا مقدر تھا. 'کوروفن' کو دیکھ کر ایک دفعہ پھر دل میں خیال ابھرا کہ ابھی بھی وقت ہے کان لپیٹ کر واپس چلو لیکن جب کان عبدل کی اس کہانی کی طرف متوجہ ہوے جو اٹلی کی ایک 64 سالہ عورت کے بارے میں تھی جو اس عمر میں 6000 میٹر سے بلند ''مستاغ پیک'' عبدل کے ساتھ سَر کر کے آئی تھی تو بڑی شرمندگی ہوئی اور اس خیال کو ذہن سے زور سے جھٹک دیا.

'کوروفن' کے دامن میں کھلی جگہ قیصر گراونڈ ایک وسیع سرسبز میدان ہے. تقریباً تین گھنٹوں میں ہم وہاں پہنچ گئے. شکر ہے کہ دھوپ نہیں تھی اور بادل چھا گئے تھے ورنہ وہاں واقعی کسی سائے کا نام ونشان بھی نہ تھا. اس گراونڈ میں ایک پیز البتہ اس کے حسن کو داغدار کرتی تھی. جابجا جانوروں کا فضلہ بکھرا پڑا تھا اور بہت پڑا ہوا تھا. نہ جانے اتنے جانور یہاں سے گذرتے کیا کرنے کیلئے تھے. کیمپ لگا دیا گیا. میرا اور کرنل کا سفید خیمہ، شیخ اور ڈاکٹر کا کالا و نارنجی خیمہ اور کچن کا نیلا ٹینٹ. گرم گرم بھاپ اڑاتے چکن سوپ نے سارنی تھکن ذائل کر دی اور شل ہوتی ٹانگوں کو توانائی دی. اشکولے سے لیا گیا پانی سب کے پاس ختم ہو چکا تھا اسلیئے ساتھ ہی بہتے دریا سے میں نے خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور بوتل میں بھی بھر لیا ہر چند دریا کا پانی کچھ میٹالے رنگ کا تھا لیکن چونکہ بہتا ہوا تھا اور شیخ کا فتویٰ تھا کہ چونکہ بہتا ہوا ہے اسلیئے 'ٹھیک' ہے. یہ اور بات ہے کہ شیخ اس کو خود پینے سے احتراز برتتا تھا اور جب پینا مجبوری بن گئی تو اسے ابال کر پیا.

کھلے آسمان تلے آج پہلی رات تھی اور کیا رات تھی کہ شوخ تاروں بھری رات تھی. تارے اتنی بہتات میں تھے اور اسقدر چمکتے تھے کہ لگتا تھا دور کوئی آتش فشاں پھوٹ پڑا ہے اور یہ سب اس کے شرارے ہیں. کھانا کھا کر سب جلدی سو گئے کہ کل صبح جلدی نکلنا تھا. گلیشئر کو ادب بھر سلام پیش کر کے میں بھی سو گیا لیکن گیارہ بجے کے قریب شدید بے چینی کی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

وجہ سے آنکھ کھل گئی. مثانے پر بھرپور دباؤ پڑا ہوا تھا. سلیپنگ بیگ چھوڑ کر، جوتے و جیکٹ پہن کر جب میں باہر دوڑتا ہوا بمشکل ایک جھاڑی کے پاس پہنچا تو وہ پھٹنے والا تھا. کچھ مائع قسم کے اخراج نے پیٹ خراب ہونے کا ہولناک انکشاف کیا. ضرور یہ اس بہتے ہوئے پانی کا شاخسانہ تھا.

ساری رات یہ آنکھ مچولی جاری رہی اور جب تقریباً آٹھویں مرتبہ میں فطرت کی آغوش میں فطرت ہی کے بلاوے پر گیا تو بڑے صدقِ دل سے خدا کو پکارا کہ یا اللہ جب میں آغاز کے اتنے قریب پہنچ کر ذہنی طور پر تیار ہوں تو مجھے جسمانی طاقت بھی عطا کر. یہ غالباً اس رقت کا نتیجہ تھا کہ پھر صبح تک سکون سے نیند آئی.

اگلی صبح سب کے چہروں پہ گہری سنجیدگی تھی. ڈاکٹر نے مجھے پیٹ کیلئے ایک گولی دی. پراٹھے، شہد، آملیٹ چائے کا بھرپور ناشتہ کرنے کے بعد شیخ سے دعا کی درخواست کی گئی. شیخ نے بھی موقعے کی مناسبت سے ایک بھرپور استغفار والی دعا کرائی. دعا کے دوران مجھے بچپن میں کئے گئے بسوں کے وہ سفر شدت سے یاد آئے جس میں دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی نظر جس پہلی تحریر پر پڑتی تھی وہ ''گناہوں کی معافی مانگ کر سوار ہوں'' ہوتی تھی. شیخ نے بھی ہمیں تمام گناہ معاف کرانے کی استدعا کر کے ہی اس گلیشئر بس پر سوار ہونے کی اجازت دی.

چونکہ آج گلیشئر پر چلنا تھا اسلیئے میں نے خاص تیاری کی. واکنگ سٹک، نیلی جیکٹ، فلسطینی رومال اچھی طرح سر اور گردن پر لپٹا ہوا، سر پر بڑا سا گہرا ہراہیٹ، حتیٰ کہ خاص برف والی 'گوگلز' بھی میں نے ابھی سے پہن لیں، کرنل اور شیخ کافی ڈھیلی ڈھالی فلیس پہنے ہوئے تھے جبکہ ڈاکٹر نے پورے بازوں والی شرٹ کے اوپر کچھ بھی نہ پہننے کا تردد کیا. میں نے ایک دو دفعہ سردی کی جانب توجہ مبذول کرائی تو بے نیازی سے شانے اچکا کر اپنا مخصوص جملہ بولا اللہ مالک ہے، کرم کرے گا. تقریباً چھ بجے روانگی ہوی. دور بہت دور پہاڑوں کے پیچھے سے سورج کی نرم نرم شعائیں چوٹیوں کو چمکدار کر رہی تھیں. کورفن

تک آدھے گھنٹے کا راستہ بالکل ہموار تھا لیکن اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی. اس کے بائیں سے بے ترتیب پتھروں کا ایک راستہ جو اوپر جا رہا تھا، وہ آغاز سے ہی تباہ کن ثابت ہوا. یہ پتھر سخت بے شرم قسم کے تھے کہ بندہ چڑھائی چڑھ رہا ہے نیچے پیروں سے پھسلتے جاتے تھے. جو چڑھائی دور سے عام دِکھتی تھی سخت بی پی ثابت ہو رہی تھی. میرا تو پہلے سوفٹ میں حال ہو گیا. پسینہ جو ہلکا سا ناک پہ محسوس ہو رہا تھا، پورے چہرے کو لپیٹے ہوئے تھا. سانس کی ترتیب کا کوئی عالم نہ تھا اور حلق میں کانٹے چبھتے تھے. سب سے پہلے میں نے جیکٹ اتار کر رُک سیک میں ڈالی، پھر سنو گوگلز کو شرافت سے واپس رکھا اور آخر میں فلسطینی رومال کو سر سے اتار گردن کے گرد لپیٹا. حیرت انگیز طور پر کرنل کے چہرے پہ کوئی پسینہ تھا نہ طبیعت میں تھکن. یہ غالباً اسوجہ سے بھی تھا کہ ٹریک کے تکنیکی پہلوؤں میں خاص دلچسپی کی وجہ سے سَر احسن کی توجہ کا مرکز ہمیشہ اگلا قدم، اگلا پتھر، اگلی چڑھائی ہوتی تھی. ان کے دماغ کو تھکن، پسینہ وغیرہ پر توجہ کرنے کی کوئی فراغت نہ تھی.

اشکولے میں دستیاب معلومات کی بناء پر کرنل کو ان قدموں کے نشانات کی تلاش تھی جو ہم سے پہلی ٹیم کے ہونے چاہیئے تھے. گلیشئر کے مقابل چڑھائی چڑھ کر جب ہم سیدھا ہوئے تو بیافو کی ہیبت ہمارے سامنے تھی. پتھر، ریت اور مٹی کا ایک عظیم سلسلہ جس کے نیچے کسی خزانے کی طرح برف پوشیدہ تھی. کسی بھی گلیشئر کو کوئی نو وارد اگر پہلی دفعہ دیکھے گا تو لگے گا کہ کسی تعمیراتی کمپنی کا سامان بکھرا پڑا ہے. بجری اور پتھروں کا ایک بے ترتیب ساڈھیر. یہ 'بجری' اور 'پتھر' دراصل اس ہوا کی وجہ سے گلیشئر کی برف پر (جو اطراف میں موجود پہاڑوں سے یہ سب سکری) اُڑا کر لاتی ہے. گلیشئر کی عموماً تین یا چار تہیں ہوتی ہیں جو چوڑائی میں پھیلی ہوتی ہیں اور لمبائی کی طرف وسیع ہو رہی ہوتی ہیں. ان تہوں کو 'مورین' کہتے ہیں یہ دو تین سو فٹ تک بلند ہوتی ہیں. ٹریکنگ کیلئے بہترین مورین کا انتخاب بہت ضروری ہے جس میں کم اترائی چڑھائی ہو اور کریوس کی کم تعداد ہو. کرنل کی جہاندیدہ نگاہوں نے قدموں کے نشان پا لئے تھے جو گلیشئر پر جانے کی بجائے پہاڑ کے ساتھ ساتھ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

چل رہے تھے ،اسلیئے ہم پہاڑ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے لیکن ٹھہریئے! یہ آپ کسی ''پارک میں چلنا'' نہ سمجھیئے گا. یہ اوپر نیچے ہوتے ہوئے پتھروں پر قدم جمانے کی ایسی پیہم کوشش کا نام تھا جو پیروں کے نیچے پھسل کر سینکڑوں فٹ نیچے گرتے اور آپ کو بھی گرانے کی کوشش کرتے. ان پر 'چلنے' کے دو ہی طریقے تھے. ایک تو کرنل کا تکنیکی طریقہ کہ نسبتاً سخت پتھر تلاش کریں، اس کے اوپر کہیں واکنگ سٹک جمائیں، پھر ایک ٹانگ اس پر جما کر، چھوٹے پتھروں کو اِدھر اُدھر گرا کر دوسری ٹانگ لے جائیں اور پھر کوئی اور پتھر تلاش کریں. دوسرا طریقہ چونکہ میرا تھا اسلیئے ناپختہ اور خطرناک تھا. دھپ دھپ قدم رکھتے ہوئے آپ چلنے کے تسلسل کو نہ توڑیں اور ہلکے پھلکے پھسلتے توازن برقرار رکھتے بس چلتے جائیں. اس میں خطرہ تو بہت تھا لیکن رفتار نسبتاً تیز رہتی. یہ اور بات ہے کہ یہ رفتار سانسوں کی بھی رفتار کا موجب بنتی اور پسینے کے پورے بدن پہ پھیلنے کا باعث بھی.

پہلے دو گھنٹوں نے سارے کس بل نکال دیے تھے، پانی بھی پی پی کر ختم کر چکا تھا اور میں اس وقت کو فحش طریقے سے کوس رہا تھا جب یہاں آنے کی حامی بھری تھی. ایک چیز حوصلہ افزا تھی کہ پیٹ ابھی تک ٹھیک تھا. تین گھنٹے تک یہ چوہے بلی کا کھیل جاری رہا. آخر وہ مقام آ گیا جس کا خیال دل میں صرف خوف کو دہکاتا تھا. پہاڑوں کے ساتھ راستہ ختم ہو گیا اور گلیشئر پہاڑ کے ساتھ آن ملا تھا. یہ آملنا خیر کوئی محبوب سے وصل نہیں تھا بلکہ درحقیقت ایک جان پرسوز طریقہ تھا. ہمارے سامنے گیروی رنگ کے گلیشئر کی ایک دیوار سی بنی پہاڑ کے ساتھ آ کے مل رہی تھی جس کے دامن میں سینکڑوں فٹ نیچے عمودی اترائی تھی. گلیشئر سے رِس رِس کر پانی نے ایک جھیل بنائی ہوئی تھی. اس کو پار کرنے کا صرف ایک طریقہ تھا کہ آپ انڈیانا جونز کی مانند پہاڑ کے ساتھ چپک جائیں، دونوں ہاتھ پہاڑ سے جمائے آگے سَرکتے جائیں اور ایک خاص مقام پر جا کر توازن برقرار رکھتے ہوئے آپنے آپ کو سیدھا کر لیں. اُس کے بعد کسی طریقہ سے اس تقریباً دو سو زاویے کی اترائی پر اتر جائیں. یہاں نیچے پتھر پھسلتے تھے اور ذرا سی بے احتیاطی آپ کو جھیل کی قربت سے آشنا کر کے بقاء

سے آزاد کر کے فناء میں لے جا سکتی تھی. یہ فناء اور بقاء کے درمیان موجود وہ مقام تھا جس پر میری دوستوں اور اہل خانہ سے لمبی بحث ہوتی تھی. ہمیشہ اس دلیل پر میں اس بحث کو ختم کر دیتا کہ موت کا کیا ہے وہ تو باتھ روم میں گر کر یا گھر کے باہر پڑے کیلے کے چھلکے سے پھسل کر بھی آ سکتی ہے. اگر کسی گلیشئر کی کھائی میں گر کر آئے تو کیا مردانگی کی موت نہیں؟؟؟ لیکن اس وقت مردانگی ہوا ہو چکی تھی اور تمام توجہ کا ارتکاز تھا تو کرنل پر جو نپے تلے قدم اٹھاتا، بڑے آرام سے یہ اترائی اتر گیا. میری حالت غیر تھی، جھوٹی انا کا بھی لحاظ مقدم تھا اور آگے منزل پہ بھی پہنچنا تھا.

یکا یک ذہن میں ایک خیال آیا عصرِ حاضر کے عظیم ترین مفکر، دانشور اور صوفی جو کہ درویشی پسند کرتے ہیں اور گمنامی کو ترجیح دیتے ہیں، ''پروفیسر احمد رفیق اختر'' کی عطا کردہ اسمائے الٰہی کی تسبیح اس خوف سے ہی تو آزاد کرتی ہے، بندے کو تمام ڈر بھلا کر صرف ایک اسی کا ڈر عطا کرتی ہے. اب میں نے ''یا سلام یا مومن یا اللہ'' کا وردِ شروع کیا تو ایکدم ہلکا پھلکا ہو گیا. میں سلامتی کے ایسے حصار میں آ گیا جو اس تسبیح کرتے ہی زمین سے اٹھ کر چاروں طرف پھیل گیا. مجھ میں حوصلے کی ایک ایسی طاقت آ گئی جس نے پورے ٹریک مجھے اٹھائے رکھا. یہ تسبیح کا اعجاز تھا کہ میں اگلے دنوں میں کئی دفعہ پھسلا، گرا، پڑا لیکن کسی گزند سے محفوظ رہا، نقصان سے بچا رہا اور اپنے اللہ کی خاص پناہ میں رہا.

میں اور کرنل وہ مہیب اترائی اتر کر اگلی چڑھائی چڑھ چکے تھے اور اپنے آپ کو کوستے تھے کہ وہاں رکے کیوں نہیں کہ شیخ اور ڈاکٹر پیچھے آتے تھے جن کی مدد کیلئے ہمیں نیچے ہونا چاہئے تھا. ابھی واپس اترنے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ شیخ نمودار ہو گیا. اب جانا بے سُود تھا. سانس روکے ہم شیخ کو دیکھتے تھے جس نے بڑے مزے سے پہلے تو اپنا پیک اتار کر آہستگی سے نیچے ایک پتھر کا نشانہ لے کر لڑھکا دیا جو وہاں جا کر آرام سے رُک گیا. پھر بغیر کسی راہنمائی کے جو وہ قدم جما کر نیچے اترا تو سارے شہر کو حیران کر گیا. پورٹروں کیلئے تو خیر یہ شغل تھا کہ ہنستے کھیلتے تقریباً دوڑتے ہوئے نیچے آگے. اب فکر تھی تو ڈاکٹر کی کہ لنگ کی وجہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

سے وہ ایک کی بجائے دو واکنگ سٹکوں سے چلتا تھا. یہاں توازن کسطرح برقرار رکھے گا. یہاں اس کی مدد عبدل نے کی. خود عمودی راستے پر کھڑے ہوکر جسطرح اس نے ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑا اور رانچ انچ کر کے خود بھی اترا اور ڈاکٹر کو بھی اتارا، ایک ایسا منظر تھا جس کو کمزور دل حضرات کیلئے واقعی مضر سمجھا جا سکتا ہے. ڈاکٹر کو سنبھالنا مشکل اسلئے بھی تھا کہ اپنے وزن کے علاوہ اس نے گلے میں ایک ڈیجیٹل اور ایک مووی کیمرہ لٹکایا ہوتا تھا. فوٹو گرافی کے انتہائی شوقین ڈاکٹر کے یہ دونوں کیمرے لاکھوں روپے مالیت کے تھے اور خدا جھوٹ نہ بلوائے کم از کم دس کلو کے تو تھے جس کی صلیب پورے ٹریک اس نے لٹکائی رکھی.

ہم باقاعدہ طور پر اب گلیئشر پر تھے. اس سخت کوش آغاز کے بعد سانس بے ترتیب تھی، پسینے کی لہریں اب آبشاریں بن چکی تھیں اور جسم میں کچھ قابل بیان اور زیادہ ناقابل بیان عضوات میں ایسی ٹیسیں اٹھتی تھیں جو کسی عشق کے درد کا حاصل قطعاً نہیں تھیں. تجربہ کار ذیشان نے پھرتی سے اپنے بیگ میں سے چولہا نکالا اور پانچ ہی منٹ میں جو بھاپ اڑاتے قہوے کے اس نے درشن کرائے تو جہاں روشن ہوگیا. جرعہ جرعہ قہوے نے تازگی اور فرحت کے حسین ستاروں کو درد و ابتلاء کے اندھیروں میں کمال کی جھلملاہٹ عطا کردی. گلیئشر کی کوئی کل سیدھی نہ تھی. سو دو سو فٹ اونچائی اترائی کا ایک وسیع متواتر سلسلہ تھا. پتھروں سے لڑتے جھگڑتے گھٹنوں پہ پورا زور ڈال کر ابھی اوپر پہنچے کہ ایک ہولناک اترائی منتظر ہوتی. چڑھائی مشقت آمیز ضرور ہوتی لیکن اتنی خطرناک نہیں لیکن اترائی بہت مہیب اور دہشت ناک ہوتی. ایک ایک پتھر پر قدم جمانا اسلئے مشکل امر ہوتا ہے کہ جسم کا تمام زور ٹخنوں پر آیا ہوتا ہے اور ذرا سا عدم توازن آپ کو پوری طرح لڑھکا سکتا ہے.

وہاں لڑھک کر ظاہر ہے کسی سویمنگ پول میں نہیں گریں گے بلکہ سطح پر پہنچے سے پہلے ہی پتھروں، بولڈروں سے ٹکرا کر وہیں پہنچ جائیں گے جہاں سے آئے تھے. اطراف کی پہاڑیاں جو صبح بہت بھلی لگ رہی تھیں، اب بہت بری لگ رہی تھیں. آپس کی بات ہے کہ اس وقت کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا اور بس ایک ہی خیال، ایک ہی لگن تھی کہ کسی طرح ''نملا'' آجائے.

اس گیروی گلیئشر پر منزلیں مارتے مزید دو گھنٹے گذر چکے تھے. دھوپ کے ساتھ ہی جو ہلکے ہلکے دھماکے شروع ہوے تھے، ان کی حقیقت اب عیاں ہوگئی تھی. گلیئشر کے نسبتاً کمزور حصے دھوپ کی تمازت کی تاب نہ لا کر کُل سے علیحدہ ہوتے تھے. اس وجہ سے جو برف نیچے گرتی تھی، دھماکے کا باعث بنتی تھی اور ظاہر ہے چھوٹے چھوٹے پانیوں کا بھی. ابھی تک اطراف سپاٹ مناظر پر محیط تھے. خشک پہاڑ جو ایکدم بلند ہوتے ہوئے اور چوٹیوں پر برف. اس سپاٹ منظر کو ایک بالکل ہی غیر متوقع آبشار نے توڑا جو بلندی سے نکل کر ایک نالے کا باعث بن رہی تھی. اس دودھیا آبشار اور نالے کے پاس موجود سر سبز میدان نے ماحول کو ایکدم خوشگوار بنا دیا. میں اور کرنل چونکہ پورٹروں کے ساتھ آگے ہوتے تھے اسلئے منظر کے بہانے ریسٹ کرنے بیٹھ گئے. جس کو جہاں جگہ ملی، کسی پتھر سے ٹیک لگائی، کسی نسبتاً ہموار جگہ پر کسی بولڈر کو تکیہ بنا کر دراز ہو گئے. دور 7000 میٹر سے بلند 'لاٹوک' بھی نظر آنا شروع ہوگئی. ڈاکٹر اور شیخ بھی تھوڑی دیر بعد پہنچ گئے. ڈاکٹر منظر دیکھ کر پھڑک اٹھا اور لگا اپنے کیمرے سے بیٹھ کر، لیٹ کر مختلف زاویوں سے تصویریں بنانا. شیخ نے اچانک فتویٰ صادر کیا یہی نملا ہے. ڈاکٹر نے پہلے تو تردید کی لیکن پھر آمادہ ہوگیا ہے کہ یہی نملا ہے. ڈاکٹر پھر بھی شک میں تھا کہ نملا کا میدان بہت وسیع ہے اور یہ نظر آتا میدان اتنا بڑا نہیں. آخری فیصلہ 'جون موک' پر چھوڑ دیا گیا. یہ 'جون موک' ایک دلچسپ شخص ہے. یہ برطانوی اور اس کی بیوی پچھلے بیس سالوں سے شمال کا چپہ چپہ چھان مار چکے ہیں. پچاس کے پیٹے میں یہ باہمت اور مہم جو شخص ہر دشوار ٹریک بھی کر چکا ہے. اس کی پاکستان میں ٹریکنگ کے بارے میں کتاب Treking in Karakoram and Hindukush by lonely planet ایک مفید 'انسائیکلوپیڈیا' ہے. تمام ٹریکوں کی منزل منزل تفصیل، اونچائی، درجہ حرارت، مطلوب ساز و سامان کے علاوہ ہر مقام کا مختصر بیان بھی موجود ہے. ٹریکنگ کیلئے انتہائی کارآمد اس کتاب میں اسلام آباد آمد سے لے کر واپسی فلائیٹ تک ہر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

معلومات بہت تفصیل سے لکھی گئی ہے. شہروں میں ہوٹل، پورٹروں کی دستیابی غرضیکہ پاکستان میں ٹریکنگ کی یہ گروگرنتھ ہے جو ٹریکر 'سکھوں' کیلئے مقدس دستاویز کی حامل ہے. ہوٹلوں کا ذکر کرتے ہوئے موک نے بڑی تفصیل سے ان کے کرائے، خوراک اور سہولیات کیلئے علاوہ ایک دلچسپ نوٹ ان ہوٹلوں کے بارے میں لکھا ہے جہاں اس کے مطابق خواتین ٹریکروں کا اکیلے ٹھہرنا 'خطرے' سے خالی نہیں. خدا جانے ''یہ'' معلومات اس نے کس طرح اکٹھی کیں.

تو دن دہاڑے جب اس موک کی کتاب نے بھی نملا 'یہاں' ہونے کی نفی کی تو شیخ کو ایکدم یاد آ گیا کہ نملا سے تو لاٹوک نظر نہیں آتی اور یہاں وہ بالکل واضح نظر آ رہی ہے. یاد رہے کہ شیخ اور ڈاکٹر یہ سنولیک ٹریک پہلے بھی کر چکے تھے، فرق یہ تھا کہ پچھلی دفعہ صراطِ مستقیم پر یہ 'ہسپر پاس' سے نیچے اترے تھے، اس دفعہ ذراہٹ کے لُک پے لاء کا قصد تھا.

موک کی گواہی کے باوجود ڈاکٹر بلتی پورٹروں سے تصدیق چاہ رہا تھا جنہوں نے اشکولے سے سیدھا یہاں آنا تھا. ڈاکٹر کے شدید منع کرنے کے باوجود میں نے ایک پتھر سے ٹیک لگائی، منہ ذرا سورج کی طرف کیا، ہیٹ کا سایہ کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا. یہ نیند میری طبیعت کی ایک ایسی کمزوری ہے جس کیلئے میں کچھ بھی تیاگ سکتا ہوں. رات دیر سے سونے والوں کو ہمیشہ میں نے حیرت سے دیکھا ہے کہ کمال ہے کم نیند کے باوجود اگلے دن یہ 'زندہ' رہیں گے!!!! کئی محفلیں، کئی ملاقاتیں میں اس مُوئی نیند پر قربان کر چکا تھا. حد تو یہ ہے کہ ایک دفعہ وحشی آنکھوں اور لبوں والی ''انجیلنا جولی'' پاکستان آئی ہوئی تھی اور ایک ایسے عشائیے میں شرکت کا سنہری موقع تھا جہاں صرف خاص خاص لوگ اس کے ساتھ مدعو تھے. میں شوقِ ملاقات میں چلا تو گیا لیکن جب گھڑی نے گیارہ بجائے اور میں جماہیاں لے لے کر ادھ موا ہو چکا تھا، خاموشی سے واپس چلا آیا جہاں فوراً ایک من موہنی دیوی نیند نے مجھے اپنی باہوں میں سمو لیا. اس نیند کو میں ڈاکٹر کی سائنسی ڈانٹ ڈپٹ کی نظر ہرگز نہیں کر سکتا تھا کہ ٹریک کے دوران سونا مضرِ صحت ہے. نرم نرم دھوپ نے پہلے ہلکا سے میری

جلد کو گدگدایا، پھر ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی پوروں کو نرمی سے سہلایا اور آہستگی سے مَن میں داخل ہو کر تھکن اور اضمحلال کو اپنی بڑی ہی فرحت بخش طاقت سے زائل کر دیا. جسطرح قہوہ جرعہ جرعہ میری شریانوں میں دوڑا تھا، اسی طرح دھوپ نے مجھے ایک ٹرانس ذرہ مساج کیا اور دھیرے دھیرے سو گیا.

نہ جانے میں کتنا سویا، دس منٹ، دو گھنٹے یا کچھ بھی لیکن جب پورٹروں کی آوازوں سے جاگا تو ایسے تھا جیسے سردیوں میں ایک گرم شاور لے کر باہر دھوپ میں آیا ہوں. گھڑی البتہ ایک گھنٹہ سونے کی دلیل دے رہی تھی جس نے مجھے بالکل ہلکا پھلکا کر دیا تھا. بلتی پورٹروں نے پہلی ہی ساعت میں عدالت برخاست کر دی اور فیصلہ دے دیا کہ یہ نملا نہیں بلکہ آگے ہے. دوبارہ گناہوں اور رُک سَیک کا بوجھ اٹھا کر چلنا شروع کر دیا. طریقہ وہی اوپر نیچے جس کی خوبصورتی میں نکھار ان کریوس نے بخشا جو اب وقفے وقفے سے نمودار ہونی شروع ہو گئیں تھیں. یہ کریوس حجم میں البتہ کوئی اتنی بڑی نہیں تھیں اور چھلانگ لگا کر عبور کی جا سکتی تھیں. جسم کی ساری تازگی دھیرے دھیرے نچڑ رہی تھی اور وہی تھکن اور پسینہ مقدر بن رہے تھے. ہر دس منٹ کے بعد میری سانس بے ترتیب ہو جاتی، ٹانگیں جان چھوڑ جاتیں اور کرنل کو میں زبردستی پانچ منٹ ریسٹ کیلئے روک لیتا. کرنل بھی کیا فٹ چیز تھی. مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کے راستے کی دیوار نہ بنتا تو سارا دن وہ متواتر ہی چلتا رہتا اور کوئی آرام نہ کرتا. میرے زبردستی روکنے پر بھی سَر احسن کا 'آرام' اگلے پتھروں کا بغور جائزہ، دائیں بائیں بہتر راستے کی تلاش، دوربین سے منزل کا تعین جیسے تکنیکی امور پر ہوتا اور ظاہر ہے یہ سب کام کھڑے کھڑے ہی ہوتے.

ایک نسبتاً بڑی سانپ کی طرح بل کھاتی کریوس ہمارا راستہ کھوٹا کرتی تھی. میں آگے تھا اور اس کو تھوڑا بھاگ کر چھلانگ مارنے کی کوشش شروع ہی کرتا تھا کہ پیچھے سے کرنل کی 'ٹھہرو' کی سیٹی بج گئی. چونکہ یہ چوڑی کریوس تھی اسلئے اس کے اندر سینکڑوں فٹ نیچے رواں پانی کی آواز کا بھی جلترنگ سنائی دیتا تھا. کرنل کا فیصلہ تھا کہ چھلانگ خطرناک

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ہے اور اس کو کنارے سے عبور کیا جائے. اب اس کے ساتھ ساتھ جو سفر ہوا تو گویا زندگی کا سفر تھا جو نہ معلوم کب ختم ہو. یہ کریوس ایک دوسری مورین تک جا رہی تھی جہاں ایک اور عمودی اترائی منتظر تھی.

میں ان محتاط اترائیوں سے تنگ آ چکا تھا اور دل ہی دل میں ان پورٹروں کا شدید حسد سے دیکھتا تھا جو بڑی بہادری سے تقریباً دوڑتے ہوئے یہ اترائیاں اترتے تھے. جی کڑا کر کے جو میں نے بھی یہ تیزی کی کوشش کی تو وہ سمجھ آ گئی جس کی کوئی بھی انسان خواہش نہیں کر سکتا. ناتجربہ کاری اور بیوقوفی نے مل کر میرے قدموں کے نیچے سے پتھروں کو پھسلا دیا تھا جس کی وجہ سے میں خود بھی پھسل چکا تھا. آپ کو یہ ساری کتھا سنانے کی توفیق کا باعث وہ متبرک پتھر تھا جس نے گرتے ہی میرے گھٹنے پر ضرب لگائی اور مجھے 'پستیوں' میں گرنے سے بچا لیا. دوسرا خوش قسمتی سے میں پشت کے بل گرا تھا جس سے کمر اور کہنیاں تو چھل گئی تھیں لیکن سانسوں کی روانی قائم رہی. منہ کے بل گرنے کی صورت میں تو شاید وہ مہربان پتھر بھی نہ بچا سکتا. شکر ہے خراشیں تو آئیں لیکن کوئی چوٹ یا شدید زخم نہیں آیا. میں منتظر تھا کہ کرنل آئے گا اور ہمدردی و محبت سے میری خراشوں پر مرہم رکھے گا لیکن جو غیظ و غضب سے اُس نے مجھے سخت سست کہا اور چال کے تکنیکی پہلو نظر انداز کرنے پر جھاڑ پلائی تو مجھے اپنا فوجی تربیت کا پہلا دن یاد آ گیا جب اکیڈمی میں سینئر نے کرخت لہجے میں نصیحت کی ''یا تو غلطی نہ کرو اور اگر ہو جائے تو سینہ ٹھونک کر اس کو تسلیم کر کے سزا کیلئے تیار ہو جاؤ''. سر کے بھاشن نے میرے اندر بجھی ہوئی عسکری جوت پھر سے جگا دی.

اس ضرب نے پہلے سے موجود تھکن کو دو آتشہ تر کا لگا دیا تھا. کرنل کی ڈپٹ کے بعد میں نے رحم طلب نظروں سے ریسٹ کی درخواست کی تو پہلی دفعہ انہوں نے قریب آ کر میرا بغور جائزہ لیا اور کسی ماہر کاریگر کی طرح 'خرابی' پکڑ لی. میرا پورا جسم پسینہ میں شرابور تھا 'بنیان تبدیل کرو' کا حکم مجھے بڑا بے وقت اور عجیب لگا لیکن ماننا تھا کیونکہ حکم تھا. مرتا کیا نہ کرتا میں نے رُک سیک اتار کر اس میں سے خشک بنیان نکالی اور یہ گیلی بدبو چھوڑتی بنیان

واپس رکھی ہی تھی کہ زندگی میں ایک تبدیلی کا احساس ہوا. ہوا کی ٹھنڈک جسم میں جھنکاریں بھرتی تھی. یہ بنیان تبدیل کرنا تو جیسے مریض کی گلوکوز کی بوتل لگانا ثابت ہوا. میں پھر سے تازہ ہو گیا.

بائیں جانب اوپر کچھ سبزہ نظر پڑتا تھا اور جب پورٹر نے 'یہی نملا ہے' کا خوشگوار سندیسہ دیا تو قدموں میں ایک نئی جان پڑ گئی. یہ تو بالکل اوپر نظر آ رہا تھا. پورٹر کے کہے پانچ منٹ جب ٹھیک پچیس منٹوں میں ختم ہوئے تو ایک نہایت دلآویز منظر منتظر تھا. ایک وسیع سرسبز میدان جس میں جنگلی گلابی پھولوں کی بہتات تھی. پیچھے پہاڑ سے گرتا ایک شفاف نالہ اور ایک خوشگوار مسحور کن مہک. نملا کی کلفتیں واقعی اس قابل تھیں کہ اس کے حسن کے دیدار میں ایک انوکھی ترنگ تھی، دلربائی تھی، ادا تھی. ایک بالکل سیاہ پرندہ نہ جانے مجھے کیوں شوخ نظروں سے تکتا تھا. اس کی لمبی سی دم تھی اور عجیب بے باک پرندہ تھا کہ میرے ساتھ ساتھ چلتا تھا، ذرا بھی خوف نہ کھاتا تھا. حد تو یہ ہے کہ میں ذرا فارغ ہونے کیلئے ایک پتھر کی اوٹ میں ہوا تو یہ بڑی بے تکلفی سے مجھے اسوقت بھی دیکھتا تھا، عجیب بے شرم قسم کا پرندہ تھا بلتی پورٹروں نے اس کا نام 'ہرین' اور گلابی پھولوں کا 'شیلمن' بتایا. اس 'شیلمن' نام میں بھی ایک نہ معلوم فسوں تھا، نزاکت تھی، کوملتا تھی ایسے جیسے کوئی سنہری بالوں والی یورپین حسینہ. ویسے تو 'نملا' نام میں بھی ایک نسائیت تھی جو کانوں کو بہت بھلی لگتی تھی.

نمکو اور خوبانیوں نے اکسیر کا کام کیا اور جب ایک گھنٹے میں پورٹروں نے کیمپ لگا کر بھاپ اڑاتا گرما گرم چکن سوپ تیار کیا تو ڈاکٹر اور شیخ بھی پہنچ چکے تھے. چونکہ محنت کے بعد خوراک مل رہی تھی اسلئے جسم کی ایک ایک پور میں اس کا ایک ایک حصہ پہنچ کر اسی کا حصہ بنتا تھا. حوصلہ افزاء امر تھا کہ پیٹ بالکل ٹھیک تھا. ڈاکٹر کی دوائی نے 10800 فٹ پر واقعی کمال کر دکھایا تھا. ڈاکٹر ویسے بھی فرداً فرداً ہر ایک ممبر اور پورٹر کے پاس جاتا تھا، حال پوچھتا تھا اور زنبیل میں سے دوائیاں نکال کر اپنے سامنے کھلاتا تھا. پورے ٹریک اس نے باقاعدگی سے ہر روز شام کو ہمیں وٹامن کی گولی کھلانی نہیں بھولی.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

شام ہو چکی تھی. اس شام میں بھی ایک گلابی پن تھا کہ سورج کی روشنی کے جاتے ہی جو نرم سی سپیدی چھائی تھی، وہ ان شلیمن پھولوں پر پڑ کر گلابی ہوتی جاتی تھی. کرنل نے کیمپ میں پہنچتے ہی جوتے اتار کر ان کے تلوے علیحدہ کر کے رکھنے کا ٹونکا بتایا تھا کہ یہ پیروں اور شُوز دونوں کیلئے اکسیر تھا. کرنل ڈاکٹر اور شیخ کو مزے لے لے کر ان فحش گالیوں کے بارے میں بتاتا تھا جو میں نے اپنے تئیں اکیلے میں گلیئشر کے اوپر اس کی کریوس اور مورین کو دی تھیں لیکن کرنل نے سُن لی تھیں. میں سر نیچے کئے شرمندگی سے یہ سب سنتا تھا. ڈاکٹر نے کچھ میری حوصلہ افزائی کیلئے اور کچھ موضوع تبدیل کرنے کیلئے ایک پاگل کا قصہ چھیڑ دیا. ''حسن کرار'' نامی یہ شخص اچھا خاصا معزز آدمی ہے، LUMS میں پروفیسر ہے لیکن پتا نہیں کیا ہوتا ہے کہ ہر سیزن میں یہ سارا معزز پن چھوڑ کر ان پہاڑوں میں آدھمکتا ہے. شاید ہی کوئی ٹریک ہو جو اس نے نہ کیا ہو. ہم سے پہلے لُک پے لاء کرنے والے معدودے چند پاکستانیوں میں سے ایک تھا. حد تو یہ ہے کہ یہ صرف اپنے تک محدود نہیں رہا کچھ اکسا کے کچھ ورغلا کے یہ اپنے دوستوں شاگردوں کو بھی ہمراہ لے آتا ہے جن میں کثیر تعداد صنفِ نازک کی بھی ہوتی ہے. عبدل نے اس کی چشم دید گواہی دی کہ یہاں پہاڑوں میں گلیئشروں میں اگر حسن کرار کی ٹیم آئی ہے تو لازمی طور پر اس میں کچھ شادی شدہ جوڑے اور کچھ سنگل لڑکے لڑکیوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے. میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا اسلئے میری درخواست پر موضوع تبدیل کر دیا گیا. اب ڈاکٹر نے تھیلیسیمیا میں مبتلا ان بچوں کا بتانا شروع کر دیا جو کہ ایک ٹی وی چینل کے تعاون سے بالتورو گلیئشر پر کنکورڈیا تک گئے تھے. چونکہ یہ لڑکیوں اور بچوں کا گلیئشروں کا کھیل میری مردانگی پر بھرپور ضرب تھا اسلئے میں بھی مردانہ وار اٹھا اور محفل سے واک آوٹ کر گیا. خیمے میں جا کر وہ انرجی ڈرنک پینے لگ پڑا جو میں نے سب سے چھپا کر اسی لئے رکھا ہوا تھا. چُھپ کر ''پینے'' کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے اس چوری چھپے پیئے انرجی ڈرنک نے میرے اندر شجاعت و جوانمردی کی ایک نئی پھوار چھوڑ دی اور میں ایک شواز نیگرانہ طاقت و گھمنڈ کے ساتھ واپس لوٹا.

بیافو کی ہیبت کے آگے نملا ایک ایسا جزیرہ تھا جس کے لمس میں نرمی تھی، محبت تھی، مہک تھی. کرنل دوربین سے اطراف کی چوٹیوں پر جھانکتا تھا. ایک خوش کُن پہاڑی سلسلے پر تو اس کی نظر ٹھہر ہی گئی. سب کو بطور خاص اس نے دوربین کے ذریعے وہ منظر دکھایا میں دیکھتے ہوئے سمت اور زاویہ کھو بیٹھا اور اب جو دیکھتا ہوں تو دوربین سے دو ایسے پہاڑی ابھار نظر پڑتے ہیں جو پہلی نظر میں دو بہت ہی لطیف نسوانی اعضاء کی مانند تھے. یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن بڑے واہیات طریقے سے زمین سے بالکل سیدھا اٹھتا ان ابھاروں کے بالکل ساتھ ایک اور سیدھا مینار سا تھا جو ایک فحش مردانہ عضو کی تصویر تھا. میں نے ساتھیوں کو بھی اس حسین اتفاق کا بتایا. کرنل اور شیخ تو دیکھتے ہی ہنس پڑے اور شرم سے منہ دوسری طرف پھیر لیا کہ ان نازک مقامات کو یہ باریش شرفاء پہلی نظر میں ہی پہچانتے تھے لیکن ڈاکٹر وہی سادگی کی تصویر بنا بار بار دیکھتا اور پوچھتا کہ ہم کیوں ہنستے ہیں. اس کے اصرار پر جب میں نے اس شعر کی تشریح کی تو ڈاکٹر آخر پاکستانی تھا جو ان معاملات میں کند ذہن نہیں ہو سکتا، نہ صرف اس کا راز پا گیا بلکہ ''نیلم گورج'' کی بھی منزل سے گذر گیا. سوال حل ہونے کی خوشی اس کے چہرے پہ پھوٹی پڑی تھی لیکن ایک تکنیکی نکتہ بہرحال اس کو توجہ طلب تھا کہ گورج کا نام نیلم نہیں بلکہ ''ریما گورج'' ہونا چاہیئے تھا.

بلتی اور شمشالی پورٹروں کی واضح تفریق تھی. شمشالی سمارٹ، خوش مزاج نسبتاً تعلیم یافتہ اور خوش لباس تھے. بلتی پورٹر البتہ مفلوک الحال اکثر پھٹے جوتوں پر گانٹھیں لگائے ہوئے تعلیم سے مکمل بے بہرہ اپنے ''سردار'' کی معیت میں بیٹھتے تھے. یہ سردار بھی بڑا دلچسپ کردار ہوتا ہے جو ٹیم کے ساتھ چلتا ہے، گلیئشر ندی نالے عبور کرتا ہے لیکن کوئی سامان نہیں اٹھاتا. یہ ان پورٹروں کا نگران ہوتا ہے جو کسی بھی معاملے کیلئے تصفیے کی ایک چلتی پھرتی مشین ہوتا ہے. اس کی رقم بھی پورٹروں کے برابر ہی طے ہوتی ہے. سردار کی سرداری میں آٹھ بلتی پورٹر ایک دائرے کی شکل میں بیٹھے نمکین چائے اور روٹی پکاتے تھے کہ ان کی خوراک کا مینوبس انہی دو چیزوں پر محیط ہوتا ہے. شمشالی پورٹر چونکہ ہمارے ساتھ آخر تک

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

چلنے تھے اسلئے ان کی خوراک ہماری ذمہ داری تھی. وہ وہی کھاتے جو ہم کھاتے شمشالی آپس میں مادری زبان ''واخی'' میں بات کرتے تھے جس کے اِیش، نیش جیسے صوتی اثرات مجھے بہت بھاتے تھے. واخان، شمشال اور پتو کے کچھ علاقوں میں بولے جانے والی اس زبان میں ایک خوبصورت سحر تھا جس کی مٹھاس سے میرا من بھیگتا تھا.

رات ہو چکی تھی. کچن ٹینٹ سے اٹھتا دھواں ایک خوشگوار امید دلاتا تھا. ہمارے خیمے میں سلیقے سے بچھی میٹرس تھی جس کے اوپر ہمارے نیلے سلیپنگ بیگ تھے. کناروں پر رُک سیک دھرے تھے اور سر کے اوپر ٹارچ روشن تھی. ظاہر یہ ہے یہ سارا سلیقہ سگھڑ کرنل بی بی کے دم سے تھا جس سے ہمارا عارضی گھر آباد تھا. عبدل کے بھائی ثابت پورٹر کے کھانا تیار ہے کے نعرے نے جسم میں جیسے بجلی سی بھر دی. لیڈر کے خیمے میں ڈونگے میں گرم گرم چکن کڑاھی اور تازہ روٹیوں کا من وسلویٰ دھرا تھا. کچھ بھوک اور کچھ کھانے کا خستہ پن، پلیٹیں کچھ ہی دیر میں ویران ہو گئیں. میٹھے میں کھیر اور اس کے بعد گرما گرم چائے کے ساتھ اس دعوتِ شیراز کا اختتام ہوا. لگتا تھا کہ گلیشئر پر کوئی فائیو سٹار ریستوان ہے اور ہم اس کے خاص گاہک. آرام اور خوراک نے رفتہ رفتہ دن کی ساری اینٹھن، کُل تھکن گویا چوس کر باہر نکال پھینک دی. ہلکا پھلکا میں اپنے خیمے سے چاند کو طلوع ہوتے دیکھتا تھا جو کورونن کے پیچھے سے بڑی آہستگی سے نمودار ہو گیا تھا اور نرمی سے اپنی چاندنی کی چادر گلیشئر پر پھلاتا تھا. میں نے مخمور ہو کر سلیپنگ بیگ کی زپ اوپر کی اور سونے کوشش کرنے لگا.

میرے ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے. ٹانگیں دراز کئے سر مہربان ماں کی آغوش میں تھا. ایک مدھم سی لوری کی آواز دھیرے دھیرے میری سماعت میں اترتی تھی جس کی لے کا سُر اور سرور پرت پرت میرے اندر اترتا تھا. شفیق انگلیاں میرے سر میں کنگھی کرتی تھیں. ان انگلیوں کی پوریں جب میرے بالوں سے ٹکراتیں اور ہلکے سے سر کی جلد میں اترتیں تو نرمی کے تمام استعارے اپنی افادیت کھو بیٹھتے. ممتا کا لمس میرے اندر ٹھنڈک

بخشتا تھا جو میرے وجود کے بھانبھڑ کو ملتا اور نروان عطا کرتا. ٹھنڈی ہوا کے جھونکے میرے جسم سے گزر کر روح میں اترتے تھے. لوری میرے کانوں سے اندر ہڈیوں میں اترتی تھی، خون کی شریانوں میں جگہ بناتی تھی. اس کی آواز دھیرے دھیرے بلند ہو کر ماحول پہ حاوی ہوتی تھی. ارد گرد لوگ بولتے تھے لیکن ان کے صرف لب ہلتے تھے، آواز نہیں آتی تھی. شوکریں مارتی ہوا بے آواز ہو چکی تھی، پورے ماحول میں اگر کوئی آواز تھی تو صرف اس لوری کی اور کیوں نہ ہوتی نہ ہوتی یہ ''دھرتی ماں'' کی لوری تھی، نملا مامتا کی لوری تھی. اس کی نرمی، اس کا سرور، اس کا آہنگ میرے مَن کو بھگوتا تھا اور میں آہستہ اپنے آپ کو نند یادیوی کی مہربان باہوں کے حوالے کرتا تھا..... نملا کے سپرد کرتا تھا.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

بیانتھا کے مارخور اور ریچھ

چوکیدار پہاڑ نوکیلی چوٹیوں کے خود پہنے اس حسینہ کی حفاظت کرتے تھے.....
پتھروں اور بولڈروں کی ایک فصیل اس حسینہ کے درشن کو دنیا سے اوجھل کرتی تھیں.....
سرمئی بادلوں کا ایک مستقل سایہ حسینہ کے روپ کو سورج کی تپش سے آزاد کرتا تھا.....
گلیشئر کی برف مؤدب ہو کر اس کے قدموں تلے بچھتی تھی.....

حسینہ آنکھیں موندے طلسماتی دنیا کی کی مکین تھی. ہولے سے اس نے آنکھیں کھولیں تو ایک لمحے کو سارا جہاں رک گیا، وقت تھم گیا. اب جو اس نے ایک انگڑائی لی تو لاکھوں، کروڑوں، ان گنت ہیرے ٹوٹ کے گر پڑے. اس کے انگ انگ سے شراروں کی مانند پھوٹ کر جگنو بھی چہار سو پھیل گئے. ایک لے تھی جو ہولے ہولے ابھر رہی تھی، ایک ترنگ تھی جو ماحول کو جکڑتی تھی. ہر طرف رنگ ہی رنگ بکھرے تھے. انگڑائی ختم ہونے سے پہلے ایک اور جادو منتظر تھا. حسینہ کا وجود نیلے رنگ میں تبدیل ہو رہا تھا. دیکھتے ہی دیکھتے یہ رنگ ٹوٹ کر گرنا شروع ہو گیا. حسینہ کے پیر، ہاتھ، بازو، رفتہ رفتہ معدوم ہوتے تھے اور نیلے رنگ کا ذخیرہ بن

کر نیچے گرتے تھے. کچھ ہی دیر میں نہ وہاں کوئی حسینہ تھی اور نہ ہی کوئی پری لیکن نیلے رنگ کا ایک وسیع پیالہ معرض وجود میں آچکا تھا. جس کے اردگرد کوری سفید برف کا ایک ہالہ تھا.....
ہم ایک ناقابلِ تصور نیلی جھیل کنارے یہ سب ہوتے دیکھتے تھے.....
باقی دیکھتے ہوں یا نہ میں ضرور دیکھتا تھا.....
اس حسینہ کو بھی پہچانتا تھا اور اس جھیل سے بھی میری آشنائی تھی.....
کیونکہ یہ حسینائیں اور یہ جھیلیں ان بنجاروں کی وہ آگ ہوتی ہے جس کی تپش سے انہیں زندگی کی حرارت ملتی ہے.
بیافو کی یہ گمنام نیلی جھیل بھی میری ایسی ہی رفیق تھی.

صبح جب ہم چلے تھے تو کسی کے وہم و گمان میں بھی اس نیلی جھیل کا کوئی خیال بھی نہ تھا. اس کے جلوے نے اس کے سحر نے سب کے چہروں پر چپ لگا دی. سب مبہوت کر اسے تکتے تھے. کچھ دیر کے لئے خود سے الگ ہو کر اس جھیل کا ہی ایک حصہ بنتے تھے کہ یہ ایک آخری دم تک چلنے والی یاد تھی جس کا نظارہ دم نکالتا تھا. وہ صبح ویسے بھی بہت دلفریب صبح تھی. بھرپور نیلا آسمان اور سفید دودھیا سپیدگی. ذیشان (مائیکل) کی اٹھو اٹھو، چلو بھئی سب اٹھو کانوں میں جلترنگ سا بجاتی تھی. چونکہ اب ہم باقاعدہ ٹریک پر تھے اس لیئے اگلے سب روز بھی دن جلدی اٹھنا اور چلنا تھا تاکہ دھوپ کے تیز ہونے سے پہلے سخت برف اور کم رفتار نالے عبور کر سکیں. شہد، پراٹھے کے طاقت بخش ناشتے کے بعد ساڑھے پانچ بجے روانگی ہوئی. چونکہ درجہ حرارت کافی کم تھا اس لیئے سبھی جیکٹوں، مفلروں کے شریفانہ لباس میں ملبوس تھے. پہلی اترائی تو کافی خوشگوار تھی لیکن اس کے فوراً بعد کوئی بھی چڑھائی ذرا بھی خوشگوار نہیں تھی.

ہم بہتر مورین کی تلاش میں در بدر ٹھوکریں کھاتے تھے اور کرنل کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے تھے جو ایک مورین کے بعد دوسری پر چڑھتا، اس کی موزونیت جانچتا اور انکار میں سر ہلا کر اگلی مورین کا قصد کر لیتا. ایک بلتی پورٹر امان اللہ ہمارے ساتھ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

چلتا تھا بلکہ ہم اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے کہ اس کی رفتار بجلی کی رفتار تھی اور ہم کچھوے. یہ مورنیوں کی بقول ڈاکٹر ''کلِ کلین'' کوئی ایک گھنٹہ رہی جس پر چلنا تو ایک بہت ناخوشگوار امر تھا.

لاٹوک I اور II بالکل صاف دِکھتی تھیں. ان کی نوکیلی چوٹیوں کے درمیان میں گھوڑے کی زین مانند ایک چوڑا راستہ سا تھا. مورین ایک کھلے میدان میں تبدیل ہوگئی تھی جس کی تین حصوں میں تقسیم کی گئی ہو. ہر حصے کی نشانی اونچے بڑے پتھروں کی ایک دیواری تھی جو ساتھ ساتھ چلتی تھی. برف بالکل سفید ہوتی جاتی تھی اور وہ گیروی رنگ کا ایک شائبہ سا جو پہلے اس برف پر پڑتا تھا، اب بالکل ختم ہوگیا تھا. ساتھ پہاڑوں پر بھی برف اب نیچے تک آ گئی تھی اور سطح تک آنے میں صرف کوئی سو دو سو فٹ ہی رہ گئی تھی. برف سفید کے علاوہ کہیں کہیں نیلے رنگ کے شفاف چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں تبدیل ہوتی تھی. قدم رکھنے اور چلنے کے لئے سخت شفاف شیشہ برف پر چلنا ایک خوابناک سفر تھا. سورج نے بھی چوٹیوں کے پیچھے سے ہلکے سے سر نکالا تھا اور ماحول کو ایک سنہرے پن سے آشنا کر دیا تھا. ایک مزید گھنٹہ گزرا تھا کہ برف اب چاروں طرف راج کرتی تھی. پیروں تلے برف کے ریزے ٹوٹتے تو ''کڑچ کڑچ'' کی ایسی جھینگر نما آواز آتی جو دنیا میں اور کہیں سنائی نہیں دے سکتی. فرحت بخش ہوا، دودھیا برف کی حکمرانی اور ایسے میں اس حسینہ جھیل کی آمد نے تو خود سے بے خود کر دیا. کل اگر جلال ہی جلال تھا تو آج جمال ہی جمال. حتیٰ کہ وہ کریوس بھی بری نہ لگتی تھیں جو اب تواتر سے راستہ کاٹتی تھیں. کئی دفعہ تو رک کر ذرا اندر جھانک کر پانی دیکھنے کو بھی دل مچلتا تھا. میں ایمان لے آیا تھا کہ دنیا خوبصورت ہے.

پورٹروں نے چونکہ سامان وغیرہ باندھنا تھا اس لیئے وہ ہم سے بعد میں چلے تھے لیکن ہمارے ساتھ آن ملے تھے. فیصلہ ہوا تھا کہ ''منگو'' کے برابر گلیشئر کے اوپر سہ فریقی اجلاس ہوگا (میں ان تمام چیزوں سے بے نیاز تھا مجھے جو فیصلہ ہوتا قبول ہوتا، شرط صرف ایک ہوتی زیادہ نہ چلنا پڑے) اور منگو کی طرف یا آگے جانے کا فیصلہ ہوگا. منگو کے

برابر تو ہم دو گھنٹوں میں ہی پہنچ گئے. ڈاکٹر اور شیخ ظاہر ہے پیچھے تھے، بلتی پورٹروں کی آدھی تعداد ہمارے ساتھ تھی اور آدھے شمشالیوں کے ساتھ آتے تھے. پورٹر امان اللہ کی ماہرانہ رائے تھی کہ یہاں سے ''شیفون'' صرف ایک گھنٹہ آگے ہے. ہم بھی آمادہ ہو گئے لیکن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ پچھلی ٹیم کو کس طرح بتایا جائے جونکتوں کی مانند پیچھے بہت دور آتی نظر آتی تھی: تکنیکی مسئلہ ہو تو کرنل کی زندگی میں بہار آجاتی ہے. فوراً ہی اس نے حل پیش کر دیا. خیمے کی میٹرس شوخ رنگ کی تھی. اس کو رک سیک سے اتار کر جو سورج کی شعائیں منعکس کرائیں تو آگے سے بھی ملتا جلتا اشارہ آ گیا. اب اطمینان سے آگے چلے کہ باقی ٹیم بھی با خبر ہے. ہلکی ہلکی چڑھائی شروع ہوگئی تھی. اب تک تو سانس، پیر، جسم سب سکون میں تھے لیکن چڑھائی کے ساتھ ہی سانس چڑھنا شروع ہو گیا بلکہ ٹھیک ٹھاک چڑھنا شروع ہو گیا کہ اتنی اونچائیوں پر آکسیجن ویسے بھی کم ہوتی ہے.

میں اپنی پرانی جون پر آ گیا کہ ہر دس منٹ کے بعد پانچ منٹ آرام کا مطالبہ کرتا. کرنل میری اس عادت سے بہت عاجز تھا لیکن مجبور تھا. اس کی متواتر تاکید تھی کہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے جائیں اور ایک یکساں رفتار اپنائی جائے لیکن میری وہی دھپ دھپ والی قدرتی تیز رفتار تھی جس سے کم وقت میں فاصلہ تو زیادہ طے ہوتا لیکن سانس اور تھکن بھی اختیار میں نہ رہتے تھے. پتھروں نے ایک عجیب ڈھنگ لے لیا تھا. اب بجائے وہ ایک دیوار کی مانند قطار کے، راستے میں جا بجا پڑے تھے. حیرت انگیز طور پر ان کا حجم بہت وسیع تھا. کئی سو ٹن وزنی اور پچاس ساٹھ میٹر تک پھیلا ہوا ایک ایک پتھر. کچھ تو ایک پر ایک، نیچے والا پست اور کم بلند جبکہ اس پر دوسرا پتھر وسیع و عریض. ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی جن نے آ کر بے ترتیبی سے یہ پتھر پکڑ پکڑ کر پھیلا دیئے ہیں.

ساتھ پہاڑوں سے اترتے گلیشئر ہمیں حیرت سے تکتے تھے جو بیافو کو صرف اپنا تصرف سمجھتے تھے. میں درویشی کی منزل پھلانگ چکا تھا اور مرشد کے رتبے پر فائز ہو چکا تھا. توقع کرتا تھا کہ سالک پنکھا جھلیں گے، پیر دبائینگے اور سب سے اہم ''پانی'' پلائیں گے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کہ اپنا زادِ راہ میں اس راہ میں لٹا چکا تھا. مانگتے ہوئے حجاب آتا تھا. سالک بھی ایسے بے فیض تھے کہ پورٹروں کے روپ میں پھرتے تھے لیکن خیالِ غالب نہ پوچھتے تھے. ایک مزید گھنٹا گزر چکا تھا جب دائیں ایک میدان سا نظر پڑا. امان اللہ نے تصدیق کی کہ یہی ''شِفیفون'' ہے لیکن مشورہ دیا کہ مزید ایک گھنٹہ تو ہے، بیانتھا ہی لگے چلتے ہیں. حالانکہ تھکن اپنے پورے جوبن پر تھی لیکن ہم سے بھیانک غلطی ہوئی جو امان اللہ کی بات مان لی. ایک گھنٹہ تو سیدھا اس برفیلے راستے پر گزر گیا. اب امان نے دائیں کا اشارہ کیا بس کہ تھوڑا سا اور. ہم تھوری سی چڑھائی چڑھ کر جو دائیں ہوئے تو ایک دلخراش منظر سامنے تھا. وہی گیروی گلیئر کی ایک نہ چھوڑ دو نہ چھوڑ ''تین'' خوفناک مورین دِکھتی تھیں. بقول امان ان کے بالکل پیچھے ''بیانتھا'' ہے.

اسکے ''بالکل پیچھے'' کی آس ہمیں اترائی اتار کر پہلی مورین تک لے آئی. وہی نملا روٹ والی. کل کلین کہ پیر رکھو تو پتھر پھسلتے اور چڑھائی یا اترائی الگ ہوتی. میرے بائیں کندھے میں شدید درد ہو رہا تھا اور میں اس امان اللہ کو بیانتھا پہنچ کر سینکوں سے روسٹ کر کے کھانے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ وقت دیکھنا پڑ رہا تھا. میرا تو خیر حوصلہ اور سٹیمنا بالکل جواب دے چکے تھے. کوئی غیبی طاقت مجھے دھکیل رہی تھی لیکن خوشی کی بات تھی کہ اب کرنل بھی ریسٹ کے لیئے رکتا تھا. اسکے چہرے سے بھی پسینہ ٹپکتا تھا. سخت پتھر اب بہت کم ہو گئے تھے اور چھوٹے پتھروں کا ایک سیلاب تھا جو ہمارے پیروں تلے آ کے نیچے کو جاتے تھے. ایک جگہ تقریباً ہموار جگہ پہ کرنل ذرا ریلیکس ہوا تو دھم سے سلپ ہو گیا. وہ تو خیر تھی کہ اترائی نہیں تھی لیکن ہڈیوں کے جوڑ جوڑ کو ہلانے کے لیئے کافی تھی. پہلی مورین کی اترائی بہت دہشت ناک تھی جس کی خوبصورتی وہ عظیم کریوس تھی جو سامنے منہ کھولے ہمیں تکتی تھی. اس اترائی کا ایک ایک قدم حد درجہ احتیاط کا غمّاز تھا. دل کی دھڑکن ویسے ہی قابو میں نہیں تھی اور اس طرح کے مقاماتِ عشق پہ تو سینہ توڑ کر باہر نکلنے کی بھرپور کوشش میں رہتا. دوسری مورین نے ہمارے لیئے ایک 'ادا' بھی چھپا کر رکھی

ہوئی تھی. اس کی اترائی پر ایک پرشور بہت تیز حیرت انگیز حد تک نیلا نالہ بہتا تھا جو پُرکشش تو بہت تھا لیکن کسی بھی طور پر نا قابلِ عبور تھا.

اس کے بالکل آگے ایک برف کی دیوار تھی. یا اللہ یہ کس طرح عبور ہو گا؟ امان اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی. وہ اسی کے ساتھ ساتھ تیز تیز چل رہا تھا اور ہمیں اگر سلامتی اور رہنمائی عزیز تھی تو اس کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرنا ایک مجبوری. کافی دیر ساتھ چلنے کے بعد نالے کے اندر ایک بڑا اور اونچا پتھر آیا جو تھوڑا سا سائیڈ پر ڈھلکا ہوا تھا. یہ کوئی سینے سے ڈھلکا ہوا آنچل تو تھا نہیں کہ اس پر ہی نظریں جمائی جائیں لیکن اتنی مدد ضرور تھی کہ آپ اس پر ایک دم چڑھائی کی طرف قدم رکھیں اور پورے جسم کا زور لگا کر ایک چھلانگ سی مار کر برف پر دوسرا قدم رکھیں اور توازن برقرار رکھتے ہوئے واکنگ سٹک کو اوپر کہیں پھنسا کر اپنے آپ کو متوازن کر لیں. یہ جان گسل مرحلہ بھی ایک ہی ہمت سے طے ہوا وہی ہمت جو ''یا سلام یا مومن یا اللہ'' کی آفاقی طاقت سے پیدا ہوتی ہے اور بندے کو اپنا قرب خاص عطا کرتی ہے.

یہ امان اللہ بھی عجیب بدتمیز پورٹر تھا. ان پورٹروں کی مدد اور محبت کے بہت قصے سُن رکھے تھے لیکن یہ ان سے مُبرا تھا. ہمارے بار بار درخواست کرنے کے باوجود بہت تیز چلتا اور خطرناک مشکل مقامات پر جب اس کی سخت ضرورت ہوتی یہ چپکے سے غائب ہو جاتا آخری مورین کی تکلیف دہ اترائی نے ہمیں اس پانی کا درشن کرایا جو گلیشئر سے رِس رِس کر جمع ہوا تھا اور کافی علاقہ گھیرتا تھا. یہ راستے میں تو نہیں تھا لیکن مورین ختم ہوتے ہی پہاڑ کی عمودی چڑھائی پر جو نظر پڑی تو سانس ایک دم خشک ہو گیا. اس کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آگے جانے کا یہ واحد راستہ تھا. یہاں تو کوئی پتھر بھی نہیں تھے جن پر قدم رکھا جا سکے. ذرا سی بے احتیاطی آپ کو پھسلا کر سینکڑوں فٹ نیچے اس پانی میں ایک چھپاک سے پھینکنے کا موجب بنا سکتی تھی. اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر سَر احسن اسے پار کر کے ہانپتے تھے اور مجھے حوصلہ دیتے تھے کہ ان کے نقشِ قدم پر اوپر آ جاؤں. میں نے اسی طرح دھپ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

دھپ چڑھائی چڑھنے کی کوشش کی اور وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیۓ. پہاڑ کے عین درمیان میں رکوع کی حالت میں ایک قدم اوپر کیۓ میں کھڑا تھا اور کوشش میں تھا کہ سانس کہیں سے ترتیب میں آجاۓ اور ٹانگیں کہیں سے ہمت پکڑلیں. چونکہ میں چڑھائی پہ رکنے کی بھیانک غلطی کر چکا تھا اسلیۓ اب امان بہت مشکل تھی. اس خطرناک اور بی پی صورتحال سے کرنل نے ایک مفید مشورے کے ذریعے نکالا. واکنگ سٹک پیچھے رُک سَیک میں پھنسا کر خالصتاً کلائمبرز کی مانند دونوں ہاتھ پہاڑ پر رکھ کر زیادہ سے زیادہ جھک کر جو میں نے جسم کی ساری قوت لگائی تو پھر اوپر چڑھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی. یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بی پی چڑھائی بہت مشکل انتہائی خطرناک ہے، امان اللہ نے رکنے یا مدد کی زحمت گوارہ نہیں کی. فناء اور بقاء کے درمیان موجود انچوں کو کامیابی سے عبور کرنے پر ہم دونوں شاد تھے لیکن فکر تھی کہ ڈاکٹر یہ کسطرح کرے گا جو ابھی بہت پیچھے تھا.

ہمیں چلتے ہوۓ تقریباً آٹھ گھنٹے ہو چکے تھے اور آج اپنی سریع الحرکتی میں ہم ڈاکٹر کو بالکل ہی بھول گۓ تھے جو ہم سے دو تین گھنٹے پیچھے تھا. وہ یقیناً ہمیں کوستا ہوگا کہ بیانتھا پچھلے دن کسی پروگرام میں نہیں تھا. شدید احساسِ شرم سے ہم دونوں سر جھکاۓ ہوۓ تھے لیکن اب پچھتاۓ کیا ہوت. کچھ بات چیت کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ بیانتھا تو چلیں، آگے کی وہاں دیکھیں گے. اس عزمِ نو سے ہم دونوں اٹھے، پلٹے اور ٹھٹھک کر رہ گۓ، قدم وہیں جم گۓ کہ ایک مدہوش کُن منظر ہمارا منتظر تھا.

ہمارے سامنے ایک بلند پہاڑی سلسلہ تھا جس کے پیچھے سے سات ہزار میٹر سے بلند "بیانتھا براک" اپنے درشن کراتی تھی. پہاڑ چوٹیوں سے درمیان تک برفیلے تھے جس سے جلا پا کر ایک دودھیا نالہ جھاگ اڑاتا نیچے آتا تھا. نیچے ایک وسیع میدان تھا جس کی گھاس کے ساتھ نسواری رنگ کی جھاڑیوں کا ایک سلسلہ اس نالے تک جاتا تھا. فطرت کے کینوس پر آبشار کی تصویر وہ آخری برش تھا جو مصور نے کسی فارغ وقت میں بہت محویت سے پھیرا تھا. "بیانتھا" کی رونمائی میں ایک کشش تھی، دلربائی تھی، دل جکڑ لینے والا سحر تھا.

حالانکہ میں پسینے میں شرابور بدبو چھوڑتا، ہڈیوں پسلیوں کو گنتا اور ایک ایک قدم کیلیۓ ہمت پیدا کرتا تھا، اس منظر کے سحر میں ایسا مبتلا ہوا کہ اگلے آدھے گھنٹے کی اترائی میں بالکل نہ چُوکا. بیانتھا کی نرم نرم گھاس کو اپنی پشت پر محسوس کر کے ایسا آسودہ ہوا کہ اپنے پسندیدہ شغل نیند سے دل بہلانے لگ گیا. میں پتا نہیں کتنا سو گیا تھا یا نہیں لیکن ٹھنڈی دھوپ کی نرم تمازت وہی ٹانک کا کام کرتی تھی جو پہلے بھی جسم کو ایک ماہرانہ مساج کا سا مزہ دیتی تھی. ایک گھنٹہ نیند کا خمار عبدل کی اس آواز نے توڑا جو نوڈلز سُوپ لیۓ سر پر کھڑا تھا. پہلے نیند اب سُوپ، دوآتشہ پروگرام تھا. سُوپ کے بعد چشمے کے برف ٹھنڈے پانی سے جو میں نے ہاتھ منہ دھویا تو طبیعت نہال ہوگئی. حالانکہ میں تازہ دم ہو گیا تھا لیکن آج ٹانگوں سے درد کی ٹیسیں ذرا زیادہ اٹھتی تھیں اور ہر قدم کے ساتھ اپنا احساس دلاتی تھیں.

پانچ بجنے کو تھے اور ڈاکٹر و شیخ کا کہیں نام و نشان نہ تھا. اندیشے، وسوسے، پریشانیاں اور سب سے بڑھ کر احساس شرمندگی. عبدل اور دو پورٹروں کو پیچھے بھیج دیا گیا کہ ان کی خبر کریں اور کچھ نہیں تو ان کے رُک سَیک ہی اٹھالیں. میں اور کرنل کیمپ کی گھاس پہ چہل قدمی کرتے اور تمام امکانات پر غور کرتے تھے. کیمپ میں ایک عجیب سی بات تھی کہ پچھلی ٹیموں کے پھینکے ہوۓ جوس بلکہ بیئر کے ڈبے، خالی ٹِن اور کاٹھ کباڑ تو تھا ہی، کثیر تعداد میں "مارخور" کے سینگ بھی بکھرے پڑے تھے. ان بے زبانوں کو یقیناً شکار کیا گیا ہوگا. مجھے دکھ اور افسوس ہوا کہ اس علاقے کے اس خوبصورت اور ناپید ہوتے ہوۓ جانور کو یہاں دنیا سے دور بھی امان نہیں. فرمائش کر کے میں نے خیمے کا منہ بیانتھا پِیک کی طرف رکھوایا. کیمپ تیار تھا، بلتی پورٹر ایک بڑے پتھر کے ساۓ میں اپنی وہی مخصوص چاۓ بناتے تھے. شام کے پانچ بجا جاتے تھے ان دونوں کا کوئی اتا پتا نہیں تھا. میں اور کرنل بہت متوشش بیٹھے تھے، امکانی امور پر غور کرتے تھے اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے. اگر تو وہ کہیں گر گۓ ہیں تو ان کو تلاش کسطرح کیا جاۓ. کسی قسم کا مواصلاتی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ریسکیو بھی خارج از امکان تھا. اگر وہ گم ہو گۓ ہیں یا راستہ بھول گۓ ہیں تب بھی ان کو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ڈھونڈنا بہت مشکل تھا. ہم یہی تشویش بھری باتیں کر رہے تھے کہ کیمپ میں بھونچال آ گیا. نعرے، دوڑنے کی آواز، برتن بجا کر استقبال..... ڈاکٹر و شیخ پہنچ گئے.

انسانی عزم و ہمت کی چلتی تصویر ڈاکٹر مسلسل 12 گھنٹے سے چل رہا تھا. شیخ ٹانگیں کھول کر اسطرح چلتا تھا جیسے کوئی گشت کرتا مولوی. میری اس تشویش بھری نظر کو اس نے وضاحت کے ساتھ لوٹا دیا کہ یہ ''تکنیکی'' مسائل کی وجہ سے ہے، میں اس کو گشت پہ ملحول نہ کروں. یہ دونوں شیفون کی طرف سے آئے تھے جو کہ عقلی لہاظ سے صحیح راستہ بنتا تھا.

ڈاکٹر کے چہرے اور جسم پر وہی حیرت انگیز تازگی تھی جو عقل سے ماوراء تھی. میری طرح کیمپ میں آتے ہی ڈھیر ہونے کی بجائے وہ فرداً فرداً سب کا حال پوچھ رہا تھا اور بالکل شگفتہ مزاج چہک رہا تھا. نجانے اس کا خمیر کس مٹی سے بنا تھا یا پھر مٹی کی بجائے برف سے بنا تھا کہ تھکن و اضمحلال اس کی ڈکشنری کے الفاظ تھے ہی نہیں. شیخ کے تکنیکی مسائل اور اسقدر فاصلہ ایک ہی دن میں طے کرنے کی وجہ سے اگلے دن ریسٹ 'ڈے' کا اعلان کر دیا گیا. مجھ میں تو اس اعلان نے فرحت و شادابی کی ایک لہر دوڑا دی لیکن کرنل کے چہرے پر مایوسی تھی. مجھے یقین ہے کہ یہ فرشتے کی غلطی سے پاکستان میں پیدا ہو گیا ورنہ کرنل کی ''قدرتی'' آماجگاہ امریکہ یا کینیڈا کا کوئی شہر ہوتا.

میں یونہی پھرتا نالے کے ساتھ ساتھ کافی اوپر تک چلا آیا. برفپوش چوٹیوں کے دامن میں خوبصورت شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی. سہ پہر کی سرخی دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی اور شام کا سرمئی پن پہاڑوں پر اپنا رنگ جما رہا تھا. میں کافی اوپر آ گیا تھا جہاں ہوا سرد اور تیز تھی. میں نے ٹوپی اچھی طرح کانوں پر جمالی اور جیکٹ کی زپ اوپر تک چڑھالی. یکا یک مجھے اپنا بہت پسندیدہ جانور ''مارخور'' نظر آ گیا. بڑے مڑے ہوئے سینگ، بالوں بھری کھال، عین عنفوانِ شباب کی جمال بھری تصویر. حالانکہ فاصلہ کافی تھا لیکن ایک لمحے کو اس سے نظریں چار ہو گئیں جن میں معصومیت تھی، حیرت اور بھرپور چمک تھی. اب یہ پتا نہیں کہ آواز کا کمال ہے، قدرتی جسمانی لہروں کا کمال یا کچھ بھی، آپ کئی دفعہ کسی بھی

انسان یا جانور یا بے جان شے سے ایکدم بہت انسیت محسوس کرتے ہیں اور یہ یکطرفہ نہیں ہوتا دونوں طرف سے ہوتا ہے. مجھے اس مارخور کی نگاہوں میں اپنے لئے محبت نظر آ گئی. اگر آپ دل میں ہنس رہے ہیں تو آپ بھرپور حق بجانب ہیں لیکن میں تو وہی بیان کروں گا جو سچ تھا اور سچ یہ تھا کہ ان کچھ سیکنڈوں میں میں اور وہ مارخور انسیت کا ایک بھڑکتا چراغ اپنے اندر جلتا محسوس کرتے تھے جس کی یاد کی لو آج بھی فروزاں ہے.

کیمپ واپس پہنچا تو ایک ہولناک ارادہ منتظر تھا. صدا سے شکار کے رسیا کرنل کے چہرے پر شادابی پھیلی ہوئی تھی کہ ڈاکٹر نے پورٹر ذیشان کو مارخور شکار کرنے کا ٹاسک دے دیا تھا. ان کی پہلے سے ملی بھگت تھی اور اس کے لیئے خفیہ طور پر ایک بارہ بور بندوق بھی سامان میں آئی ہوئی تھی. میرے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے. میں ذاتی طور پر ایک کمزور دل انسان ہوں اور کسی بھی جانور کے شوقیہ شکار کے سخت خلاف ہوں، چہ جائیکہ وہ جانور مارخور ایسا معصوم اور دلربا ہو. میرے بھرپور واویلے کا اس جنرل اسمبلی میں اتنا ہی نوٹس لیا گیا جتنا کسی مقہور قوم کا اُس ایوان میں. میرا تمام شور، منت سماجت، رونا دھونا رائیگاں جا رہا تھا. ایک عدد مارخور کی جان ان شقی شکاریوں کی نذر ہونے والی تھی اور میں کچھ نہیں کر سکتا تھا. تھک ہار کر میں نے اپنی آخری کوشش 'دعا' کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے. زندگی میں کئی دفعہ میں نے بہت گڑگڑا کر دعائیں مانگی تھیں، کسی جانور کے لئے تہہ دل سے دعا کا یہ پہلا موقعہ تھا.

رات بریانی کا دن تھا جس کے بعد مزیدار سوّیاں اور گرم چائے. چونکہ اگلا دن آرام کا دن تھا اس لیئے ڈاکٹر لمبی محفل کا متمنی تھا. گزشتہ ٹریکوں کی دلچسپ حکایات، ادب، سیاست، یہ تمام موضوع میرے لیئے دلچسپ تو تھے لیکن میری پیاری سے جدائی کا سبب نہیں بن سکتے تھے. اب تک آپ سمجھ ہی چکے ہوں گے کہ یہ دلاری، پیاری ''نیند'' تھی اس لیئے میں معذرت کر کے اپنے خیمے کو ہو لیا. بہت ہی روشن ستاروں بھری رات تھی. چاند کی گیارہویں تاریخ تھی اس لیئے ٹھنڈی چاندنی ہولے سے گلیشئر کی برفیلی مورین، کریوس، اردگرد پہاڑ سب کو اپنی نرم باہوں میں لیتی تھی. برف کا کنوارا پن اور پہاڑوں کا شباب سب

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

اسی چاندنی میں نہا کر اجلے، روشن اور پاکیزہ دِکھتے تھے. کچھ دیر میں بھی کھڑا بھرپور سکوت میں مبہوت یہ منظر دیکھتا رہا اور بالآخر خیمے میں آ کر سلیپنگ بیگ اوڑھ کر سو گیا.

اگلا دن چونکہ آرام کا دن تھا اس لئے سب لمبی تان کر سوئے. باوجود کوشش کے میں اپنی سحر خیزی کی عادت سے پیچھا نہیں چھڑا سکا. چھٹی کا دن ہو، رات نسبتاً لیٹ سویا ہوں یا کچھ بھی، صبح سویرے میری آنکھ کھل جاتی ہوتی ہے. صبح پانچ بجے جب میری آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو میں نے سمجھایا کہ دیکھو تنگ نہ کرو، تھوڑا اور سو لو لیکن وہ من ہی کیا جو اپنی نہ کرے. چار و ناچار آدھے گھنٹے تک اس سے لڑ کر میں باہر نکلا تو بھرپور سکون تھا. صبح صادق کا نور پھیل رہا تھا. موٹی جرابیں ٹوپی اور جیکٹ پہن کر باہر نکلا. ساتھ بہتے نالے کا زور کافی کم تھا لیکن اتنا ہی زیادہ یخ بستہ بھی تھا. کہیں کہیں تو ہلکی ہلکی برف جم گئی تھی. مجھے اس مارخور کے شکار کا خیال آیا جس کے لیئے پورٹر ذیشان نے صبح چار بجے جانا تھا. ابھی تک تو انہیں واپس لوٹ آ جانا چاہیئے تھا. کیمپ میں اور جہاں تک نگاہ اوپر جاتی تھی کوئی ہلچل نہیں تھی. کسی شکار ہوئے مارخور کا بھی کوئی نام و نشان نہ تھا دل میں خیال آیا کہ شاید یہ سوئے رہ گئے ہیں، اس خیال نے بہت اطمینان دیا.

صدقِ دل سے مانگی گئی دعا لگتا تھا قبول ہو گئی ہے. اسی طرح گھنٹہ دو گھنٹہ چہل قدمی کرتا رہا. سورج بابا کی آمد کے ساتھ ہی کیمپ میں چہل پہل شروع ہو گئی. مژدہ سننے کو ملا کہ پارٹی گئی تو تھی فائر بھی کیا لیکن مارخور بچ نکلے، شکاری بے نیل و نرام واپس آئے تھے. ڈاکٹر، کرنل اور خصوصاً شیخ اس خبر پر بہت آزردہ تھے. خصوصاً شیخ نے آنکھوں میں اس کے تکے سیخوں میں پرو کر بھون کر کھانے کے جھلملاتے سپنے سجائے تھے. اس کا شکمی تاج محل ایک لمحے میں زمین بوس ہو گیا تھا اسلئے وہ سب سے اداس تھا. تازہ پانی کا فائدہ اٹھا کر میں نے کرنل کو جرابیں بنیانیں دھونے کی تجویز دی جو فوراً مان لی گئی. شیخ اور ڈاکٹر چونکہ ایسے شیر تھے جن کے منہ سمیت ہر شے ہر وقت ''دھلی'' ہوتی ہے اسلیئے اس ''نیچ'' حرکت سے انہوں نے اجتناب کیا. نرم نرم دھوپ میں یخ ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھوتے میں اور کرنل

بھرپور محظوظ ہوتے تھے اور آپس میں تبادلہ خیال کرتے تھے کہ جب نہر پہ مٹیاریں یہ کام کرتی ہیں تو آپس میں کیا باتیں کرتی ہوں گی. چونکہ یہ خیال کا سفر تھا اس لئے میری زبان بھرپور چلتی تھی لیکن جب یہ سفر ذرا ''نازک'' مقامات سے گزرا تو کرنل نے ایک ناراض ہنہ کر کے لگام اپنے ہاتھوں میں لے لی. اس کے بعد ظاہر ہے گفتگو منتشر اور مہذبانہ ہو جاتی تھی اسلئے میں بور ہو کر جلدی اپنا کام ختم کر کے اٹھ گیا.

گلیشئر اور پہاڑوں کے سفر میں سب سے بڑا عفریت موسم ہوتا ہے. اس کی ذرا سی خرابی آپ کی بہت زیادہ خرابی کا باعث بن سکتی ہے. دن کو تو موسم صاف رہا تھا اور PIA کی پرواز کی مدہم سی آواز اس کا بین ثبوت تھا لیکن دوپہر کے بعد بادلوں نے آسمان دیکھنا شروع کر دیا تھا. کرنل کے پاس ایک طلسمی گھڑی تھی. یہ نہ صرف درجہ حرارت، اونچائی، ہوا کا دباؤ وغیرہ بتاتی تھی بلکہ ہلکی پھلکی موسم کی پیشین گوئی بھی کرتی تھی. اس جادوئی آلے کے مطابق آج کچھ نہیں ہو گا، ہاں البتہ اگلے دو دن کچھ گڑبڑ کا احتمال ہے. اس کی سائنسی اطلاع درست ثابت ہوئی کہ اس دن بادل آئے تو سہی لیکن برسے بناء چلے گئے. اگلے دن ہمیں اصولاً 'نارفو گورو' یا 'مارفو گورو' تک جانا چاہیے تھا. لیکن چونکہ ہم ایک دن ریسٹ کر چکے تھے اسلیئے سنولیک کے آغاز تک 'کارفو گورو' تک جانے کا ارادہ تھا. آگے اب چونکہ برف زیادہ ہو جاتی تھی اسلئے بلتی پورٹر کارفو گورو تک بمشکل آمادہ ہوئے تھے. ڈاکٹر نے مذکرات کے آغاز سے قبل ہی ان کیلئے 'بڑے کھانے' کا اعلان کر کے دل تو جیت لئے لیکن اس کے باوجود پورٹر کسی صورت آمادہ نہیں ہوئے. تمام انعام، زائد رقم، کچھ بھی ان کے دل پر اثر نہ کر سکا. ویسے اگر آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ پورٹروں کی اتنی منتیں کیوں اور آخر چار آدمیوں کیلئے اتنے پورٹروں کی ضرورت آخر کیلیئے تو وضاحت کرتا چلوں کہ ایک تو ہماری مہم ذرا طویل عرصے کیلئے تھی پندرہ سولہ دنوں پہ محیط اور دوسرا ڈاکٹر و شیخ دنیا کی ہر چیز پر سمجھوتہ کر سکتے تھے سوائے ''خوراک'' کے. اسی لیے آٹے کے بڑے ڈرم، گیس سلنڈر، چاول، چینی اور اسی طرح کی اشیاء کی واقعی ایک ضخیم تعداد ہمارے ہمراہ تھی. شیخ کا کہنا تھا کہ اگر کسی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کریوس میں گر گئے یا پھسل کر گر کر مر گئے تو کم از کم یہ ملال تو نہیں ہوگا کہ بھوکے پیٹ ہی اس جہاں سے گزر گئے۔ اسلئے اسی پیٹ کی خاطر یہ سارا بوجھ اٹھانا پڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر و شیخ اپنے بوٹوں، دستانوں، ساز سامان کا اتنا خیال نہیں رکھتے تھے لیکن سامان خورد و نوش پر وقفے وقفے سے پیار بھری نظریں ضرور ڈالتے تھے۔

تیرہ ہزار فٹ بلند بیانتھا کے حسن کا 'جون موک' بھی بہت بڑا پجاری تھا۔ اس کے حسن و انداز پہ اس نے صفحے کے صفحے کالے کئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا شبانہ قیام کچھ اتنا خوشگوار نہیں گزرا تھا کہ کیمپ پر ''ریچھوں'' کا حملہ ہو گیا تھا۔ یہ بڑے دلچسپ ریچھ تھے کہ چیختے چنگھاڑتے کیمپ پر حملہ آور ہوئے لیکن انسانوں کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ سیدھا کچن ٹینٹ کی طرف گامزن ہوئے اور اس کی شیٹ سے شیٹ بجا کر رکھ دی۔ کاغذی لفافوں میں محفوظ خشک راشن، ٹن فوڈ، دودھ کے ڈبے، کچھ بھی ان کی دست و بُرد سے نہ بچ سکے۔ یہ عجیب پاکستانی ریچھ تھے کہ خوراک اور صرف خوراک ان کی جستجو تھی اور وہ بھی قومی سائز میں، چھین لو بزورِ طاقت۔ بچارہ موک حسرت اور بے بسی سے اپنی سلطنت لٹتے دیکھتا رہا۔ میں تو یہ داستان پڑھ کر بہت آزردہ ہوا لیکن شیخ کا تبصرہ بڑا دلچسپ اور ہماری قومی سوچ کی عکاسی تھا۔ بقول اس کے یہ ریچھ وہ ''قدرتی بدلہ'' تھے اس ظلم کا جو اس کے پرکھوں نے ہم پر ڈھائے تھے۔ وہ تو شکر ٹھہرا کہ اس نے ان ریچھوں کو غیبی امداد پہ ملحول نہیں کیا کہ ہمارے مولوی صاحبان جبہ و دستار سے کچھ بعید نہیں۔

پورٹروں نے ڈٹ کے ''بڑا کھانا'' کھایا اور بڑی دیر تک کھایا۔ اس کے بعد نیم دائرے میں بیٹھ کر ایک بڑا پرسوز بلتی گیت گایا جس میں حزن کا رنگ نمایاں تھا۔ کچھ ''آجا پردیسیا'' ٹائپ کا گیت تھا۔

ڈاکٹر کے مذکرات ناکام رہے تھے کہ پورٹر کسی قیمت پر سنولیک سے لُک پے لاء جانے پر تیار نہ ہوئے۔ یہ شمشالی پورٹروں کیلئے ایک روح فرسا خبر تھی کہ زائد سامان انہیں ہی اٹھانا پڑتا۔ سامان کا اندازہ لگا کر دو بلتی پورٹر یہاں سے واپس کر دیے گئے۔ نسواری

جھاڑیوں کے پیچھے آہستہ سے سورج غروب ہو رہا تھا اور وہ مخصوص مہک جو کسی پہاڑی شام کا خاص تحفہ ہوتی ہے آہستہ آہستہ چھا رہی تھی۔ صبح چونکہ جلدی روانگی تھی اسلیئے جلدی کھانا کھا لیا گیا۔ میری ٹانگوں کی اینٹھن ابھی تک قائم تھی۔ ڈاکٹر نے روزانہ کے وٹامن کے علاوہ ایک اور گولی اس یقین کے ساتھ دی کہ اگر اس سے بھی گلیشئر پہ میں گھوڑے کی مانند نہ بھاگا تو جو چور کی سزا وہ اس کی۔ تاروں کا شباب عروج پر تھا، ہر شے چاندنی کی بھرپور گرفت میں تھی۔ میں خیمے میں آ کر شانت سو گیا۔ ساری رات مجھے خواب میں کبھی مارخور اور کبھی ریچھ نظر آتے۔ مارخوروں کی آنکھوں میں ممنونیت اور محبت تھی جبکہ ریچھ کچھ عجیب سے طریقے سے تکتے تھے۔ میں بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب ہوتا تھا کہ جبلّی طور پر تو میں اور آپ بھی ان جانوروں ہی کے بھائی ہیں۔ یہ بس عقل کا تھوڑا پردہ پڑ گیا ہے۔ برف کے دامن میں اس شب تارے تھے، چاندنی تھی، مارخور تھے، ریچھ تھے جو سب بیک وقت بولتے تھے اسلئے ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اس ہنگامے کی وجہ تو چونکہ انسان آج تک نہیں سمجھ سکا اسلئے ہنگامہ ہے کیوں برپا کی حیرت میں ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ میں بھی حیرت میں تھا اور تاروں بھری رات میں مارخوروں اور ریچھوں کا ہنگامہ مسرت سے اور محویت سے تکتا تھا..... ہنگامہ ہے کیوں برپا۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

طوفانِ محبت ۔ کارفو گورو

میں نے جیکٹ کی زپ اوپر تک چڑھائی، فلسطینی رومال سر اور کانوں کے گرد اچھی طرح لپیٹا. خیمے میں ڈوری سے لٹکی چھوٹی ٹارچ کی روشنائی شرارت سے اِدھر اُدھر پھیلتی تھی. اس کو شرارت کا کرارا سبق آف کر کے سنایا اور رکوع کی حالت میں باہر آ گیا. سیدھا ہو کے جو سانس لیتا ہوں تو نتھنوں میں نسواری جھاڑیوں سے آنے والی مہک میں واضح خنکی بھی ہوتی ہے. آج ہم نے جلدی نکلنا تھا اسلئے ساڑھے تین ہی آنکھ کھل گئی. چار بجے تک میں اور کرنل اپنے رُک سَیک بند کر باہر تیار کھڑے تھے. ڈاکٹر و شیخ روزانہ ''گندے بچوں'' کی طرح اٹھتے تھے اور عموماً ہم دونوں تیار ہو کر باہر بھی نکل آتے تو وہ دونوں محوِ خواب ہوتے. کافی کھنکاروں اور آوازوں کے بعد بھی نہ اٹھتے تو آخر میں انہیں ''خوراک'' دی جاتی. خیمے کے بالکل قریب جا کر ذرا اونچی آواز میں ناراضگی کا ایسا اظہار جس میں ایک آدھی فحش گالی کا تڑکا ہو. یہ گالیاں کھا کر وہ بدمزہ بالکل نہ ہوتے بلکہ ہشاش بشاش اٹھ جاتے. پورٹروں کی سرعت آمیز حرکت جاری تھی. روزانہ یونہی ہوتا تھا کہ ہم ناشتہ کر کے نکل

جاتے اور پورٹر سامان باندھ کر کیمپ باندھ کر کے پیچھے آتے لیکن مجال ہے، ہم جتنی مرضی پہلے نکلے ہوں اگر ان میں اور ہم میں آدھے گھنٹے سے زیادہ کا فاصلہ پڑے. ٹریک پر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا جب ہم ناشتہ کر کے گلیشئر پر قدم رکھ چکے تھے.

کیمپ سے نکلتے ہی ہمارا راستہ دو چھوٹی جھیلوں نے روکا جو گلیشئر سے پانی رس کر آنے کا موجب بنی تھیں. نیم اندھیرے میں بہت متاثر کن منظر پیش کرتی تھیں. ڈاکٹر نے انکشاف کیا کہ شیفون (جو ہمارا اصولاً کیمپ ہونا چاہئے تھا) کے پاس اسی طرح کی ایک وسیع وعریض جھیل ہے. اُدھر کچھ قدرتی غاروں کا تذکرہ میرے سے زیادہ کرنل کیلئے دلچسپی کا حامل تھا کہ اس کی روح میں کوئی قدیم شکاری چھپ کر بیٹھا ہوا تھا. پتھریلی مورین اس دفعہ چونکہ ہم نے کافی آگے جا کر بائیں ہو کر پکڑی اسلئے اس کی 'کِل کلین' کچھ خاص نہیں تھی، پھر ابھی صبح کا وقت تھا جس میں توانائی اور جذبہ آسمان پر ہوتا ہے. ٹریک کے تیسرے دن ویسے بھی آپ گھوڑے ہو گئے ہوتے ہیں اور میں تو کوئی عربی گھوڑا ہو گیا تھا. میری رفتار معمول سے بھی دوگنی تھی اور میں حقارت سے مورین کی ان پتھریلی اونچائیوں اترائیوں کو ناپتا تھا جو پہلے میرے لئے عفریت تھیں. کچھ مختلف ضرور تھا، ساتھی بھی حیران تھے کہ یہ آخر یکدم اسے کیا ہو گیا ہے. میں خود بھی حیران تھا، اچانک میرا ذہن اس ''گارنٹی'' والی گولی کی طرف گیا جو ڈاکٹر نے مجھے دی تھی. میں نے فوراً اسے جا دبوچا.

''اوے ڈاکٹر آ'' میں نے ڈاکٹر آ کی آ کو اسی گونج سے مضحکہ خیز انداز میں ادا کیا جسطرح لندن مقیم ایک مسخرہ سیاستدان ''اوئے جا گیردارا'' کی ناکام بڑھک مارنے کی کوشش کرتا ہے.

''یہ کونسی دوائی ہے تُو نے مجھے؟'' میں نے شک بھری آواز میں پوچھا

''آپ آم کھائیں، چھوڑیں پیڑوں کو''، ڈاکٹر لاتعلقی سے بولا، ''کیوں کچھ ٹھیک نہیں ہے کیا؟''

''نہیں کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے.'' میں نے حقیقت جاننے کا قطعی فیصلہ کرلیا. ''ڈاکٹر! مجھے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

دوائی کے بارے میں سچ سچ بتاؤ ورنہ میں تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا'' میں نے مستحکم لہجے میں کہا.

میری ان حرکتوں کے بارے میں ساتھی آگاہ ہو چکے تھے کہ یہ وہ کرتا بھی ہے جو کہتا ہے.

''اچھا اچھا، بتاتا ہوں''، ڈاکٹر نے میرے اٹل لہجے اور کھلے ہوئے ہاتھ دیکھ کر مصنوعی خوفزدگی سے کہا.

''وہ دراصل آپ کو میں نے .....'' ڈاکٹر کی آواز آہستہ ہو گئی'' ایک سٹیورائڈ دیا تھا.''

''ہیں!'' مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا''ارے کمبخت ابھی کسی نے میرا ڈوپ ٹیسٹ کرا لیا تو ساری عمر کیلئے میں کھیلوں سے نااہل قرار دے دیا جاؤں گا.''میں نے دہائی دی.

''کچھ نہیں ہوتا، اللہ مالک ہے'' ڈاکٹر نے اپنا مخصوص جملہ بولا اور آگے چل دیا. یہ سٹیورائڈ ویسے کچھ زیادہ ہی طاقت بخش تھا. میرا چلنے کی بجائے اڑنے کو دل کر رہا تھا اور تھوڑا تھوڑا ہنہنانے کو بھی. مجھے قوی یقین ہے کہ ڈاکٹر نے اس دن مجھے کوئی گھوڑوں کو کھلانے والا سٹیورائڈ دے دیا تھا. یہ تو خیر گزری کہ اُدھر گلیشئر پر کسی گھوڑی کے آنے کا احتمال نہ تھا ورنہ کشتوں کے پشتے لگ جاتے.

صبح کی آمد کا نظارہ بہت ہی دلفریب تھا. پہلے تو وہی رخِ یار جیسی سپیدگی چھائی رہی جس کی تان سورج کی ان ابتدائی کرنوں نے توڑی جو چپکے سے چوٹیوں پر ایک حیا آلود سرخی بکھیر گئیں. پھر پہاڑوں نے ایک شباب بھری انگڑائی لی اور قطرہ قطرہ ان کرنوں کو اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیا. شعاؤں کی سرخی پہاڑوں پر سے یوں پھیل رہی تھی جیسے آہستہ آہستہ سونا پگھل پگھل کر بہہ رہا ہو. نازک نازک کرنیں نیچے تک آتی گویا ٹوٹ کر گر رہی تھیں. یوں محسوس ہو رہا تھا جیسا سینما ہال میں کوئی فلم دیکھی جا رہی ہو اور اس کا پرت پرت منظر بدل رہا ہو. پتھریلی مورین پینتالیس منٹ میں ہی عبور ہو گئی اور ہم درمیان والی نسبتاً ہموار مورین پر چلتے تھے جو کافی حد تک سفید تھی. بیانتھا پیک اور لاٹوک I، II ہولے

سے ساتھ سے گزر گئیں. دائیں طرف گرد و پیش کی چوٹیاں مکمل طور پر برفیلی ہوتی جاتی تھیں. کریوس کی تعداد بھی ایکدم بڑھ گئی تھی. ہر پانچ منٹ کے بعد ایک لیکن ابھی تک خیر گزر رہی تھی کہ کوئی بڑی کریوس نہیں آ رہی تھی. یہ چھوٹی چھلانگ لگا کر قابلِ عبور تھیں. گلیشئر آہستہ آہستہ مزید برفیلا اور سفید ہوتا جاتا تھا. بلتی پورٹر سامان باندھ کر کے ہمارے بعد چلے تھے اور حسب معمول ہمیں پیچھے چھوڑ کر کے آگے جا رہے تھے.

صبح صورتِ حال ایکدم خراب ہو گئی تھی جب بلتی پورٹروں نے پچیس کلو وزن اٹھانے سے انکار کر دیا تھا. ان کے مطابق اب چونکہ برف زیادہ ہو جانی ہے اس لیئے وہ پچیس کے بجائے بیس کلو اٹھائیں گے. ڈاکٹر نے بہتیرے مذاکرات کیئے، شرم دلائی لیکن ان کے مطابق آگے برف بہت زیادہ ہے جس میں ''عذاب'' (مشکل کا متبادل لفظ کہ ان کی اردو بس اتنی ہی تھی) ہوتا ہے وزن اٹھانا. اس کی براہِ راست زد شمشالی پورٹروں پر پڑی تھی کہ جواب تیس تیس کلو فی کس وزن اٹھائے ہوئے تھے لیکن حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے تھے. شیخ ڈاکٹر کو داغِ مفارقت دے کر اب ہمارے ساتھ چلنے کی کوشش کرتا تھا. وہ اپنی چھوٹی ٹانگوں اور بے ڈول پیٹ کے ہاتھوں چھوٹے قدم اٹھانے پر مجبور تھا لیکن پھر بھی ہمارے ساتھ رہنے کی کوشش کرتا. عبدل ڈاکٹر کے ساتھ تھا جو سب سے پیچھے آتا تھا جبکہ میں کرنل، ذیشان (مائیکل) ہدایت اور ثابت عموماً ساتھ چلتے. برف اب بڑھ گئی تھی اور پاؤں چونکہ ٹخنوں تک اندر دھنستا تھا اسلئے چلنے میں زیادہ زور لگانا پڑ رہا تھا. بڑی تیز ہوا چل رہی تھی اسلئے آج سب پورے لباس میں تھے. سر پر برفانی ٹوپی، گلے اور کانوں میں اچھی طرح باندھا ہوا رومال، آنکھوں میں سنو گوگلز، فل بازو بنیان، شرٹ اور جیکٹ، ہاتھوں میں دستانے، ٹراوزر، ٹخنوں پر باندھے ہوئے گیٹرز. ان سب میں واحد میں ہونق تھا جو گیٹرز کے بغیر تھا. عبدل نے کوشش کے طور پر بوٹوں کے تسموں کو ٹراوزر کے ساتھ مضبوطی سے کسا تھا لیکن وہ بیٹھتے ہی تن کر کھل جاتے. اب صرف میں ہی تھا جو ان برف کے ٹکڑوں کو بڑی بے تکلفی سے اپنے بوٹوں کے اندر جاتے اور وہاں پگھل کر جرابوں کو نم آلود ٹھنڈک سے آشنا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کرتے بے بسی سے دیکھتا تھا. اس وقت کو کوستا تھا کہ سکردو سے میں نے خود کیوں نہیں لے لئے یہ نامہ نیم گیٹرز.

بیانتھا چشمے کا پانی صبح خود بھی ہم نے سیر ہو کر پیا تھا اور بوتلوں میں بھی انرجائل کے ساتھ ملا کر رکھ لیا تھا. باوجود پر بہار فضا کے بھرپور مشقت کی وجہ سے گلا بہت سوکھتا تھا اور پانی کی مقدار خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی تھی. یہ آخری پانی تھا جو ہمیں تازہ ملا تھا، آگے تو گلیشئر کی برف کو ابال کر پانی 'بنانا' پڑتا تھا. شیخ کہ اپنی استطاعت سے زیادہ تیز چلنے کی کوشش میں تھا سب سے پہلے اپنا پانی ختم کر گیا اور ہم پریشانی سے اپنی بوتلوں کو دیکھتے تھے جس کا پانی بھی وہ بڑی رغبت سے ختم کرنے پر تُلا ہوا تھا.

تین گھنٹوں بعد کچھ بے ترتیب سے پتھر نظر آئے جو اس برف میں بھی اپنی شناخت برقرار رکھے ہوئے تھے. وہاں ریسٹ کا اعلانِ عام تھا. چولہے پر بنی گرما گرم چائے اور بسکٹ کسی فائیو سٹار ہوٹل کی ہائی ٹی سے کسی بھی طور کم نہیں تھے. ڈاکٹر بھی پہنچ گیا تھا. اس کے گلے میں پڑا کیمرا شاید ہی کسی وقت بند ہوتا تھا. فوٹو گرافی کے تکنیکی امور پر گرفت کے علاوہ اس کو فوٹو گرافی کا ایک خاص ذوق بھی تھا. تین چار دنوں میں وہ کم از کم پانچ چھ سو تصویریں کھینچ چکا تھا. میرے منحنی سے کیمرے کی بیٹری نے یہاں آخری ہچکی لے لی تھی اور اب کرنل کا کیمرا باہر تھا جو ظاہر ہے سلیقے اور قرینے سے چلتا تھا اسلئے کافی دن چلا.

بادل امڈ آئے تھے اور کرنل کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہمارے ریسٹ کے دوران انہوں نے ہلکا ہلکا برسنا شروع کر دیا تھا. اب اتنی بلندی پر تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ ان کا 'برسنا' بارش کے قطروں کا موجب نہیں بنتا تھا بلکہ روئی کے گالے تھے جو آکاش سے نرم نرم آہستہ آہستہ نیچے اترتے تھے..... برفباری شروع ہو گئی. باقی حضرات کے تو رُک سیکوں پر خوبصورت کور پڑے ہوتے تھے لیکن چونکہ میرا رُک سیک بھی میری طرح فری سٹائل تھا اسلئے بغیر کسی کور کے تھا. برف اس کے اوپر بڑی بے تکلفی سے بسیرا کرتی تھی. آئیڈیا مشین کرنل نے فوراً اپنی زنبیل سے ایک حل نکالا. برساتی کو اسطرح اپنے

کندھوں کے اردگرد ڈالو کہ رُک سیک اس میں چھپ جائے پھر آگے سے اس کے بٹن بند کر لو. یا اللہ یہ کرنل نہ ہوتا تو میں تو تباہ ہو جاتا. پورے ٹریک سر احسن کے مفید مشورے، بروقت ڈانٹ ڈپٹ اور حوصلہ افزائی اس سفر کی ایسی یاد ہے جس کے ذہن میں آتے ہی ممنونیت اور تشکر کا ایک عظیم سمندر امڈ آتا ہے. کرنل کی ذات انسان دوستی اور بلند کرداری کا ایک نادر نمونہ تھی..... تھینک یو سر.

برف باری کچھ ہی دیر بعد رُک گئی. چار گھنٹے میں ہم 'نارفو گورو' کے برابر پہنچ گئے تھے. دائیں کچھ بڑے بڑے سرخ ہوتے ہوئے پتھر جن پر کیمپ کیا جا سکتا ہے. نارفو گورو کا بلتی زبان میں مطلب ہی ''سرخ پتھر'' کے ہیں. کیمپ کی جگہ منتخب کرنا بھی ایک مشکل کام ہے. یہ نہیں کہ جہاں کوئی میدان یا پتھر نظر آئے وہاں کیمپ ڈال دیا. سب سے اہم بات تو اس کیمپ کا سلائیڈ علاقے سے محفوظ ہونا ہوتا ہے کہ اوپر سے ٹوٹ کر گرتی ہوئی سلائیڈیں جو ایوالانچ کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہیں، آپ کے کیمپ کو چشم زدن میں صفحہ ہستی سے مٹا سکتی ہیں. پھر پانی کی دستیابی، جگہ کا ہموار اور راستے سے زیادہ دور نہ ہونا، اسطرح کے کئی عوامل پیش نظر رکھنے پڑتے ہیں. نووارد کے لیئے بہتر یہی ہے کہ وہ پہلے تمام معلومات لے کر برسوں آزمودہ کیمپ میں ہی سے کوئی منتخب کرے. نیا کیمپ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے. ویسے اسطرح کی تکنیکی باتیں آپ کو انشاء اللہ ڈاکٹر احسن کی اس کتاب میں تمام تر ملیں گی جو وہ شمالی علاقہ جات میں ٹریکنگ کے بارے میں لکھ رہا ہے. اپنے وسیع تجربے کا نچوڑ وہ اس کتاب میں ڈال رہا ہے جہاں آپ کو جون موک کی طرح ہر ٹریک کی لمبائی، دورانیہ، ساز و سامان، پورٹر، موسم، رقم ہر طرح کی معلومات ملیں گی. یہ ڈاکٹر گلیشئروں اور ٹریکنگ کا اتنا بڑا دیوانہ ہے کہ ایم ایس سی کے بعد اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا مقالہ بھی گلیشئروں سے منسلک کسی موضوع پر لکھ رہا ہے اللہ اس کو عزت اور صحت دے. یہ ایک بہت ہی نابغہ، روزگار شخص ہے.

ماحول میں ہر ایک شے نے سفید چادر اوڑھ لی تھی. گلیشئر تو خیر پہلے ہی مکمل

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

سفید ہو چکا تھا، برف باری نے اس کی سفیدی کو اور نکھار دیا تھا. پاؤں ذرا اور زیادہ دھنستا تھا. ایک پریشان کن امر یہ تھا کہ برف کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے کریوس نہیں دِکھتی تھیں. ہم مزے سے چل رہے تھے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اگلا قدم برف پر ہی پڑے گا یا اندر ہی چلا جائے گا. سنولیک کی دور سے جھلک نظر آنی شروع ہو گئی تھی..... برف کا ایک عظیم میدان. ابھی صرف شیشہ ہی دکھتی تھی. ایک مزید گھنٹے میں ہم ''مارفو گورو'' کے برابر پہنچ گئے، سفید پتھروں کا ایک مجموعہ جس کی مناسبت سے اسے یہ نام دیا گیا..... ''مارفو گورو'' بمعنی سفید پتھر. لیڈر ڈاکٹر کی آمد پر اجلاس ہوا. چونکہ ابھی صرف دس ہی بجے تھے ہم اتنا تھکے بھی نہیں تھے اور نظارے بھی دلاویز تھے اس لیئے لیڈر نے فیصلہ دیا کہ ''کارفو گورو'' کی طرف کوچ. باقی ساری پارٹی تو یہ سُنکر چل پڑی مگر لیڈر چونکہ ایک عظیم لیڈر تھا اسلیئے وہیں بیٹھ گیا اور اسوقت تک آرام کیا جب تک قوم نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی کہ لیڈروں کی عظمت اسی طرح کے بے لوث کاموں میں پنہاں ہوتی ہے.

کرنل اب بہت احتیاط سے چلتا تھا. واکنگ سٹک کو آگے مار کے، راستے کے سخت اور کریوس سے پاک ہونے کا یقین کر کے پھر آگے چلتا. میں حالانکہ اس سٹائل سے بہت تنگ تھا اور چاہتا تھا کہ جلدی چلا جائے لیکن کرنل کی ڈانٹ سے خائف پیچھے پیچھے آتا تھا. رفتار کے حساب سے ہم دو ساتھ تھے، باقی سب آگے پیچھے ہو گئے تھے. میری بے خوفی کی وجہ کوئی شجاعت نہیں تھی بلکہ وہ خطرناک حد تک لاپرواہی ہے جو میری ذات کا اٹوٹ حصہ ہے. کئی دفعہ اس لاپرواہی کے ہاتھوں نقصان اٹھایا لیکن ذات کا ایسا حصہ بن گئی ہے کہ اب میں ذہنی طور پر کسی بھی نقصان کے لیئے ہر دم تیار رہتا ہوں. والد صاحب مرحوم کی حسرت ہی رہی کہ میں چلنے سے پہلے گاڑی کا تیل پانی چیک کر لوں. حد تو یہ کہ ایک دفعہ میں راولپنڈی سے سکردو بغیر اضافی ٹائر کے تقریباً چل پڑا تھا جب انہیں آخری وقت میں پتا لگا. زبردستی جب اُنہوں نے اضافی ٹائر رکھوایا تو جگلوٹ کے قریب مجھے ان پہ بہت پیار آیا جب ٹائر ایک بالکل ویران جگہ پر پھٹ گیا. یہ پیار کرنے والے جلدی پتا نہیں کیوں چلے

جاتے ہیں؟؟؟

کسی کریوس میں گر کر جاں بحق ہونا ویسے کسی بھی طور بہادری نہیں ہو سکتا. زندگی ایسا عظیم تحفہ اس طرح بے احتیاطی کی نذر کرنا شدید بے وقوفی کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے. یہاں کریوس میں گرنے کا مطلب ایک ایسی موت تھا جس میں بعد از موت آپ کا کوئی نام و نشان بھی نہ ہو، کوئی قبر بھی نہ ہو کہ کریوس کی اتھاہ گہرائیوں میں لاش کو نکالنے کے لیئے کون اترے گا اور زیادہ اہم کسطرح. زیادہ تر کریوس کے اندر پانی رواں ہوتا ہے جو لاش کو بہا کر کہاں سے کہاں لے جائے. مانا کہ موت تو گھر کے گیٹ کے باہر پڑے کیلے کے چھلکے سے بھی پھسل کر آ سکتی ہے لیکن وہ کم از کم ایک کریوس زدہ موت سے تو بہر طور بہتر ہے. پتا نہیں ہم نے اس عارضی مستقر کے بعد کہاں کہاں جانا ہے لیکن آنکھوں دیکھا پردہ ہٹنے سے پہلے جو کچھ دیکھا جا سکتا ہے وہ تو آپ کے اختیار میں ہے. ابھی میں اس ماحول میں ایک نکتے کی حیثیت رکھتا ہوں اگلے لمحے اگر میں نہیں ہوتا تو وہ ہوا جو مجھے چیر کر گزر رہی تھی، ذرا آسانی سے گزر جائے گی. دور بہت دور سنولیک سے آتی رنگوں کی آتی بکھاری کا جو زاویہ مجھے کاٹ کے گزر رہا تھا، ذرا اور سیدھا ہو جائے گا برف باری ختم ہونے کے بعد جو ہلکی سی دھوپ نکلی تھی اس کی جو کرنیں مجھ پر پڑ کر برف میں جذب ہو رہی تھی، ذرا سہولت سے نیچے آئیں گی ..... بس اتنا سا ہی فرق پڑے گا اس چار چفیرے میں اور بقاء فنا میں ڈھل جائے گی. وہ جو کہا جاتا ہے کہ مرحوم کے جانے سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، کچھ سیکنڈوں کے لیئے وہ واقعی خلا ہوتا کہ پیچھے آ کر کوئی اور نکتہ اس خلا کو پُر کر دیتا ہے. کائنات کی سلیٹ پر نکتوں کی قطار اسی طرح مٹتی رہتی ہے..... اپنی مرضی آئے نہ اپنی مرضی چلے.

کرنل اسی کے پیشِ نظر بڑی احتیاط سے چلتا تھا اور اس کی احتیاط کا فائدہ اٹھاتا میں بالکل پیچھے پیچھے چیونگ گم چباتا آتا تھا. یکا یک ایک دھم کی آواز اور میرے سامنے کرنل اپنی تمام تر احتیاط کے باوجود..... ایک کریوس میں گر گیا.

کیا یہی وہ لمحہ ہے جس میں نقطوں کی قطار ایک لمحہ کے لئے ٹوٹے گی؟؟؟

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کیا یہی وہ مقام ہے کہ جہاں بقاء فنا میں ڈھلے گی؟؟؟

کوئی چھوٹی کریوس تھی جس میں کہنیاں باہر زمین پر ٹکی ہوئی تھیں. سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں گویا ایک چھلانگ مار کر قریب پہنچا اور نتیجہ وہی دھم..... میں بھی کریوس میں بالکل اسی طریقے سے گر گیا مگر کہنیاں انکی ہوئی.

اب ہم دونوں کہنیوں سے نیچے دھڑ ہوا میں ملحق گرے ہوئے ہیں اور کچھ معلوم نہیں کہنیوں کے نیچے برف سلامت رہتی ہے یا نہیں. اس حقیقتاً جان گسل موقع پر بھی سر کے حواس قابو میں تھے. پیچھے کی طرف زور لگاؤ، ان کی آواز آئی. ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پیچھے کی طرف زور ڈال کر جو میں نے کہنیوں پر دباؤ ڈالا تو ایک جھٹکے سے باہر آ گیا. سَر بھی میرے ساتھ اسی طریقے سے نئی زندگی پا چکے تھے.

ہم موت کو انچوں کے حساب سے غچہ دے کر آئے تھے.....

آنکھوں کی پتلیوں کو فناء کی سرد سیاہی سے آشنا کر آئے تھے.....

اب جسم انجانے جذبوں کی حدت سے دہکتے تھے، ہولے ہولے کانپتے تھے.....

ایک دوسرے کی آنکھوں میں کم ہی دیکھتے جن میں دہشت کا راج تھا.....

ہر شے سفید ہو چکی تھی. چہار سُو برف کا راج تھا. اب چال میں وہ ڈر، فکر اور احتیاط تھی جو تنے ہوئے رسے پر چلنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں.

کچھ دور آگے چلے تو پورٹرز کے ہوئے تھے. ہم تو چونکہ برف کی زیادتی سے اور فناء کی قربت دیکھ لینے کے بعد آہستہ ہو چکے تھے. ان پورٹروں کے پھیپھڑے پتا نہیں کس سائز کے تھے کہ ذرا سا بھی سانس نہیں چڑھتا تھا. ہمارے لئے وہ تشویش میں تھے کہ آخر میں اور کرنل اتنی پیچھے کیوں رہ گئے ہیں. ہم دونوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ کریوس کی بات کسی کو نہیں بتائیں گے. دھوپ دوبارہ نکل آئی تھی اور میں اپنے پسندیدہ مشغلے دھوپ کی طرف مُنہ کر کے اوپر رومال ڈال کر لیٹا ہوا تھا. اپنی فطری لاابالی پن اور بے احتیاطی کی وجہ سے میجر ریحان کے کہے پر میں نے سن بلاک، ویزلین لی تو ہوئی تھی لیکن لگاتا کم ہی

تھا. آج اسی کا خمیازہ بڑے شدید طریقے سے مجھے بھگتنا پڑ رہا تھا. چہرے پر ہاتھ پھیرنے سے باقاعدہ ایک جھلی سی محسوس ہوتی تھی اور ہونٹ بالکل حبشیوں کی مانند موٹے ہو رہے تھے جن پر پپڑیوں کی ایک کثیر تعداد بسیرا کرتی تھی. مجھے خوش خبری بھی سُنائی گئی کہ میرا رنگ بالکل سیاہ پڑ چکا ہے. (پہلے وہ کون سا رخِ جمال تھا) یقیناً میں ایک عظیم سَن برن کے بالکل دہانے پر کھڑا تھا لیکن ان تمام باتوں کا مطلب نہیں تھا کہ میں دھوپ جیسی عظیم نعمت کا کفران کر دوں. بس یہ تھا کہ تھوڑا پہلو بدل لیا.

کرنل کا تمام تر احتیاط کے باوجود ایک پیر مڑ گیا تھا جس کو وہ اب تکلیف سے اٹھاتا تھا. شیخ کے پاؤں میں سوزش نکلی تھی. اللہ کا شکر تھا کہ میرا پاؤں 'بھاری' نہیں ہوا تھا. اور میں سہولت سے چلتا تھا. اس کا ایک سبب تو غالباً وہ ٹوٹکا تھا جو واحد احتیاطی تدبیر میں پہلے دن سے اپنا رہا تھا. پیروں پر اچھی طرح پاؤڈر چھڑک کر (خاص کر اُنگلیوں کے اندر) پھر جرابیں پہنیں، بوٹ چڑھانے سے پہلے جرابوں کے اوپر بھی پاؤڈر. اس نے حیرت انگیز طور پر میرے پیروں کو بہت نرم اور محفوظ رکھا. ڈاکٹر اپنی مخصوص اور دلچسپ چال چلتا آیا. ایک پاؤں ذرا سا تر چھا رکھنا اور دوسرے پیر پر زیادہ زور ڈال کر دو سٹکوں کی مدد سے ٹِک ٹِک کرتے چلنا. میرا دل کیا ذرا تھوڑی دیر ڈاکٹر کے ساتھ چلا جائے. اب چلنا برف اور تبدریج بلندی میں اضافے کی وجہ سے ویسے بھی مشکل ہو گیا تھا. کرنل اور ذیشان بھی ہمارے ساتھ ہو لئے لیکن ڈاکٹر نے ان دونوں کو زبردستی آگے بھیج دیا. اب میں ڈاکٹر اور عبدل ساتھ چل رہے تھے. برف میں سے دھوپ چھن چھن کر آ رہی تھی اور برف پہ جیسے چمکتے موتیوں کا سمندر اُمڈا آیا تھا. ڈاکٹر کی چال کافی آہستہ تھی اور اس کے وقفے بھی بہت دلچسپ ہوتے تھے. ہمارے برعکس جو پانچ یا دس منٹ کے بعد دو تین منٹ وقفہ کرتے، وہ ہر دو منٹ بعد، بیس سیکنڈ کے لئے رُکتا اور اکیسویں سیکنڈ میں وہ چل رہا ہوتا. یہ بیس سیکنڈ بھی اکثر اوقات فوٹو گرافی میں استعمال ہوتے.

میرا گھوڑا پن اب رفتہ رفتہ بکری پن میں تبدیل ہو رہا تھا. ہنہنانے کی بجائے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

منمنانے کو من کر رہا تھا کیونکہ پاؤں اب ٹخنوں سے بھی اوپر کئی دفعہ گھٹنوں تک دھنستے تھے اور چلنے کے لئے کافی طاقت درکار تھی. شنید تھا کہ سامنے آتے پہاڑ سے دائیں مڑیں گے تو ''کارفو گورو'' نظر آنا شروع ہو جائے گا. دھوپ ایک دم ہی ختم ہوگئی اور کالے کالے بادلوں کا ایک نیا سلسلہ در آیا تھا. عام حالات میں یہ ایک انتہائی دلفریب منظر ہوتا کہ حدِ نظر پھیلی ہوئی برف، گردوپیش پہاڑ بھی برفیلے اور امڈتے کالے بادل لیکن اس وقت جب آپ تھکن اور اضمحلال سے چُور ہوں، اس طرح کے بادل ان تمام غیر اخلاقی گالیوں کا باعث بنتے تھے جس میں بڑے ہولناک غیر شرعی، اور فحش اقدامات کی تفصیل ہوتی ہے.

یہ بادل ظاہر ہے کہ اپنا جلوہ جاناں تو دکھانے نہیں آئے تھے. اس لئے کچھ ہی دیر بعد انہوں نے اپنے جلووں کی برسات شروع کردی ..... برف باری شروع ہوگئی. پہلے کی طرح یہ برف باری ہلکی نہ تھی بلکہ تیز سے تیز اور شدید سے شدید تر ہو جاتی تھی. روئی کے گالوں ایسی برف آکاش سے گر کر برف ہی میں برف ہونے سے پہلے ہمارے اوپر گرتی اور اندر باہر سے بھگوتی. ماحول میں گویا ایک سفید چاندنی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ روشنی بہت کم ہوگئی تھی. ہر سُو برف کی ہی روشنی تھی میں برساتی دوبارہ نکال کر پہن چکا تھا لیکن گیٹرز یا Snow ankelets کی عدم دستیابی کی وجہ سے سخت مشکل میں تھا. حالانکہ آئیڈیا مشین کرنل کے مشورے پر کس کے ٹخنوں کے گرد دو شاپر پہن چکا تھا لیکن اتنی تیز برف باری کی وجہ سے برف پگھل کر پانی بن کر اندر رس رہی تھی. پیر اب واقعی ''بھاری'' ہو رہے تھے. موزی کریوں کا خوف، دھونکنی کی طرح چلتا سانس مطلوبہ ساز وسامان کی عدم دستیابی، شیطان کی آنت جیسا لمبا اور نہ ختم ہونے والا راستہ..... میرے اندر ایک طوفان برپا تھا. سنو گوگلز پر پڑنے والی برف کو اتار کر صاف کرنا پڑتا تھا لیکن چلتے ہوئے جو اطراف میں ایک دیوار کا سا شائبہ تو اتر سے پڑ رہا تھا وہ کوئی نظر کا دھوکا تو نہیں ہونا چاہیئے تھا. حتیٰ کہ صاف عینک سے بھی یہی دیوار کا شائبہ ہوتا تھا. اللہ جانے کیا تھا. ٹریک ایک پتھر تک جاتا نظر آرہا تھا اور گمان تھا کہ یہی کارفو گورو ہوگا لیکن اس پتھر تک پہنچ کر دل ہی بیٹھ گیا کیونکہ

آگے جاتے پورٹروں کی قطار دور دائیں طرف جا رہی تھی.....

جمال اب جلال میں تبدیل ہوگیا تھا.....

تو اتر سے چڑھائیاں اترائیاں بھی شروع ہوگئی تھیں.

آج ہر ذائقہ دو آتشہ تھا. ڈاکٹر سے مجھے نفرت سی ہو چلی تھی جو ابھی تک خوشدل اور تازہ دم تھا۔ حد تو یہ ہے کہ بجائے مجھے پرسا دینے کے، ہمت بندھانے کی کوشش کرتا کہ یہ اللہ کی رحمت سے سامنے تو آ گیا کیمپ، اللہ کے کرم سے ابھی تو ابھی ہم پہنچ جائیں گے کارفو گورو . اس شدید اضمحلال اور بیزاری میں قدم گھسیٹتا تھا اور نہ جانے کس طرح گھسیٹتا تھا کہ بدن میں طاقت تو تھی نہیں بس ایک طوفان تھا جو باہر طوفان سے مل کر بگولے اٹھاتا تھا. ایسے میں جو ایک سیٹیاں مارتی چکار کی چہکار کانوں میں پڑی تو یوں لگا جیسے سیلین کی چہکار ہو. کینیڈین ''سیلین ڈیون'' کہ جس کے دھان پان وجود سے اٹھتی آواز باہر فضا میں آتی ہے تو کسی بگولے کی طرح لپیٹ میں آنے والی ہر ہستی کو اڑا لے جاتی ہے. اس طوفان میں جو میں نے ذرا آنکھیں بند کر کے ایک لمحے اس کا خیال کیا تو ایک آواز میرے اندر سے اٹھی تڑپ کر باہر مَن سے نکلی اور پوری فضا میں چھا گئی

صبح میں سرگوشیاں

ان دو سرشاروں کی جو وقتِ محبت محوِ خواب رہے

ایک طوفان کی مانند گزرتی ہیں

میں اور فطرت بھی تو وہ سرشار تھے جو ایک دوسرے کے وجود کی تڑپ میں بیقرار تھے. ہم نے بھی اپنی محبت کو پانے کے لئے روایت اور زمانے کی بیڑیوں کو توڑا تھا. وجودی راحتوں، آسائشوں سے منہ موڑا تھا اور اب ہماری سرگوشیاں واقعی ایک طوفان کی مانند زمانے سے گزرتی تھیں.

سیلین کی آواز بتدریج بلند ہو رہی تھی.

میں تمہاری آنکھوں میں تارے چنتی ہوں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

تمہارے جسم کے رُوم رُوم میں بستی ہوں
تمہاری آواز کا شہد میرے کانوں میں اترتا ہے
جسے میں محبت کہتی ہوں
برائے فرخت نہیں ہے (آواز اور آرکسٹرا بلند ترین ہو جاتے ہیں)
کیونکہ میں تمہاری اور صرف تمہاری ہوں
اور تم صرف میرے اور میرے ہو
کہ یہ محبت کی طاقت ہے (سب ساز خاموش)

یہ محبت کی طاقت تو وہ طاقت ہے جو کسی آلے میں جانچی جا سکی، اس کے اجزائے ترکیبی معلوم ہوے نہ ہی کسی تجربہ گاہ میں اس کا کلیہ معلوم ہوا. یہ ایک نامعلوم طاقت ہے جو وجود کو جکڑ کر روح میں اتر جاتی ہے اور پھر کسی مخالف قوت، کسی بند کسی رکاوٹ کا خاطر میں نہیں لاتی. اس طاقت کے گھاؤ سے بچو کہ اس کے زخموں کی ٹیسوں میں بھی لذّت ہے، دلربائی ہے، نشہ ہے..... یہی نشہ مجھے بھی سیلین کی بے مثال آواز نے اسوقت بخشا اور جب اس کے زیر اثر نیلونیل جھیل کے کنارے پتھروں پہ بنے کیمپ میں دنیا کی خوبصورت ترین عمارت اپنے خیمے میں پہنچا تو حالانکہ آ کے اوندھے منہ ڈھے گیا تھا، سانس قابو میں نہیں تھا لیکن میرا چہرہ سرخ تھا. بالکل کسی انار مانند سرخ اور کرنل کے بے حد اصرار نے بھی مجھے وہ بھید نہ کھولنے دیا جو اس طوفانِ محبت نے طوفانِ کارفو گورو کے ساتھ مل کر مجھے عطا کیا تھا.

اس طوفان کو تھمنے میں کافی وقت لگا. ہوش کی دنیا نے حسیات کو قابو میں کیا تو محسوس ہوا کہ میرے بوٹ اور جرابیں گہرے پانی میں ڈوبے ہوے ہیں اور بدن ہولے ہولے کپکپا رہا ہے. کرنل چونکہ پورٹروں کے ساتھ پہلے آ گیا تھا اسلئے خیمے جسی عظیم نعمت اور اس میں ترتیب سے پڑا ہوا سامان اس سگھڑ' پیے' کا منہ بولتا ثبوت تھا. مجھے سلیپنگ بیگ کے اندر لیٹے لیٹے کپڑے اتروا کر پہلے گرم تھرمل پہننے کی تلقین کی، پھر گیلی جرابیں اور بوٹ

بھی اسی طرح تبدیل کیے. خشک گرم کپڑوں جرابوں نے بہت آسودہ حرارت دی لیکن جو طمانیت اس گرما گرم چائے نے بخشی جو عبدل خاص طور پر تیار کر کے لایا تھا، وہ ناقابل فراموش ہے. بدن میں کچھ فطری آبی مجبوریاں مچلتی تھیں لیکن باہر جانے کی ہمت تھی نہ استطاعت. آئیڈیا میشن نے فوری حل پیش کیا. آئس ایکس سے خیمے کی سطح ذرا سا اٹھا کر ایک چھوٹا سا گڑھا کھودنا، اس میں خیمے کے تقریباً اندر سے ہی فارغ ہونا اور پھر برف ڈال کر برابر کر دینا ایک ایسی مفید تجویز تھی جو عمدہ سینیٹری استعمال کرنے والے 'مہذب یافتہ' آدم زادوں کے تصور میں مشکل سے ہی آ سکتی ہے.

ڈاکٹر و شیخ کافی پیچھے رہ گئے تھے کہ طوفان کے شروع ہوتے ہی ڈاکٹر نے زبردستی مجھے آگے بھیج دیا تھا اور اپنے دھپ دھپ بڑے قدموں کی وجہ سے میں شیخ سے بھی کافی آگے نکل گیا تھا. کرنل نے فوراً دو پورٹر پیچھے دوڑائے کہ ایک تو انہیں اخلاقی مدد رہے دوسرا ان کے رُک سیک اٹھا لئے جائیں. شیخ تو مجھ سے تھوڑی ہی دیر بعد پہنچ گیا لیکن ڈاکٹر حسب معمول دیر سے گھر لوٹا. پہلے کی طرح چہکتا ہوا، نہ کوئی تھکن نہ کوئی شکایت. الٹا ہر پورٹر و ممبر کے پاس جا کر فرداً فرداً ان کا حال پوچھتا ہوا. یہ ڈاکٹر حقیقتاً ایک جن تھا بلکہ باقی دونوں بھی ہمت، بلند حوصلگی اور بے خوفی کے جن تھے جن کی انگلی پکڑ کر میرے جیسا بونا بھی ساتھ گھسٹ رہا تھا.

مجھے ہلکا بخار ہو گیا تھا جس کا کارگر حل ڈاکٹر کی زنبیل میں پوشیدہ تھا. سٹیورائڈ 'نہ' ہونے کی گارنٹی پر میں نے ایک گولی لے لی. کرنل کی گھڑی چودہ ہزار چھ سو فٹ بلندی کی خبر دے رہی تھی اسلئے گرما گرم چکن نوڈلز ایسا من وسلویٰ تھے جو صرف ہمارے لئے خاص طور پر اتارے گئے تھے. آج برف باری کی نسبت سے 'پائے' کا ٹن کھولا گیا اور وہ پائے کھا کر ہم ایسی 'راحت' پائے کہ شتابی سے اگلا پروگرام بناتے اور منہ کھول کر بڑے بڑے قہقہے لگاتے. عموماً کھانا دینے ہدایت یا ثابت آتے تھے لیکن آج عبدل سے غلطی ہو گئی. خیمے کے باہر سے جب اس نے کھانے کی ٹرے اندر کی ہی تھی کہ ڈاکٹر کے دعوتی حملے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کا شکار ہو گیا'' آؤ بھئی ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ'' باقی پورٹر تو ذرا سمجھدار اور تھوڑے سے اکھڑ تھے کہ یہ حملہ کامیابی سے سہہ کر نہ کرتے واپس دوڑ جاتے لیکن شرمیلا اور شریف عبدل قابو آ گیا. بے چارہ اندر سمٹ کر بیٹھ گیا اور اپنے فطری لحاظ کی وجہ سے ڈاکٹر کے بے انتہا اصرار کے باوجود بہت کم کھایا. ایک تو ہمارا لحاظ اور ڈاکٹر کے سوالات کا لامتناہی سلسلہ، بے چارے نے آدھی سے بھی کم روٹی کھائی. کولڈ ڈرنک ٹن کا پورے ٹریک اب تک بہت شہرہ رہا تھا. میں اتنی خنکی میں انہیں یہ ٹن پیتے دیکھ کر بہت حیران ہوتا تھا کہ ان کے گلے ابھی تک سلامت کیسے ہیں؟ ان ٹنوں کی یہاں ختم ہو جانے کی 'خبر' میرے لئے بہت خوشی کا باعث بنی. منجمد گلیشئر کی اتھاہ برفوں میں طوفانِ محبت حالانکہ تھم چکا تھا لیکن اس کے بعد چلنے والی ہوا جسم کاٹتی تھی کہ محبت کے بعد حقیقت کی ہوا بھی اسی طرح بدن کاٹتی ہے. ہم چونکہ دیوانگی کی فصل کاشت کئے ہوئے تھے اسلئے اسی کے اعجاز سکون کرتے تھے اور رات کو بھرپور میٹھی نیند سوتے تھے. کارفوگورو کے طوفان نے زندگی کے اندھیاروں میں اس لمحے پر بجلی چمکا دی تھی جس نے آئندہ حیاتی یاد کے دریچوں کو اپنی چکا چوند سے منور رکھنا تھا.

موتیوں کی دمک۔ سنولیک

اس ٹھٹھرتی رات میں کچھ سرسراہٹیں اور کئی آہٹیں تھیں. ہوا کا کوئی یخ جھونکا خیمے کی نہ جانے کس درز سے اندر داخل ہوتا اور بے قراری سے تھرتھرا کر چاروں کونوں میں پھیلتا آخر کار سلیپنگ بیگ میں ٹھنسے میرے اور کرنل کی ہڈیوں میں گھستا نیند سے بیدار کر رہا تھا. باہر منفی درجہ حرارت میں یہی جھونکے خوفناک آوازیں نکالتے ہمیں دہشت زدہ کرتے. بارہا میں نے اٹھ کر اپنے تئیں بڑی جرات کا مظاہرہ کر کے خیمے کے درمیان میں اوپر لٹکی ٹارچ آن کر کے یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ یہ کون ہے جو خیمے کے عین باہر کھڑا ہے. ظاہر ہے وہ مسماۃ ''ہوا'' کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی. پروگرام کے مطابق تین بجے روانگی تھی تاکہ دھوپ کے تیز ہونے سے پہلے ہم سنولیک کے آخری کونے تک پہنچ جائیں. دو بجے اس سونے جاگنے کے کھیل سے تنگ آ کر دانت کٹکٹاتا آخر میں اٹھ ہی گیا. کرنل کافی اوں آں کے بعد اٹھا کیونکہ رات میں کم از کم دس دفعہ اٹھ کر ٹائم دیکھ چکا تھا جس میں اس کی نیند بھی خراب ہوئی تھی. سلیپنگ بیگ تہہ کرنا، رُک سیک میں چیزیں واپس ڈال کر بند کرنا عام دنوں میں تو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ایک معمول کی کاروئی تھی لیکن اس ہڈیوں میں گھستی خنکی میں انتہائی تکلیف دہ تھا. پورٹر ویسے بھی اب صرف شمشالی ہی رہ گئے تھے کہ بلتی پورٹر تمامتر ترغیب اور حوصلہ افزائی کے باوجود واپس ہو گئے تھے. گذشتہ رات شیخ کے خود پکائے گئے پلاؤ نے خمار چڑھا دیا تھا اسلئے مجھے اٹھانے میں کافی ''عوامی'' پنجابی کا استعمال کرنا پڑا. پراٹھا، آملیٹ، شہد اور چائے کے روح پرور ناشتے کے بعد عبدل نے سب کی انسپکشن کی. اب چونکہ ہم نے برف کے ایسے سمندر کے اوپر چلنا تھا جس کے نیچے کچھ معلوم نہیں کیا آتا ہے، کریوس ہے یا سخت سطح اسلئے تیاری بھی اس کے مطابق تھی. ٹخنوں میں ''گیٹرز'' جو کہ میرے پاس مفقود، ٹانگوں میں سے گزارے گئے اور کمر کے گرد باندھے ہوئے 'کیرابینر' ٹک. ان سے گزارا گیا رسا جو پوری ٹیم کو ایک لڑی میں پروتا، دستانے، موٹی جیکٹ، اونی مفلر سنو گوگلز، اونی ٹوپی. آج اس مہم جو لباس میں سب اپنے آپ کو ایڈمنڈ ہیلری (ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے والا پہلا انسان) سمجھ رہے تھے. میرے 'گیٹرز' چونکہ شیخ کی غفلت کی نظر ہو چکے تھے اسلئے عبدل نے کس کے جوتوں کے تسمے ٹراوزر کے ساتھ باندھ کر کچھ سامان کر دیا تھا. اب انتظار تھا تو لیڈر ڈاکٹر کاجورات میں بھی اپنے مخیر العقول کیمرے کے ساتھ نبرد آزما تھا.

شمشالی پورٹروں کیلئے آج سب سے زیادہ تکلیف دہ دن تھا. بلتی پورٹروں کے داغ مفارقت کے باعث انہیں نارمل بیس یا پچیس کلو کی بجائے پینتیس حتیٰ کہ چالیس کلو تک اُٹھانا تھا. میں تو اپنے آٹھ کلو کے مختصر سے رُک سیک کی وجہ سے عذاب میں تھا، اس چالیس کلو کے روح فرسا خیال سے ہی مجھے جھرجھری آتی لیکن آفرین ہے ہدایت، ثابت دولت، ذیشان، شاہ اور عبدل پہ کہ ان شیروں نے بنا کسی چوں چرا کے یہ عظیم بوجھ اسطرح اُٹھایا کہ جیسے گاجر مولی ہوں اور ہنستے کھیلتے چلتے رہے. تمام تیاری کے بعد چاندی سے نہائی ہوئی سنو لیک پر جب ہم نے پہلا قدم رکھا تو صبح کے چار بجے تھے. پہاڑ ہمیں حیرت سے تکتے تھے کہ یہ کون گستاخ ہے جو ابتداء سے اب تک موجود اس کائناتی سلطنت میں دندناتے پھرتے ہیں. یہ دنیا ہے عظمت کی، ہیبت کی جہاں ان بونوں کو تو دہشت سے ہی واپس لوٹ جانا

چاہئے. وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا جہاں بے شک بہت ضخیم ہے، ہیبت ناک ہے لیکن اس دھڑکتے ہوئے لوتھڑے کے جہاں کے پاسنگ بھی نہیں جس کو قادرالمطلق نے انسانی سینے میں عطا کیا ہے. اسی کی بے قراری کا روگ ان پربتوں، برف زاروں کی تسخیر میں پنہاں ہے. سب سے آگے عبدل پھر کرنل، میں شیخ و ڈاکٹر کی یہ قطار اس کائنات میں ایک ایسی لکیر تھی جن کے من میں نظاروں کی ہوس تھی، اندیشوں کے سپنو لیے تھے اور سنسنی کا راج تھا.

ہوا بہت تیز اور توقع سے کہیں بڑھ کر خنک تھی. کوئی جھونکا پہاڑوں اور چوٹیوں کے دامن سے ٹکراتا ہمیں چیر کر گزر جاتا اور پھر سے وہی ایک چپ سردی سے لرزتی اتھاہ سکوت میں ڈیرے ڈالتی. پورے ماحول میں اگر کوئی صوتی تاثر تھا تو صرف ایک... دھپ دھپ. عبدل واکنگ سٹک کی نوک کو نہایت مہارت سے آگے دائیں بائیں برف میں چبھوتا اور کریوس نہ ہونے کا اطمینان لئے آگے بڑھتا جاتا. ہم نابیناؤں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے آتے. سر پر سپاٹ ٹارچیں آن تھیں. حالانکہ بھرپور چاندی کی وجہ سے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی. ابھی برف سخت تھی اس لیئے پاؤں صحیح جمتے تھے اور مناسب رفتار سے یہ قافلہ آگے بڑھتا تھا. رسوں کی وجہ سے کچھ اطمینان بھی تھا کہ گر خدانخواستہ کریوس میں گر بھی گئے تو کھینچ لئے جائیں گے. عبدل کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی کہ ہماری حفاظت کی ساری ذمہ داری اس پر تھی. آج اس نے اپنے وہ خاص کوہ نوردی والے بوٹ نکالے تھے جس سے وہ ایک 64 سالہ اطالوی عورت کے ساتھ سات ہزار میٹر سے بلند ''مستاغ پیک'' سر کر چکا تھا. ''کارفو گوروپیک'' جو کہ کیمپ سے بالکل پیچھے نظر آتی تھی اب اپنے جلووں کی برسات برسا کر معدوم ہو چکی تھی. یہ بھی سات ہزار میٹر سے بلند ہے اور سرکاری طور پر ان 121 میں شامل ہے جو اس جنت بے نظیر دیس میں 7000 میٹر سے بلند موجود ہیں. مقامی لوگوں کا اس تعداد پر اختلاف ہے جو اسے 210 گردانتے ہیں. چھ ہزار میٹر سے بلند بھی اسی طرح وہ سات سو سے زیادہ گردانتے ہیں. یاد رہے کہ یورپ کے بلند ترین سلسلہ ایلپس کی بلند ترین چوٹی چار ہزار میٹر سے کچھ ہی زیادہ بلند ہے.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

رات کو چیر کر صبح نمودار ہو رہی تھی. ہلکی ہلکی سپیدگی جو پہاڑوں کی معصومیت کی گواہ تھی، جلوہ افروز ہو رہی تھی. رات کی سیاہی سے پہاڑوں کا برف آلود ظہور اور سامنے برف کا ایک عظیم بحر، کائنات کی ہر شے سفید رنگ ہو رہی تھی. سنولیک اپنے انگ بڑی آہستگی سے پرت در پرت دکھا رہی تھی. وہی سنولیک جو رات کو ایک راہبہ سی لگتی اب سولہ برس کی الہڑ دوشیزہ دکھتی تھی جس کے تیکھے پن میں شرارت کا رنگ نمایاں ہو. سورج بابا نے چوٹیوں کے پیچھے ہلکے سے باہر سر نکالا اور ہمیں وہاں پا کر محظوظ ہو کر چھپن چھپائی کھیلنا شروع ہو گئے. کبھی تو ایک کرن حیا آلود سرخی کے ساتھ جھلک دکھاتی اور کبھی کرنیں روشنی کا ایک لشکارا سا مار جاتیں. برف کے عظیم سمندر میں ان کرنوں کی آمد سے سنہرے موتیوں کا ایک طوفان آ گیا تھا. قدم پڑنے سے پہلے جھجک سا جاتا کہ ان چمکتے موتیوں کے اوپر چلنا تو بہت گستاخی ہے.

ہلکی ہلکی چڑھائی شروع ہو چکی تھی جس سے سانس چڑھتا تھا. کارفو گورو'' سے نکلتے ہی سامنے ''سوکھالاء'' نظر آنا شروع ہو گیا تھا. یہ درہ ایک دشوار گزار راستے سے اتر کر اسی ارندو گاؤں کے قریب اترتا ہے جس کے قرب میں مشہور زمانہ سپنک چوٹی ہے. ہمیں چلتے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے. سانس اب ٹھیک ٹھاک چڑھنا شروع ہو گیا تھا اور رسوں سے بندھے ہم تینوں کی انا ہمیں وہ لفظ کہنے سے روکتی تھی جو ڈاکٹر بڑی بے تکلفی سے ہر چار پانچ منٹ بعد کہتا'' رکو بھئی! ریسٹ کر لیں'' یہ اور بات ہے کہ ڈاکٹر کا ریسٹ کیمرے کے ایک بے دریغ استعمال کا نام ہوتا تھا. ہم تینوں تو سر نیچے کر کے بڑے بڑے سانس لیتے جبکہ ڈاکٹر مختلف زاویوں اور لینزوں سے کیمرے کے ساتھ نبرد آزما ہو جاتا. اس کا یہ فوٹو گرافی کا جنوں کی حد تک بڑھا ہوا شوق گلے میں لٹکے مختلف کیمروں کا موجب تھا جس میں سے کچھ کے لینز کئی دفعہ بڑے فحش انداز میں آگے کو نکلے ہوتے. ایک دفعہ جو میں نے ویسے ہی اُس کی اس مہارت کے بابت پوچھا تو اُس نے ایسی تفصیلات اور تکنیکی معلومات دیں کہ میرا تو سر چکرا گیا. ایسے سے اس وقت اس کے چہرے پہ پھوٹتی خوشی کا

البتہ کوئی حساب نہ تھا. گفتگو کا اختتام اس نے تاریخی جملے سے کیا کہ تصویریں آئیں گی تو دیکھنا کئی دفعہ میں نے کیمرے کو بھی ''ڈاج'' دے دیا. واہ رے ڈاکٹر تجھے تو ناسا میں ہونا چاہئے تھا جو کیمرے کو بھی 'ڈاج' دینے پر قادر تھا.

بائیں کچھ چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو باقی چوٹیوں سے بہت منفرد اور قدرے دہشت آمیز تھا. شیخ نے ان کے ''سولومن ٹاور'' ہونے کا ''بتایا. دور'' ہسپر لاء'' واضح ہونا شروع ہو گیا تھا. لاء بلتی زمانے میں درّے کو کہتے ہیں. یہ درہ سنولیک کا ایسا کونہ ہے جو ''شریف'' ٹریکر سنولیک کے اختتام پر استعمال کر کے عبور کر کے مہذبانہ طریقے سے ہسپر گاؤں سے ہنزہ کی طرف اتر جاتے ہیں. بالکل کسی ریمپ کی مانند یہ درہ اپنی واضح تصویر اور مخصوص شباہت کے باعث بہت دیر تک نظروں میں سمایا رہتا ہے. یہ سارا علاقہ مبینہ طور پر کریوسوں سے اٹا پڑا تھا لیکن خوش قسمتی سے پچھلے سیزن ہونے والی ریکارڈ برف باری سے وہ سب دب گئی تھیں. عبدل کے مطابق سولہ کلومیٹر طویل سنولیک پہ پچھلی دفعہ تین سے چار سو فٹ برف پڑی تھی اس لئے ہم بغیر کسی دقت کے منزلیں مارتے تھے. ڈاکٹر و شیخ ہسپر کے ذریعے پہلے بھی جا چکے تھے اور کریوس کی فراوانی کا ذکر کانوں کو ہاتھ لگا کر کرتے تھے. نہ صرف یہ کہ وہ خطرناک ہوتی ہیں، ان کو عبور کرنے کے لئے آپ کو طولاً عرضاً کافی چل کر ایسی جگہ تلاش کرنا پڑتی ہے جہاں سے وہ عبور ہو سکیں. یہ تمام مشقت جسم سے توانائی کو نچوڑ کر رکھ دیتی ہے.

سنولیک کے موتیوں کی طراوت اور کوری کنواری سفید برف ہمارے اندر کے اندھیاروں کو اجلا بناتی تھی. برف کے ایک ایسے پیالے میں جس کے اطراف میں پہاڑ چوکیدار پہرہ دیتے ہوں، نیلی نارنجی، گہری سرخ جیکٹوں کی قوس قزح پھیلی ہوئی تھی. پورٹروں کی دور سے نظر آتی معدوم سی لائن (کہ ہر روز ہم تو پہلے نکل جاتے، وہ کیمپ باندھ کر بعد میں آتے) اب واضح ہو گئی تھی. سفیدی کے اس عظیم سیلاب میں ان کی شوخ رنگ کی سنو گوگلز ماحول کو انوکھی دمک عطا کرتی تھیں. یہ سو پچاس روپے کی خریدی گئی گوگلز گوروں کے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

لیئے بہت حیرت کا باعث ہوتی. عبدل نے ایک دفعہ ایسے ہی کسی گورے کے استفسار پر اس کی قیمت پچاس ڈالر بتائی تو بڑا مرغوب ہوا کہ تمہارا ملک اتنا ''سستا'' ہے. پورٹروں کو چونکہ ریسٹ کی ضرورت تھی نہ خواہش اس لئے وہ ہاتھ ہلاتے ،دانت نکالتے ہم سے آگے چلے گئے.

ہمیں چلے چار گھنٹے ہو چکے تھے اور دھوپ کے کھل کر نکل آنے کی وجہ سے سنو لیک کی شادابی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی. سفید رنگت کو اب سنہرا رنگ کاٹتا تھا. دھوپ کا سنہرا پن چھن چھن کر پہاڑوں پر اور برف پر اپنی کھنک بکھیرتا تھا. یہ دھوپ فطری شادابی کیلئے تو بہت دلآویز تھی لیکن جسمانی بالیدگی کیلئے عذاب کی صورت میں اتری تھی. دھوپ کی وجہ سے برف نرم سے نرم تر ہو رہی تھی جس میں پاؤں کئی دفعہ گھٹنوں تک پھنستا تھا. اس اونچائی پر جہاں آکسیجن ویسے ہی کم ہوتی ہے، زور لگا کر پیر کا نکالنا اور آگے بڑھتے رہنا ایک ہوشربا امر تھا. دھوپ کی وجہ سے اطراف پہاڑوں میں ٹوٹتی برف اور اس کے نتیجے میں چھوٹی چھوٹی ایوالانچوں کے دھماکے بھی دل دہلاتے تھے. برف کے باوجود پسینہ آتا تھا اور بہت آتا تھا. کارفو گورو جھیل سے لیا گیا پانی شیخ کے بے دریغ استعمال کی وجہ سے بالکل ختم ہو چکا تھا. یہ شیخ پانی اتنا وافر اور بے تکلفی سے استعمال کرتا تھا کہ مجھے یقین تھا اس کے اندر کسی ایسے اونٹ کی روح ہے جو کسی تکنیکی غلطی کی وجہ سے پانی محفوظ نہیں کر سکتا، بس پیئے جاتا ہے. 'گیٹرز' کی عدم دستیابی کی وجہ سے برف بڑی بے تکلفی سے بوٹوں میں داخل ہوتی، کچھ دیر خاموشی سے پیروں کے گھپ اندھیرے میں ساتی اور یکا یک پانی میں تبدیل ہو کر اپنی فنا سے مجھے زندگی کی بقاء کی حفاظت کا درس دیتی. شڑاپ شڑاپ گیلی جرابوں کو بدلے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا. لیکن اس میں ہونے والی تاخیر ساتھیوں کی ناراضگی کا سبب ضرور تھی. چڑھائی زیادہ مشکل اور چال مشکل تر ہوتی تھی. 'ہسپر لاء' جو بالکل سامنے دِکھتا تھا اب پیچھے رہ گیا تھا. سات ہزار میٹر سے بلند 'کنجوٹ سَر' لاء کے برابر میں اپنی موجودگی کا بھرپور احساس دلاتی تھی. یہ کنجوٹ سَر دنیا کی 29ویں بلند ترین چوٹی ہے، 7700 میٹر سے بلند ہے.

ہر گزرتے منظر اور پہاڑ پر شیخ کا رواں تبصرہ جاری رہتا. نہ صرف یہ کہ اسے ہر درّے، پہاڑی چشمے کا معلوم ہوتا، ان کا مکمل حدود اربعہ بھی اسکی یاداشت میں محفوظ تھا کون سا پہاڑ کس زاویے سے دیکھو تو ایسا لگتا ہے اور کہاں سے دیکھو تو ایسے 'دِکھے' گا. کونسا درّہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں نکلتا ہے، کس ندی نالے کو کہاں سے عبور کر دو تو کہاں پہنچیں گے، یہ بھی اسی کے خاص علم کا ذریعہ تھا. ڈاکٹر بھی کچھ کم نہیں تھا بلکہ دو ہاتھ آگے تھا. اسے تو یہاں تک معلوم تھا کہ کس درّے سے ہو کر فلاں گلیشئر عبور کر کے فلاں نالہ عبور کیا جائے تو ایک شاندار شارٹ کٹ لگ سکتا ہے. میں اور کرنل بظاہر بے پروائی سے یہ سب تفصیلات سنتے کہ ہوا باز ہونے کے ناتے وہ توقع کرتے تھے کہ ہمیں تو یہ سب بخوبی معلوم ہوگا. ان کو کیا معلوم کہ یہ سنو لیک جو ہم ایک جاں افزاء مشقت کے بعد چھ دنوں میں پہنچے ہیں ہیلی کاپٹر پر صرف پچیس منٹ کی پرواز ہے جس میں ظاہر ہے ایک ایک پہاڑ ایک ایک نالے کا شمار تو نہیں رکھا جا سکتا. ہسپر کے پاس میں نے ایک فرانسیسی ٹریکر کو ریسکیو کیا تھا جو محض تفریحاً کنجوٹ سَر سَر کرنے کے چکروں میں گر کر ٹانگ تڑوا بیٹھا تھا.

دھوپ کا سنہرا پن سفیدی پر غالب آ گیا تھا. سنو گوگلز کی وجہ سے کھلی آنکھوں سے دیکھنے کی کوئی کوشش بے وقوفی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی کہ برف کی چمک آنکھوں کو نہ صرف چندھیاتی ہے ان کے خلیوں کے اندر داخل ہو کر بینائی کو شدید متاثر کرتی ہے. چار گھنٹوں کے بعد بڑے ریسٹ کا اعلان میرے لیئے صرف ایک یقین کا باعث تھی کہ لاش برف میں ہی دفنائی نہیں جائے گی. شَل ٹانگیں، دھونکنی سانس، پسینے کی آبشاریں اور اضمحلال کی شدید ترین حالت. یہ ریسٹ میرے لیئے حقیقتاً ایک نئی زندگی تھا. میں اپنے عزیز ترین مشغلے دھوپ میں لیٹنے کے بھرپور لطف کے لئے ڈھیر ہو گیا.

نرم یخ برف کے اوپر دھوپ ہولے سے میرے ہاتھوں، پیروں، گردن پر دستک دیتی مساموں میں داخل ہوئی اور ایک ناقابل فراموش مساج میں مشغول ہو گئی. میں دیر تک لیٹا یہ دھوپ ٹانک پیتا رہا کہ پینے کو اور کچھ نہیں تھا. پورٹروں نے البتہ ہمارے حال پر رحم

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کھاتے ہوئے برف پگھلا کر دنیا کی بہترین چائے تیار کی. یہ چاکلیٹوں کے فرحت بخش ذائقے کے ساتھ ایک ایک رگ میں داخل ہوکر نئی زندگی عطا کرتی تھی. میرے اسی دھوپ ٹانک نے البتہ تابوت میں وہ آخری کیل بھی ٹھونک دیا اور نیند کے بعد بیدار ہونے پر جو میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو کچھ سخت جلدی جھلیوں نے اپنے وجود کا احساس دلایا. ہونٹ تو باقاعدہ سُوج کر ایسی سخت جلد میں تبدیل ہو چکے تھے جن سے کپ یا گلاس ٹکراتا تو ایک زخم بن جاتا. 'سَن بَرن' نے آخر میرے چہرے پر اپنے ڈیرے ڈال دیئے تھے. ڈاکٹر تو جو پہلے مجھے ہلکی ہلکی تنبیہہ کرتا تھا میری حالت دیکھ کر ماتھے سے اکھڑ گیا اور وہ صلوٰتیں سنائیں کہ آگے ٹریک پر میں نے جب بھی دھوپ کا ہلکا سا بھی مزہ لینا ہوتا تو یہ اطمینان کر لیتا کہ ڈاکٹر کہیں پاس موجود نہ ہو. سنہرے رنگ کا پھبّن پورے ماحول کو اپنے اثر میں لیتا تھا. ساری برف گلرنگ دمکتی سنہری کرنوں میں رنگی سنہری ہوتی تھی اور سنہرے پن کے اس دمکتے کھیت میں صرف میں تھا جس کا رنگ سیاہ کالا تھا.

آدھا گھنٹہ ریسٹ کے بعد دوبارہ سفر شروع ہوا. دھوپ بہت شدید ہوگئی تھی اور عبدل کی ہدایت شدت سے یاد آرہی تھی کہ سنولیک پر عافیت دھوپ تیز ہونے سے پہلے نکل جانے میں ہے. ہم چونکہ صبح ہی لیٹ ہو گئے تھے اسلئے اب بے بسی سے برف میں دھنستے، نکلتے، گرتے پڑتے آگے چلتے تھے. سنولیک کا اختتام ہو چلا تھا اور دائیں سے آتا ''ہسم گانگ'' گلیشئر اس میں آکر مل رہا تھا یہ بھی ڈاکٹر کی اطلاع ہی تھی ورنہ دودھیا برف کی اس عظمت میں کسے معلوم تھا کہ نیچے اب گلیشئر ہے. خوش قسمتی سے ابھی تک کسی مہیب کریوس نے اپنے درشن نہیں کرائے تھے. ٹیم کا اضمحلال سے بہت برا حال تھا. یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوی کہ کرنل بھی شدید تھکن کا اظہار کرتا تھا ورنہ اس کی چال میں وہ یکسوئی ہوتی کہ اگر کہو تو سارا دن ایک منٹ کیلئے بھی نہ رُکے.

ویسے آج کچھ مختلف ضرور تھا کیونکہ پورٹر بھی وقفے وقفے سے رُکتے تھے. کرنل کی جادوئی گھڑی نے سنولیک کے بلندترین مقام 16100 فٹ کی خبر سنائی. سورج کی

حدّت اب تپش میں تبدیل ہو چکی تھی جو لحہ بہ لحہ بڑھتی جاتی تھی. یہ عجیب امر تھا کہ ہمارے قدموں تلے یخ بستہ برف تھی لیکن سر کے اور پر حدّت بڑھاتا سورج جواب باقاعدہ آگ برسانا شروع ہو گیا تھا. کرنل کی گھڑی نے بظاہر ناقابل یقین 35 ڈگری سینٹی گریڈ کا ہولناک عندیہ دیا. اب سمجھ میں آرہا تھا کہ پورٹر اور کمپنیاں سنولیک سے بدکتے کیوں تھے. سنولیک ایسی دورخی تلوار کنیا ہے جس کے وجود کی کوملتا آپ کو بہت دور سے اپنے مدہوش کن نینوں کے زیر اثر لے لیتی ہے. اس کے سنہری بدن سے اٹھتی شعاعیں آپ کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہیں. آپ بے خود ایک ٹرانس زدہ چال چلتے اس کی زلفوں کے قرب کی ہوس میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں. یہاں وہ کھیل شروع ہوتا ہے جس میں اس نے کوئی شرط رکھنی ہے نہ کوئی بازی کھیلتی ہے صرف آپ کو تڑپانا ہے. جتنا آپ اس کے قریب ہوں گے اتنی ہی وہ غیر محسوس طریقے سے پیچھے ہٹے گی اور راہ میں حائل کلفتوں کے دیو آپ سے سینگ لڑائیں گے. وجودی توانائی کے آخری قطرے کو نچوڑ کر جب آپ آخری مرحلہ طے کریں گے تو افسوسناک خبر منتظر ہوگی کہ وہ مہیلا تو گئی، غائب ہوگئی، ختم ہوگئی. یہ بھی کیا ''سچ' کے اس ہولناک سفر کا انت ہے جو طیر کے پرندے حیرت انگیز دہشت سے تکتے تھے. یہ شادابی کی کلیاں، یہ مسرتوں کی نوید، یہ جواں رہتی امید کیا صرف اسلئے ہے کہ آپ منزلوں کا اختتام اپنے ہی رُوپ میں دیکھیں. پتا نہیں کس کا سچ کہاں پوشیدہ ہے.

صوفی کا کنویں میں الٹا لٹک کر چلہ مکھوس میں.....

تبت کے لاما کا پندرہ ہزار فٹ پر ہمالیہ کے برف زاروں میں.....

مائیکل جیکسن کا سُر کی انتہا کو چھوتے لیٹس میک دِس ورلڈ آبیٹر پلیس کے وجدان میں گم ہوتے.....

افریقی شامان قبیلے کا آگ کے گرد رقص میں.....

کتے بلیاں کھاتے چینوں کے پاس یا کہیں تو ہوگا یہ سچ. اسوقت جو سچ تھا وہ سانسوں کی اس نازک ڈوری میں پوشیدہ تھا جو کسی خدائی معجزے کی منتظر تھی کہ یہ سفر کسی طرح ختم ہو اور اس کی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

روانی بحال ہو جائے. اس سنولیک اور اس کی ہولناکیوں کا سب سے دلچسپ حل ایک فرانسیسی نے نکالا تھا ''پیرے نیرتے'' نامی اس ٹریکر نے ہمارے روٹ کو متضاد رُخ سے کیا. درّے کی چڑھائی کے بعد اترائی پر سکیز پہنے ساری اترائی سکی اِنگ سے لطف اندوز ہوتا سنولیک عبور کر گیا. نہ صرف یہ کہ اس نے بہت فاصلہ مختصر وقت میں بغیر کسی خاص تردّد کے طے کر لیا بلکہ ان مہیب کریوسوں سے بھی محفوظ رہا جو قدموں تلے آ سکتی تھیں.

دینا کا خوبصورت ترین منظر کچھ نکتوں کی صورت دور دِکھتا تھا جو کہ پورٹروں کے گلیئشر پر ہی کیمپ آراستہ کرنے کی وجہ سے تھا. نیلے، نارنجی خیمے وہ وائٹ ہاوس تھے جہاں ہم مغززِ صدور کا استقبال کیا جاتا تھا. سب کی رفتار بڑھ گئی تھی لیکن میں سب سے اور سب مجھ سے تنگ تھے میں اپنی وہی فطری چال ڈھب ڈھب قدم مارتا تیز چلتا اور دس قدم کے بعد ہی ہانپنے لگ جاتا لیکن باقی نسبتاً آہستہ لیکن متواتر چال چلتے. رسے میں بندھے ہونے کی وجہ سے علیحدہ بھی نہیں ہوا جا سکتا تھا اسلیئے میں کوشش کے باوجود آگے ہو جاتا تھا. کیمپ جُوں جُوں نزدیک آتا جا رہا تھا توُں توُں ہمت میں اضافہ ہو رہا تھا. حالانکہ بالکل سامنے نظر آنا شروع ہو گیا تھا لیکن اس گوشۂ امان و عافیت تک پہنچنے میں مزید ایک گھنٹہ لگ گیا. پہاڑی و برفانی سفروں کے ٹریکر ہی اس دھیرے دھیرے اترتے سکون، اس جرعہ جرعہ اندر اترتی مے کے خمار کو سمجھ سکتے ہیں جو دن بھر کے جان گسل سفر کے بعد کیمپ میں ٹانگیں پسار کر لیٹنے سے وجود میں آتی ہے. مجھے یقیں کامل ہے کہ اگر سدھارتھ شہزادہ درخت کے نیچے ایک عرصہ بیٹھنے کی بجائے اسطرح کے برفانی سفر کے بعد خیمے میں کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کرتے تو ''نروان'' انہیں یہاں ہی مل جاتا. سامنے منہ اٹھائے کسی اونٹ کی گردن کے مشابہ 7000 میٹر اور بلند بیانتھا براک اور اس کے بائیں 'سکم لا' بھی دِکھتا تھا.

شیخ و ڈاکٹر ایک طویل لفظی جنگ کے بعد ایک درمیانی حل پر متفق ہو چکے تھے. قدرے بائیں ایک بل کھاتا سا راستہ ایک دم اوپر کو اٹھ رہا تھا جو کہ عبدل کے مطابق لُک پے لاء کو جاتا تھا. سنولیک کے مصائب نے جان ہلکان کر دی تھی لیکن جب اس جان کی

جانی میں چکن ملائی بوٹی کی گرما گرم خوراک گئی تو جان میں گویا جان آ گئی. کھانا کھانے کے بعد فرنی کے دورنے تو اس طعام کو پی سی کی سی متانت اور وقار عطا کر دیا.

شب کی آمد کے ساتھ ہی دبے پاؤں چاندنی بھی اپنے رنگ بکھیرتے آ گئی. حالانکہ چودھویں کا خمار تو نہیں تھا لیکن دودھیا نُور کا ایک سیلاب تھا جو سنولیک کی سفیدی میں مِل کر ایک منفرد چمک کا باعث بن رہا تھا حالانکہ سردی بدن چیرتی تھی لیکن اس منظر میں وہ جادو تھا کہ ہوش کی آواز سننے کا کوئی یارانہ نہ تھا. ایک عجیب بات تھی کہ چاندنی تو ایک ہی چاند کی تھی لیکن مجھے کئی چاند اور کثیر چاندنیاں جا بجا پھیلی نظر آتی تھیں. ان ''چاندنیوں'' نے مجھے پیچھے بہت پیچھے دھکیل دیا جب میں چھوٹا سا پانچ چھ سال کا ایک کھلنڈرا بچہ تھا. وہ ہستی جس کیلئے محبت اور شفقت کے تمام استعارے اپنی پہچان کھو دیتے ہیں، ''امی جان'' بہت عرصے تک میرا اسوقت کا معصوم سوال مجھے یاد کراتی رہیں. ان کے مطابق اسوقت میری آنکھوں میں ''جادیاں'' چمکتی تھیں. میرا حیران کن سوال تھا کہ جب میں 'جاد' ہوں تو ''جادیاں'' کسطرح ہو گئیں جس پر انہیں نے مجھے سینے کی ٹھنڈی مہربان آغوش میں لے کر کہا تھا کہ ایک آنکھ میں تو 'جاد' ہو گیا جب دونوں آنکھوں میں دیکھو تو ''جادیاں'' ہوں گی ..... محبت اور شفقت کے یہ بے قیمت موتی آپ کی یادوں کی زنبیل میں اسوقت چمکنے کیلئے ہوتے ہیں جب زندگی کے اندھیارے آپ کو تلخی کے اندھے غار میں دھکیل دیتے ہیں. ان موتیوں کی دمک کا موجب وہ گھنی چھاوں، وہ شفیق چادر جب سَر سے سرک جائے تو پھر احساس کے وہ خلیے نمو پاتے ہیں جو تپش محسوس کرتے ہیں، جن کو حدّت کاٹتی ہے اور انکشاف ہوتا ہے کہ دھوپ ہے اور آپ اکیلے ہیں. امی جان آپ جہاں کہیں بھی ہیں آپ کی وہ ہستی رکھوالی کرے گا جو آپ سے بھی ستر گنا زیادہ شفیق ہے، جو ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، کرم ہی کرم ہے، رحمت ہی رحمت ہے، محبت ہی محبت ہے .....اللہ میاں جی اپنی محبت کا ایک مظہر میری امی کو اپنی شفقت سے نوازیو.

پچھلے دن کے ہولناک تجربے سے سب ہی ہراساں تھے اسلیئے میرے دو بجے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

جگانے سے فوراً اٹھ گئے. ہڈیاں کاٹتی یخ بستگی کا تازہ منظر بوتل میں جما ہوا پانی تھا جو میں سرہانے رکھ کر سویا تھا. حد تو یہ ہے کہ بُوٹ کا تسمہ بھی کسی جاٹ کی گردن کی طرح اکڑا ہوا تھا. ہاتھوں کو جیکٹ کی جیبوں میں ٹھونس کر کچھ دیر کیلئے حدّت چرائی جاتی اور باہر اس مختصر سے عرصے میں جس میں وہ برف سے سُن سے ہو جاتے کوئی کام کرنے کی بظاہر نا کام کوشش کی جاتی. تمامتر جلدی کے باوجود ساڑھے تین سے پہلے روانگی ممکن نہ ہو سکی. گذشتہ شب جیسا ہی کا سماں تھا. رات کی سیاہی کو کاٹتی دودھیا چاندنی، برف کی عظمت اور پہاڑوں کی ہیبت کا مکمل سکوت. ہم جو چلے تو اگلے چالیس منٹ چلتے ہی گئے کہ سب ڈاکٹر کی آواز کے منتظر تھے. ڈاکٹر خلاف معمول خاموش چلتا رہا لیکن اکتالیسواں منٹ پہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا. درشت لہجے میں پیچھے سے اس کی تیز آواز آئی

''کچھ شرم کرو، میرے کہے بغیر بھی ریسٹ کر لو''

ڈاکٹر کے معصومانہ شکوے نے سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی.

چڑھائی کچھ خاص نہیں تھی، نسبتاً ہموار ہی راستہ تھا جس کے نیچے کچھ علم نہیں تھا کب کوئی کریوس آ جائے. ویسے اس 'کیرابینر' ٹک اور رسے نے بڑی بے خوفی اور جرات عطا کر دی تھی. سہارے بھی زندگی میں کتنے بڑے سرمایے ہوتے ہیں.

ہمارے بالکل پیچھے 'ہسپر لاء' دور بہت واضح نظر آتا تھا اور سامنے اونچائی پر بھی ایک درّہ دِکھتا تھا. سورج اسی مخصوص کھلنڈرے پن سے شرارتیں کرتا تھا. کرنیں کبھی تو چوٹیوں کو عریاں کرتیں کبھی ایکدم ان کے دامن میں ایک شرارہ سا چھوڑ دیتیں. چاندنی کا مدھم ہونا اور سحر کی آمد ڈاکٹر کی فوٹو گرافک حسیات کو مخصوص ٹانک پلاتی تھیں جس کا انعام ہمیں ہر پانچ منٹ بعد ''رکو بھئی'' کی شیریں آواز سے ملتا. اسوقت چلنے میں بہت فرحت اور تازگی تھی. برف سخت تھی اور پاؤں کسی دقت اور دھنسے بغیر جمتا تھا. موسم بھی سورج کی آمد کے ساتھ خوبصورت ہو گیا تھا اور گودا جماتی ہواؤں کی بجائے معتدل پُروا ہمارے مَن کو انبساط کی انوکھی نوید دیتی تھی. ہمیں چلے تین گھنٹے ہو چلے تھے جب عبدل نے رُک کر

ہماری طرف منہ کیا اور بالکل استاد کی طرف سوال کیا ''یہ اوپر کونسا درّہ ہے؟''

میرے اور کرنل کیلئے تو ظاہر ہے یہ ایک 'یونانی' سوال تھا لیکن شیخ و ڈاکٹر میں بحث چھڑ گئی. مختلف ناموں پر اختلاف تھا لیکن عبدل کے حتمی جواب نے تو انہیں بھی حیرت زدہ کر دیا ''یہی لُک پے لاء ہے.''

ہیں! یہی ہے لُک پے لاء.....

یہی ہے وہ سامان تسخیر جس کیلئے ہم سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھے ہیں.

یہی ہے دمکتا زمرد جس کو اپنی آنکھوں میں بسانے کیلئے یہاں تک پہنچ گئے.

یہی ہے وہ تختِ طاؤس جس پر بیٹھ کر ہمارے آگے آسودگی اور راحت کی پریاں سَر جھکائیں گی.

رگوں میں سنسنی اور بدن میں جھرجھری سی آ گی. سکوت کی اتھاہ گہرائیوں میں سب کچھ دیر مبہوت کھڑے رہے.

دوبارہ چلے تو سب خاموش تھے. ہم نے درّے کے دامن میں کیمپ کرنا تھا جو سامنے ہی نظر پڑتا تھا. دائیں ایک اور درّہ نظر پڑتا تھا جس کی اترائی بالکل عمودی 180 کے زاویے پر تھی. عبدل نے بتایا کہ یہ ''سکم لاء'' ہے جس کا ایک ٹریک بالتورو جاتے ہوئے 'جھولا پل' سے جاتا ہے. یہاں سے اترائی ''ٹیکنیکل'' ہے جو رسوں کا جما کر ہکوں کو کوہ پیمائی کی طرح جماتے بہت احتیاط اور اس سے بھی زیادہ جسمانی و ذہنی طاقت میں پوشیدہ ہے. ثابت ایک ولندیزی ٹیم کے ساتھ یہ انتہائی جان جوکھوں والا ٹریک کر چکا تھا. دو تین بہت بڑی کریوس کو ہم نے دائیں سے عبور کیا. یہ کریوس خیر خوفناک ہونے کے علاوہ مصوّری کا ایک انتہائی اعلیٰ نمونہ بھی تھیں. ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی سنگ تراش نے نہایت مہارت سے تراش کر ان پر برف کی چادر ڈال دی ہے. تھوڑی سی اونچائی آئی جس کے بعد کیمپ سویٹ کیمپ. آج ہم کچھ خاص نہیں چلے تھے اور اونچائی بھی کوئی بہت زیادہ نہیں تھی، سترہ ہزار فٹ، اسلئے سب تازہ دم تھے. پیچھے سنولیک ہونٹوں کا کونہ دانت میں دباتی حیا سے لال

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ولال ہو رہی تھی کیونکہ کو ملتا وحسن کے اس پیکر پر سورج کے کھردرے مردانہ ہاتھ پڑتے تھے. سنولیک کہیں اپنی زلفوں کو جھٹکتی، کبھی آنچل سنبھالتی اپنے دودھیا جسم کو اس سنہرے دیو سے بچانے کی کوشش میں مصروف تھی لیکن آخر کب تک. اس کے بدن کے انگ ایسے رنگ سے جلوہ افروز ہو رہے تھے کہ میں حیران تھا اس چمکتے بدن کی دمک سے یہاں آنے والے اب تک تقریباً تین سو کے قریب ٹریکر ہیجان خیز جذبوں کے اسیر ہو کر دوبارہ آزاد کس طرح ہوے ہونگے. اس اسیری میں لذت تھی، ان بیڑیوں میں بے خودی تھی، ان زنجیروں میں نشے کے سندیسے تھے. اس اسیری کیلئے ہی تو ہم اپنی بے کار مشینی آزادیوں کا سودا کر کے یہاں اپنے آپ کو نیلام کرنے آئے تھے. سنولیک کا بدن اسی طرح جاذبیت بکھیرتا، معصومیت کی پُر واا ڑاتا پرت در پرت بے لباس ہوتا رہا اور ہم بے خودی کے خمار میں اس طلسم کے اسیر ہوتے رہے، نیلام ہوتے ہی رہے..... ہے کوئی اور خریدار؟؟؟؟

برف زاروں میں چاندنی ملکہ

میں سر جھکائے کھڑا تھا، پیشانی پہ عرقِ ندامت تھا اور پورے وجود پہ شرمندگی کے پہاڑ ٹوٹے ہوے تھے.....

ڈاکٹر کے خیمے میں عدالت لگی ہوئی تھی. جرم واقعی سنگین تھا، شیخ و کرنل رحم بھری نظروں سے مجھے تکتے تھے اور جج ڈاکٹر پھنکاریں مار رہا تھا

میں خود حیران تھا کہ آخر اتنے بہیمانہ جرم کا ارتکاب کرنے سے پہلے میں نے صرف ایک لمحے کیلئے سوچا کیوں نہیں؟؟ کیوں میرے عقل پہ دبیز پردے پڑ گئے تھے.....

''یہاں آنے والے کسی گورے نے بھی یہ قبیح حرکت نہیں کی، تم نے دیسی ہونے کے باوجود ایسے عمل کا سوچا بھی کیسے؟'' ڈاکٹر کی زبان سے شعلے نکل رہے تھے غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں چنگاریاں اُڑ رہی تھیں.....

''میں دراصل'' میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا بہانہ تراشوں. آخر میں ایک فیصلے پر پہنچ کر میں نے شرمندہ آنکھیں اوپر کیں اور جج ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

''بے شک یہ جرم لاعلمی میں ہوا، اس کے بارے میں تم نے کوئی پیشگی اطلاع بھی نہیں دی تھی لیکن مردانگی یہی ہے کہ میں اس کو مانتا ہوں اور اپنے آپ کو سزا کیلئے پیش کرتا ہوں۔'' میرا لہجہ اٹل اور آواز میں بے خوفی تھی۔

''تو پھر، کیوں جی، کیا سزا دی جائے اس کی'' ڈاکٹر اسطرح اقبالِ جرم اور سزا کی پیشکش سے بوکھلا سا گیا اور جیوری شیخ وکرنل سے مخاطب ہوا۔

جیوری نے آپس میں کچھ کھسر پھسر کی، صلاح مشورہ کیا اور گلا کھنکار کر شیخ گویا ہوا۔

''بے شک جرم بڑا ہے لیکن ملکی اور شرعی قانون کے مطابق لاعلمی کی رعایت دے کر معافی دے دی جائے'' شرعی کے ع کو شیخ نے پتا نہیں کس رگ سے ایک خاص عیانہ تلفظ سے نکالتے ہوئے کہا۔

معافی! اور وہ بھی اس جرم میں'' ڈاکٹر کہ آخر ایک جاٹ تھا، معافی کے لفظ سے نا آشنا تھا۔

جی، معافی! یہ جیوری کا فیصلہ ہے، باقی آپ جج ہو۔'' شیخ کے الفاظ میں میرے لئے ڈھارس بھری امید تھی۔

ڈاکٹر کچھ دیر سر نیچے کئے سوچ میں رہا اور فیصلہ سنانے کیلئے چہرہ اوپر کیا جس پر شکست اور بے چارگی تھی.....

''ٹھیک ہے۔ اس دفعہ، صرف اس دفعہ معافی، اگر آئندہ کبھی یہ حرکت کی تو وہیں گڑھا کھود کر دفن کردوں گا۔''

''یہ بات ہوی نا'' میں نے سرمستی سے نعرہ لگایا اور فرطِ مسرّت میں شیخ کو چُوم ڈالا جس کا خمیازہ ہونٹوں کو داڑھی کے نوکیلے بالوں سے زخمی کرا کے بہت بری طرح بھگتا۔

میں نے واقعی بہت گری ہوی حرکت کی تھی۔ سوچ رہا تھا کہ کسی کو پتا نہیں چلے گا، کوئی نوٹس نہیں لے گا لیکن کمبخت ڈاکٹر کی نظر تھی کہ تیر کہ اگلی صبح دیکھتے ہی کمان سے نکل گیا اور سیدھا وجود میں پیوست ہو گیا کیونکہ میں نے ''شیو'' جیسی عظیم حماقت کر لی تھی۔ اپنے تئیں تو میں نے سنولیک کی دید کے خمار میں ذرا اپنے آپ کو سنوارنے کی سعی کی تھی لیکن اس ''قبیح''

حرکت سے میں ڈاکٹر کی نظروں سے میں بالکل گر گیا تھا۔ اس کے جہاں دیدہ بلکہ برف دیدہ تجربے کا نچوڑ تھا کہ فطرت میں فطری پن سے رہا جائے، چہرے پر، بالوں میں، آنکھوں میں وحشتیں ہوں۔ وہ تو بنیان تک تبدیل کرنے کا روادار نہ تھا کہ پہاڑوں میں برفوں میں اٹا پسینہ اس کیلئے وہ مہک تھی جس کیلئے وہ بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار تھا اسطرح کے حالات میں اگر میں نے شیو جیسا عظیم جرم کیا تھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگنا ایک فطری امر تھا۔ میں نے بھی صدقِ دل سے ڈاکٹر سے معافی مانگی اور تندہی سے وہ کرچیاں اکٹھی کرنے لگ گیا جو میری اس ''انسانیت'' سے گری حرکت کی وجہ سے اُس کے آبگینہ دل کے ٹوٹ جانے سے بکھر گئی تھیں۔

میں اپنی جگہ حق بجانب تھا۔ صبح ہی سے برف باری کا متواتر سلسلہ جاری تھا اسلئے روانگی ملتوی کر دی گئی تھی۔ کارفوگور کے پتھروں پر ایستادہ نیلے، نارنجی خیموں سے مزیّن ہمارا کیمپ برف کی چادر اوڑھ چکا تھا۔ وہ جو نیلونیل جھیلوں کے جزیرے اس سمندر پر کل آنکھوں میں کھُبتے تھے، مکمل طور پر سفید ہو چکے تھے۔ ان کی نیلاہٹ کا بس شائبہ ہی رہ گیا تھا۔ پورٹر وقفے وقفے سے ہمارے خیموں پر آئی برف کو جھاڑتے تھے کہ ہم بھی برف میں قید ہو کر ایک یاد ہی نہ رہ جائیں۔ میں بہت دیر سے اٹھا تھا کہ میری آنکھوں میں ابھی تک وہ جھلملاہٹ تھی جس نے گذشتہ شب میرے وجود اور روح کو اپنے نور سے منوّر کر دیا تھا۔ پپوٹے بوجھل تھے کہ جو کچھ ظہور پذیر ہو چکا تھا اس کے تصور کی ہیجان خیز مسرّت کا بوجھ تھا جو ان سے اٹھائے نہ اٹھتا تھا۔ ایک ترنگ تھی، نشہ تھا، سوئیاں چبھوتی ایک بخار آلود یاد تھی۔ کل شب سب کچھ نارمل تھا، ڈاکٹر کے خیمے میں کھانا اور محفل ہوئی تھی جس کے بعد جب میں باہر آیا تو یکا یک روشنیوں میں نہا گیا، میرے وجود کا ایک ایک تار ایک ایک پوران بے انت شعاعوں سے منوّر ہو گیا جو آکاش سے دھرتی تک ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوی تھیں۔ میں بھول گیا تھا کہ آج چاند کی ''چودھویں'' ہے۔

دنیا سے پرے مشینوں سے دور منجمد برفوں میں بیافو گلیئشر پر اس کوری کنواری

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

چاندنی نے میرے قدم بھی منجمد کر دیئے. بھرپور سکوت آور ماحول میں تاروں کا ایک سیلاب تھا جن میں سے چھن چھن کر چاندنی کا نور پھیل رہا تھا. چاندنی کی لطیف شعائیں چوٹیوں پر پڑتیں تو ان کی ہیبت چاندنی کی نرماہٹ سے پگھل پگھل جاتیں. وہ اپنا کرّ وفر بصد شوق اس نور کے قدموں میں ڈھیر کر دیتیں. چوٹیوں کی وجاہت کو پگھلا کر یہ نور بڑی آہستگی سے نیچے قدم رکھتا کہ اس نے اپنی تابانی ایکدم ہی نہیں پھیلا دینی تھی. اس کے قدم گوری کے قدم تھے جن کی نزاکت، جن کی دلربائی نے وہاں وہاں حسن وادا کے جلوے بکھیرنے تھے جہاں جہاں اس کی پائل نے چھم چھم کرنا تھا. اس نے اپنے نینوں کے تیر ایسے ہی ہر جگہ نہیں چلا دینے تھے، دیکھ بھال کر اپنے نشانے منتخب کرنے تھے کہ اس کا رزار سے کوئی گھاؤ کے بغیر نہ جا سکے. نور چوٹیوں سے پھسلتا، پہاڑی برفوں کو جرعہ جرعہ اپنی جلوۂ سے پلاتا، نفاست سے نیچے اترتا تھا. وہ پہاڑیاں جو اپنے ضخیم پھیلاؤ، عظیم اونچائیوں اور موٹی برف کی تہوں کے باوجود یکسانیت کا شکار دِکھتی تھیں اب ایسی شہزادیوں کا رُوپ دھار رہی تھیں جو شبِ عروس گھونگھٹ اٹھائے وداع کی منتظر ہوں. چاند ایک زرد تھال تھا جس میں سے دودھیا اور زرد دھاروں کا ایک پھیلاوتھا جس نے پورے ماحول کو اپنے سحر میں لیا ہوا تھا. زرد شعاؤں کے سیلاب نے دودھیا برفوں میں مدغم ہو کر رنگوں کی ایک پچکاری چھوڑ دی تھی. حالانکہ اصولاً دو ہی رنگ زرد اور سفید ہونے چاہیئے تھے لیکن پتا نہیں یہ سراب تھا کہ مجھے تو لال گلال، نیلا پیلا، نارنجی، ہر رنگ کی شعائیں پھوٹتی نظر آ رہی تھیں. یہ یقیناً سراب تھا کیونکہ برف باری کے بعد شام کو رنگوں کا ایک گلدستہ قوسِ قزح کی صورت میں نمودار ہوا تو تھا لیکن کیا وہ ابھی تک سلامت تھا؟ کیا اس کے رنگ صرف اس انتظار میں معدوم نہیں ہوئے تھے کہ آج چاندنی ملکہ نے اپنا درشن کرانا تھا اور ان رنگوں نے اس کے آگے اپنا رقص نچھاور کرنا تھا؟؟؟

کچھ تو تھا، سراب تھا یا یقین تھا لیکن جو کچھ بھی تھا اس لمحہء موجود میں تھا اور صرف میرے لئے تھا کہ برف زاروں کے طلسم صرف اس طرح کے لمحوں کے بھید ہوتے ہیں جو

اِدھر کا رخ کرنے والے بنجاروں کا خاص انعام ہوتے ہیں. وقت تھم چکا تھا اور وہ لمحہ جامد تھا. میری آنکھوں کی پتلیاں سلگنے لگیں اور پھر الاؤ کی صورت بھڑکنے لگیں. آدم کے زمانوں سے لمحہ موجود تک یہ لمحہ صرف اس لئے محفوظ گھا کہ اس نے اب ''ہو جانا'' تھا. غیب سے نمودار ہو کر آہستگی سے پرماتی ایک پری نے ایک چکر سا کاٹا اور ہولے سے سنولیک کے وسط میں آ کر اتر گئی. اس کی آنکھوں میں ہیرے تھے جن کی دمک سے پورا ماحول خیرہ تھا، اس کے لبوں پر شادابی کی کونپلیں بسیرا کرتی تھیں. اس کے ہاتھ سفید گلابوں کا گلدستہ تھے، اس کے انگ انگ سے شرارے پھوٹ رہے تھے.

وقت ساکت تھا.....

یہ اکیلی نہیں آئی تھی، ایک ایک کر کے اترتی پریوں کا ایک میلہ تھا جو وہاں سج رہا تھا. خود بخود ایک دائرے کی شکل بناتی یہ پریاں کسی کی منتظر تھیں. جوں جوں یہ تعداد میں بڑھ رہی تھیں توں توں چاندنی بھی بڑھ رہی تھی. حالانکہ وہ خود سراپا نور تھیں، برف پر موتیوں، ہیروں کی ایک بہار آئی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود ایک مکمل سکوت تھا. آواز اور صوت زمانے سے ختم ہو چکے تھے صرف بصارت کا راج تھا. پریوں کا دائرہ مکمل ہو چکا تھا، نجانے آگے کیا ہونا تھا. یکا یک سات رنگوں کا ایک شرارہ پھوٹا اور اس میں سے ایک تخت نمودار ہوا. اس تخت پر دودھیا سفید لباس میں ملبوس سر پر تاج سجائے ایک ملکہ بیٹھی تھی. تخت اس دائرے کے عین وسط میں آ کر اتر گیا. پریوں نے تعظیماً اپنے سر جھکا لئے جس سے ان کی ریشمی زلفوں کا برف پر ایک جال سا پھیل گیا. تمکنت سے بیٹھی ملکہ نور کی ملکہ تھی، چاندنی ملکہ تھی کہ جس سے شعائیں پھوٹ رہی تھیں، رنگ پھوٹ رہے تھے. یہ شعائیں گلیشئر میں گھستی اس کا ایک ایک عضو عریاں کرتی پہاڑوں کا رخ کرتیں اور ان میں چھید کرتی جاتیں. ملکہ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اذن کیا دیا کہ صوت پھر سے زمانے میں لوٹ آیا

شُوں شُوں کرتی ایک پھلجڑی پھوٹی اور ایک کونے کو منوّر کر گئی

ایسی ہی ایک دوسرے کونے میں سلگی اور پھر چاروں کونوں میں گویا آگ سی لگ گئی.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کونوں پر تو یہ مشعلیں ایستادہ ہوگئیں. اوپر آسمان پر آتش بازی کا ایک سیلاب آ گیا تھا. نارنجی، سرخ، نیلو نیل آتش بازیاں چھوٹ رہی تھیں. پریوں نے آہستگی سے سر اٹھائے اور کمال مہارت سے ایک رقص شروع کر دیا. ان کی کمر کی لچک رقص کے نرت بھاؤ میں ڈھل کر نسوانی ادا کو ایک ملکوتی حسن عطا کر رہی تھی. ملکہ کے اردگرد یہ رقص مکمل جاذبیت اور حد درجہ ترتیب سے جاری تھا. اوپر آتش بازی کی برسات تھی، نیچے حسن کا راج تھا. ماحول کے فسوں کا سحر مجھے بھی جکڑے ہوئے تھا. کچھ معلوم نہیں کیسے سحر زدہ سے میرے قدم اٹھے اور ملکہ کی جانب بڑھنے لگے. جیسے جیسے میں اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا. ویسے ویسے پاؤں کی پوروں سے لے کر سر کے بالوں تک جسم میں ایک تپش پھیل رہی تھی، بھانبھڑ سلگ رہے تھے.

ملکہ کی نظریں مجھ پر مرکوز تھیں اور ان آنکھوں میں بھی الاؤ روشن تھے. گلیئر پر منجمد برفوں میں میرا پور پور پسینے میں ڈوبا ہوا تھا، ایک آگ تھی جس نے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا.....

یہ کچھ قدموں کا فاصلہ ایک آگ کا دریا تھا جو مجھے عبور کرنا تھا، جلتے کوئلوں کا ایک انبوہ تھا جو ننگے پیر ٹاپنا تھا.....

ملکہ یقیناً کوئی ناری مخلوق تھی کہ جس کے حسن و شباب کی آتش سے خاکی صرف بھسم ہونے کیلئے قریب آتے تھے.....

لیکن میں جو کہ ان برف زاروں کے طلسم جان چکا تھا، زماں و مکاں کی زنجیروں کو توڑ چکا تھا، وقت کی طنابیں کھینچ چکا تھا، بڑھا تو بڑھتا ہی چلا گیا. پریوں نے رقص روک کر بڑی شائستگی سے میرے لئے راستہ چھوڑ دیا تھا. قدم قدم میں ملکہ کے قریب ہوتا گیا، قدم قدم میرے وجود کی ہڈیاں، گوشت، شریانیں، اعضاء پگھل پگھل کر قطروں کی ایک لکیر بنا رہے تھے.

جب میں اس کے بالکل سامنے پہنچا تو میرا وجود فنا ہو چکا تھا، صرف ایک ہیولا تھا جس میں میری روح تڑپتی تھی. ملکہ کہ خود اس دنیا سے ماوراء تھی میری روح کو بخوبی پہچانتی تھی. اس

کے ہونٹ ذرا سے وا ہوئے، آہستگی سے وہ تخت سے اٹھی اور بنا کسی جھجھک کے سیدھا میری باہوں میں آ کر لپٹ گئی. بس یہی وہ لمحہ، وہی لمحہ موجود کہ جب وقت کو روک دیا گیا تھا، زماں و مکاں کی طنابیں کھینچ دی گئی تھیں، یہ سب اس لمحے کے ''اِس'' انجام کے منتظر تھے.

آگ کے شراروں کی جگہ روئی کے گالوں نے لے لی، تپش قدموں تلے آتی پوتر شبنم کے قطروں میں ڈھل گئی، روشن الاؤ کی بجائے نرم قطروں کی ایک برسات تھی جو میرے دوبارہ سے مجتمع اعضاء پر پڑتی مجھے خوشیوں کے ایک ہیجان سے متعارف کروا رہی تھی.....

وقت دوبارہ چل پڑا تھا.....

میں حقیقی دنیا میں لوٹ آیا جہاں نور تھا، روشنی تھی، چاندنی میں نچڑی ہوئی منجمد رات تھی مگر چاندنی ملکہ وداع ہو چکی تھی، پریاں واپس اپنے آشیانوں کو اُڑ چکی تھیں، آتش بازی تھم چکی تھی.....

کسے معلوم تھا کہ وہاں منجمد برفوں میں گلِ لالہ کی بہار آئی تھی.....

کسے معلوم تھا کہ سنولیک پہ چاند کی چودھویں کو پریاں اترتی ہیں، چاندنی ملکہ کا تخت سجتا ہے اور ایک ملکوتی رقص ہوتا ہے.....

حیاتی کی اگلی راتوں میں حالانکہ بہت مہک ہوگی، بارہا تازگی ہوگی، دلربائی ہوگی مگر ..... تم نہیں ہوگی

کسے معلوم تھا.....

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

گولی پوکیزہ۔لُک پے لاء

سیانے بالکل ٹھیک کہتے تھے جن کی باتوں کو میرے جیسے جاہل نے نظر انداز کر دیا تھا اور اب بیٹھا اپنے مقدر کو روتا تھا

سیانوں نے کہا تھا کہ کسی بھی دل جکڑ لینے والا منظر کو زیادہ نہ دیکھنا کہ یہ جادو ٹونے سے بھرپور ہوتے ہیں. میں کہ ازل سے جلووں کا پجاری اس یدھ کا سوئمبر جیتنے کیلئے چلا تھا جو میرے اور فراز کے درمیان برپا تھا. کیسے اس نے کہہ دیا تھا. کہ ''شہر حسن میں جلووں کی قحط سالی ہے.'' اس کی یہ جرات کہ اس شہزادی سنولیک کے ہوتے ہوے وہ ایسی گستاخی کر سکے. دل میں کدورت بھرا غصہ بھرے آج ساڑھے تین بجے چلا تھا تو یہی ٹھانی تھی کہ ہر قدم پر رکوں گا، شہزادی کے درشن کے دیپ سے اپنے دل کے چراغ جلاوں گا اور جب وہ چراغ الاد کی صورت بھڑکیں گے تو فراز کو اس شعر کے ساتھ اس آتش میں بھسم کر دوں گا. درّہ اوپر بہت اوپر دِکھتا تھا. عبدل اپنی مہارت کا بھرپور استعمال کرتا کبھی سٹک کو آگے مارنے کے باوجود ذرا زور سے اٹھا کے قدم رکھتا. کبھی چڑھتے ہوے ایکدم راستہ

تبدیل کر کے کسی اور سمت سے چڑھنا شروع کر دیتا. رسے سے بندھے ہم سر کے گرد لپیٹی سپاٹ ٹارچیں آن کیئے غلاموں کی طرح اس کی پیروی کرتے تھے. آج چونکہ چڑھائی ہی چڑھائی تھی اسلئے پہلے قدم سے ہی سانس چڑھنا شروع ہو گیا تھا. چاندنی کی مناسب مقدار ہمارے کچھ آگے اور زیادہ پیچھے جواہرات کی زرد دمک کو سفید برف میں گھائل کرتی تھی. میں اپنے اس چیلنج کے تمرد میں پیچھے دیکھنے سے احتراز کرتا کہ اسوقت ایک آخری نظر ڈالوں گا جب یہ شہزادی اپنا گھونگھٹ ڈال کر رخ روشن کو ہمیشہ کیلئے پوشیدہ کرنے والی ہو گی. ایک گھنٹے کے ہانپتے سفر کے بعد ڈاکٹر کی آواز نے مجھے چونکا دیا کہ ''لو جی، دیکھ لو، اس کے بعد سنولیک نظر نہیں آئے گی''. بے اختیار ہو کر میں پیچھے دیکھا تو بس جکڑا گیا.....

سیانوں کی بات کا کہا نہ مان کر نقصان اٹھا گیا.....

شہزادی سنولیک نے سفید لباس اوڑھا ہوا تھا جس پر چاندنی کے جواہر کی کشیدہ کاری تھی. سفید شعاؤں کا ایک سیلاب تھا جس کا پانی ابل کر اطراف پہاڑوں تک چلا گیا تھا. نور کی ایک چادر تھی جو حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی تھی. میں نے جو آنکھ بھر کر دیکھا تو بس تکتا ہی رہ گیا اور یہی غلطی مجھ سے سرزد ہو گئی. وہاں واقعی منتر تھے ٹونا تھا آنکھوں میں لرزتے مناظر تھے جو تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے. کہاں وہ سنولیک شہزادی تھی کہاں اب دیہاتی الہڑ مٹیار تھی جو گندم کے کھیتوں میں بھاگتی دوڑتی تھی. اس کی زلفوں کا ریشم گندم کی کچی بالیوں پر پڑتا گندم کو سونا بناتا تھا. میں کون اور اس مٹیار کے پھبن بیان کرنے والا میرا اظہار کون. انصاف ہے صرف مرشد کے تاریخ ساز ناول 'خس و خاشاک زمانے' کا ایک اقتباس جو پیشِ نظر ہے.

تو دودھ بلوتے ہوے چاٹی میں نہ جھانکا کر
تیرے سانس سے سفید مکھن سنہری ہو جاتا ہے
تو گلی میں نہ نکلا کر
کچی دیواریں تجھے چھونے کی آرزو میں ڈھیر ہو جاتی ہیں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

گندم کے ہرے کھیتوں میں نہ چلا کر
تیرے بدن کی حدت سے گندم کے کچے دانے پک جائیں گے
تیرے رنگ روپ کے انگارے
حجرے میں چلّہ کاٹتے درویش کو بھی جلا کر راکھ کر دیتے ہیں

حجرے میں تو نہیں البتہ دیوانگی کا چلّہ کاٹتے ہمارے درویش شیخ کی کانوں کی لوئیں تک حدت آلود تھیں. کافی دیر کے بعد جب میں نہ ہلا تو کرنل کو آ کر مجھے جھنجھوڑ کر ہوش کی دنیا میں واپس لانا پڑا. خدا حافظ سنو لیک کہ تُو نے آئندہ حیاتی کے اندھیاروں میں ہمیشہ چراغاں کرنا تھا.

خدا حافظ شہزادی! تیرے رُوپ کی دمک کا سایہ عمر بھر کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک رہے گا.....
الوداع اے نور کی ملکہ! تیری یاد کے ستارے ابد تک شعور کے نقش پر جھلملاتے رہیں گے.....

چاند ابھی تک نکلا ہوا تھا. حالانکہ سحر ہو چلی تھی لیکن چاندنی کا شباب تھا کہ ڈھل ہی نہیں رہا تھا. بائیں دو تین بہت ہی بڑی کریوس تھیں جن کے سائے سے بھی محفوظ رہنے کیلئے عبدل نے ہمیں کافی دائیں کو چلایا تھا. یہ کریوس خطرناک تو تھیں لیکن ان کا منظر بہت دلفریب تھا. اندمنجمد نیلا پانی، ایک یکساں زاویے سے باہر کو نکلے ہوئے بڑے بڑے برف کے تودے اور اوپر نیچے آتے اس کے پیچ وخم. ڈاکٹر کی فوٹو گرافانہ حرص دور سے پوری نہیں ہوئی تھی لیکن عبدل نے قریب جانے سے سختی سے منع کر دیا تھا. دلچسپ بات یہ تھی کہ مناظر تو یہ ڈاکٹر بڑے کمال زاویوں سے کھینچتا تھا لیکن جب خود تصویر کھنچواتا تھا تو چہرے پہ ایسی درشتگی ہوتی تھی جیسے کوئی اصیل مرغ اپنی سلطنت میں زیرنگیں کسی مرغی کو کسی دوسرے مرغ کے ساتھ محبت بڑھاتے دیکھ کر غصے میں پھنکتا ہو. شیخ کے چہرے پہ بھی زیادہ وقت ایک متشرع سنجیدگی رہتی کہ ذرا مسکرانے پر اسے محلّے کا مولوی یاد آتا جس نے مسکرانے اور ہنسنے سے دوزخ کے گرزوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں میں بڑھنا بتایا تھا. سب سے منفرد

مسکراہٹ عبدل کی تھی جس میں ایک خاص شرمیلا پن تھا، دھیما پن تھا، زندگی کا حسین رنگ تھا.

سانس اب بہت چڑھتا تھا اور ٹانگوں کی توانائی پہلے سے دگنی لگتی تھی یہ پہلا موقعہ تھا کہ چڑھائی اور صرف چڑھائی تھی، وہ بھی کسی ذرا سی بھی ہموار جگہ سے عاری. چاند ابھی تک نکلا ہوا تھا. سورج نے آہستہ سے ایک چوٹی کے پیچھے سے سر نکال کر ہمیں شوخی سے دیکھا تھا. پیچھے نیچے اترائی پر چاند اور چاندنی اوپر لال گلال ہوتی چوٹیوں پر نکلتا سورج. ایک ہی مقام پر دونوں کو اپنی تاب بکھیرتے دیکھنا ایک کرشمہ تھا جو بغیر کسی جادو کے ہو رہا تھا. ڈاکٹر کی بے قراری عروج پر تھی. بسیار کوشش کے باوجود سورج اور چاند کو ایک ہی تصویر میں لینے سے قاصر تھا کہ فاصلہ بہت زیادہ تھا جس کا حل اس نے دونوں ہاتھوں میں دو کیمرے پکڑ کر ایک ہی زاویے سے دونوں کی علیحدہ علیحدہ تصویر لے کر نکالا. اس کے مطابق آج کے سائنسی دور میں اگر بش کے دھڑ پر اسامہ کا فوٹو لگایا جا سکتا ہے تو چاند اور سورج ایک کیوں نہیں ہو سکتے. برف کے دودھیا سمندر میں ہمارے علاوہ واحد جاندار پورٹروں کی دور سے آتی لکیر تھی جو اپنی شوخ جیکٹوں کی وجہ سے زرق برق لباس میں ملبوس وہ تیکھی سہیلیاں لگتیں جو بارات کے انتظار میں کھڑی ہوں. چڑھائی کچھ زیادہ ہی عمودی ہو گئی تھی. ڈاکٹر کا سہانا 'رکو بھئی'' وہ شہد آگہیں رس تھا جس کیلئے ہر قدم منتظر رہتے. سر نیچے کئے پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے سانس لیتے، ٹانگوں کو بمشکل اگلے قدم کیلئے اٹھاتے، گلے میں کانٹے چبھتے محسوس کرتے ماحول میں اگر کوئی نمایاں آواز تھی تو صرف دھپ دھپ کی. دو گھنٹے ہو چلے تھے، سورج سے ہار مان کر چاند چھپ جانے کو ہی تھا کہ ایکدم دور بہت دور سے ایک چوٹی نے اسطرح رونمائی کرائی جیسے بالکل اچانک کوئی حسین سراپا آپ کے سامنے آ جائے. رفتار تھوڑی بڑھ گئی کہ ہر چڑھتے فٹ کے ساتھ چوٹیوں کا ایک لشکر تھا جو دھیرے دھیرے اپنی فصلیں درست کر رہا تھا. اونچی چوٹی کی شان اور اس کے رُوپ کے انگارے آس پاس چھوٹی چوٹیوں کو اپنی حدت سے پگھلاتے تھے. دائیں سے لاٹوک ایک دفعہ پھر نمودار

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ہوگئی تھی. جس کی تقریباً ہمسائیگی میں بیانتھا براک یا اوگرا بھی .... درّہ بہت نزدیک آ گیا تھا.

سورج کی لالی چوٹیوں کی برف پر پڑ کر انہیں سونے میں پگھلا رہی تھی. ایک ناقابل یقین جنت ہماری آنکھوں کے سامنے وا ہو رہی تھی. یہ دمک، یہ چمک، یہ اُنگ، یہ دلفریب تصویر، یہ دنیاؤں سے ماورا فطرت کی حسین ترین صناعی. اس لمحے صرف اسلئے تھی کہ ہم تھے اور وہ تھی. کُن سے لے کر اس وقت تک یہ اسلئے پوشیدہ تھی کہ صرف ہم تھے جنہوں نے اس کی راہ میں پلکیں بچھاتے آنا تھا، اس کے ذوق کا پاس رکھ کے آنا تھا، اس کے جمال کی دھنک کو روح میں بسانے آنا تھا اور آج وہ اپنی مرضی سے بے نقاب ہوگئی ....لاء آ گیا.

اٹھارہ ہزار فٹ سے کچھ بلند ''لُک پے لاء'' پر ہم دفورِ مسرت سے ایک دوسرے کو گلے لگاتے تھے، ہیجان خیز نعرے لگاتے تھے اور بعد میں معلوم ہوا کہ غیر مقامی پاکستانیوں میں سے وہ تیسری پاکستانی ٹیم تھے جن کے نصیب میں اس روٹ پر سے یہ کامیابی تھی. پورٹروں کی لکیر نزدیک اور واضح ہونی شروع ہوگئی. چالیس کلو وزن اٹھائے یہ ہمت و مردانگی کی بے مثال تصویریں کوری سفید برف پر اپنی رنگین جیکٹوں اور گوگلز کی بہار بکھیرتے نزدیک سے نزدیک ہو رہے تھے. ان کے ساتھ ہی ڈاکٹر کے کیمرے کی ٹک ٹک میں تیزی آ رہی تھی. کچھ ہی لمحوں میں وہ بھی ہمارے ساتھ تھے. لُک پے لاء سَر ہو چکا تھا. یہ مسرّت کا لمحہ تھا. انبساط کا مقام تھا. سب ہی ہنس کھیل رہے تھے حتٰی کے شیخ بھی منہ پھاڑ کر قہقہے لگاتا تھا. چاکلیٹوں کا ذائقہ وہ زبانیں ہی محسوس کر سکتی تھیں جو اٹھارہ ہزار فٹ پر ان کا گوداخ بستہ ہواؤں میں محسوس کرتی حدّت کے سندیسے لیتی ہوں. میری تجویز پر ایک دوسرے کو کوئی یادگار نام دینے کا سلسلہ شروع ہوا جو ان لمحوں کو کسی یاد کی مناسبت سے محفوظ کر دے. کرنل کی انتہائی گوری رنگت اور چہرے کی شادابی کی مناسبت سے میرا ''سنو لیک'' کا تجویز کردہ نام سب کی سند کا باعث بنا. اب باری ڈاکٹر کی تھی جس نے میرا

نام تجویز کرنا تھا اب پتا نہیں اس نے میرے 'سن برن' کا سوچا، چہرے کے سوختہ نقوش کو جانچا یا کچھ اور لیکن میں ''ٹرینگو ٹاور'' میں تبدیل ہو چکا تھا. کرنل نے اپنی باری پر شیخ کو تختہ مشق بنایا اور ایک بہت مناسب حسب حال ''فضل الرحمٰن'' کا شاندار نام دیا گیا. لیڈر کے نام کا اختیار اس کی اپنی خواہش پر پورٹروں کو دیا گیا کہ اس کے ذہن میں تھا یہ پورٹر لوگ ہیں، لیڈر کی عظمت کا خیال رکھیں گے. اس کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا جب مائیکل (ذیشان) نے اس کے ناقابل فراموش نام ''انکل ڈیوڈ'' کی لازوال تخلیق کی.

ڈاکٹر خوشی سے بے حال ہو جاتا تھا. دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے فی پورٹر یومیہ فیس کے علاوہ لاء عبور کرنے کا انعام دو ہزار روپیہ فی پورٹر کی نوید سنائی جس پر اس کے نہ نہ کرتے ہوئے بھی پورٹروں نے اس کو کندھوں پر اٹھا لیا. میں مائیکل کو کئی دفعہ بڑی لے میں گنگناتے ہوئے سُن چکا تھا. میری فرمائش کرنے پر جو اس نے ایک انتہائی سریلی واخی گیت کی صدا لگائی تو وہ لے بھرتی پہاڑوں میں چھید کر گئی، چوٹیوں کو عبور کر گئی اور پورے ماحول کو اپنے شیریں طلسم میں لے لیا. 'شاعرِ شمال' عبدل کا فی البدیہہ ترجمہ ہمارے مَن میں طمانیت کی آبشاریں بہا گیا

یَیم یا گودرنگن جدا　　کھیت نے وسط یاتاگی دا
گے مت رو چشمِ شت طور خیرا　　کہ گُولی پوکیزہ
ہم دونوں ان پہاڑوں کی طرح الگ ہیں　　جو ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے
میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کیلئے بے قرار ہیں　　ترو تازہ گلاب کی طرح
ژی عکس دی ایت کم　　دیم خودی نے دا نیش و یِیم
سمن بخسنا

کہ سرَمش اُز دس قصہ دیم یو خو یونیک　　یَم خوی سمیا کہ گُولی پوکیزہ
میں نے اپنی آنکھوں میں عکس سجایا ہے　　جس کے بناء میں کچھ نہیں دیکھ سکتا
جب میں اس سے خیالوں میں خوابوں میں　　باتیں کرتا ہوں تو وہ اسطرح لگتا ہے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ترو تازہ گلاب کی طرح

چد مشت ترم صدتُوت پودیدہ سپر غیشت ڈرم تُوت بنفشہ
وانی نشت چک تُوت سی شا میوہ اشت غچ تُوت بیلونہ
کہ گوُلی پوکیزہ

آنکھیں بہت ہیں مگر میری آنکھوں کا نُور تم ہو پھل اِدھر بہت ہیں بنفشہ کی طرح
لیکن تم سے ذائقہ دار نہیں روشنیاں بہت ہیں لیکن کبھی نہ بجھنے والے
چراغ تم ہو
ترو تازہ گلاب کی طرح

دور عالیشان چوٹی 'کراون' نامی تھی جو چین کی ملکیت ہے. نزدیک دکھائی دینے والی چوٹیوں میں قابل ذکر 'مستاغ ٹاور' تھا. کچھ دیر آرام کے بعد اترائی شروع ہوی. ابھی تک چڑھائی ہی چڑھی تھی اسلئے اترائی کا تصور بہت خوش کُن تھا جو فوراً ہی زائل ہو گیا. چڑھائی میں چونکہ آپ اوپر جاتے ہیں ہیں اسلئے جسم کا سارا زور یکساں طریقے سے لگتا ہے اور کسی خاص عضو پر پورا بوجھ نہیں پڑتا. اترائی میں جسم کی ساری توانائی سمٹ کر گھٹنوں بلکہ ٹخنوں میں آجاتی ہے اور پورے وجود کا بوجھ انہیں سہارنا پڑتا ہے. یہ چڑھائی سے کہیں زیادہ بی پی امر ہے جب آپ نے توازن بھی برقرار رکھنا ہے اور ہر قدم اٹھا کر احتیاط سے آگے بھی رکھنا ہے. جو فاصلہ اوپر سے بالکل نزدیک لگ رہا تھا شیطان کی ایسی آنت ثابت ہو رہا تھا جو پاکستانی رشوت و بے ایمانی کی خوراک سے طویل سے طویل تر ہو رہی ہو. سورج کے ساتھ ہی وہ مہیب برف کا نرم ہونا بھی شروع ہو گیا تھا جس میں پیر گھٹنے گھٹنے دھنستے تھے. ہمیں چلے چھ گھنٹے ہو چلے تھے. دور سے برالڈو گلیشئر نظر آنا شروع ہو گیا. بالکل بیافو کی طرح برف اور سکری کا ایک عظیم مجموعہ. اترائی ختم ہی نہیں ہو رہی تھی، پورٹر حسب معمول آگے نکل گئے تھے، گلیشئر کے بالکل پاس کیمپ آراستہ کر رہے تھے. حالانکہ ٹانگوں میں بالکل سکت نہیں رہی تھی اور شدید غصہ چڑھتا تھا کہ یہ عجیب علاقہ ہے جو بہت نزدیک دِکھتا ہے چلنے لگو تو

ہزاعظموں کے فاصلے طے کرنے پڑتے ہیں. کیمپ کی خوش خبری نے رفتار خود بخود بڑھا دی تھی.

چلتے چلتے اترائی اب نسبتاً کم ہو گئی تھی. بالکل غیر متوقع طور پر ہمارا راستہ ہیرے کی چمک جیسی چار نیلی جھیلوں نے کاٹا. ہر جھیل اپنی کشش کا انوکھا انداز لئے ہوئے تھی. ایک بالکل چوکور، ایک بیضوی، ایک مستطیل اور ایک بالکل گول. ٹھہرے پر سکون برف سمندر میں یہ نیلے جزیرے آنکھوں میں بستے مَن میں سماتے تھے. جمال کے ساتھ ہی ایکدم جلال بھی شروع ہو گیا. اب تک پوشیدہ اور ہم سے دور کریوس ایکدم بہت ہولناک طریقے سے سامنے آگیئں. نہ صرف یہ ننگی کریوس دہشت پھیلاتی تھیں بلکہ تعداد میں بھی بہت زیادہ تھیں. عبدل نے کمال مشاقی سے برف کو زیادہ ٹٹولنا اور قدم زیادہ احتیاط بھرا رکھنا شروع کر دیا کیمپ اب بالکل سامنے تھا لیکن راستے میں کریوس حائل تھیں. عبدل کی تمام تر احتیاط، برس ہا برس کے تجربے اور علاقے سے مناسبت کے باوجود وہ ہو گیا جو کبھی نہیں ہونا چاہیئے. عبدل نے ایک قدم آگے رکھا تو دھڑام سے اندر کریوس میں گر گیا.......... صرف اس کا سر اور کہنیاں باہر تھیں.

ہمارے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے. پہلے ہم نے کوئی اسطرح کی صورت حال کی ریہرسل بھی نہیں کی تھی.

''سب پیچھے لیٹ جاؤ'' ڈاکٹر پیچھے سے دہاڑا.

اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سب سر پیچھے پھینک کر سیدھا لیٹ گئے.

یہ ایک بہت کارآمد نسخہ ہے کیونکہ اس سے رسے میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اور گرنے والے کو باہر کھینچنے میں مدد رہتی ہے. ہم تینوں لیٹے رہے، کرنل آہستہ سے اٹھا اور رسے کو لپیٹتا عبدل کے پاس گیا. ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر جو زور لگایا تو وہ آرام سے باہر آگیا. ان کچھ سیکنڈوں نے پھر زندگی اور موت کے مابین کچھ انچوں کو اجاگر کر دیا تھا. ہم سب عبدل کی خیریت پوچھا چاہتے تھے لیکن وہ جری شرمندہ پھرتا تھا بلکہ ہم سے معافی مانگتا تھا کہ اس کی وجہ سے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ہمیں 'تکلیف' ہوی. نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا یہ عظیم انسان.

اس دہشت بھرے سکوت میں کیمپ پہنچ کر چپ تھے لیکن آخر کب تک. انکل ڈیوڈ ان امڈتے سوالوں کو آخر کب تک روکتے جن کے جواب جب تک وہ ہر پورٹر سے نہ لیتے، چین نہ آتا تھا. ارے بھئی ہدایت، خوش ہو! ثابت طبیعت ٹھیک ہے، دولت ناراض تو نہیں ہو؟ عبدل کھانا کھایا ہے؟ کسی ماں کی طرح خبر گیری کئے بغیر انکل کو نیند ہی نہیں آتی تھی. سہ پہر ہوتے ہی خنکی ایکدم بڑھ گئی کیونکہ ابھی بھی ہم تقریباً ساڑھے چودہ ہزار فٹ پر تھے. حیرت انگیز طور پر عبدل کے کریوس میں گرنے کی خبر کا پورٹروں نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا، شاید ان کے لیے یہ معمول کا کام ہو. اسی طرح ہنستے کھیلتے آپس میں چہلیں کرتے، تاش سے نبرد آزما تھے. ہدایت ذرا تنہا کچھ اداس سا بیٹھا تھا. فضل الرحمٰن نے اس کی آزردگی کا سبب پوچھا تو ٹال سا گیا. مولوی نے قیاس آرائی کی" لگتا ہے بچے یاد آرہے ہیں."

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ہنس مکھ شاہ فوراً بولا.

"بچے نہیں، اس کو بچوں کی ماں یاد آرہی ہے" بھرپور قہقہے نے اس کی ساری آزردگی دور کر دی.

ویسے آپس کی بات ہے شاہ کی بات نے اس کو یاد کرائے ہوں یا نہ مجھے اپنے آنگن میں کھلنے والے گلاب اور اس کی ملکہ کی یاد کو ضرور مہکا دیا تھا. سنہرے گھنگھریالے بالوں اور گلابی چہرے پہ پھوٹتی دمک آمیزہ کلی جسے "مُنیبہ جواد" کے نام سے جانا جاتا تھا، ذہن کے دریچے میں اپنی معصوم مہکار کے ساتھ آئی جب اس نے معصومیت سے پوچھا تھا.

"ابو آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"بیٹا میں گلیئشر پر جارہا ہوں."

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"وہ، وہ" میں ایک پانچ سالہ بچی کو کیا بتاؤں کہ گلیئشر کیا ہوتا ہے، "وہ بہت برف ہوتا ہے."

میں نے سوال کا آسان ترین جواب دیا.

"اچھا پھر میرے لئے برف کی ایک گڑیا لانی ہے وہاں سے." معصومیت میں ڈوبی مُنیبہ کی خواہش ابھری اور پھر سے ٹی وی پر 'بینا مونٹینا' کی طرف متوجہ ہوگئی.

'مناہل' کہ عمر میں اس سے پانچ سال بڑی تھی اور ہر ایک کا بہت خیال رکھنے والی تھی کا سوال بروقت اور تشویش بھرا تھا.

"لیکن ابو آپ وہاں کیوں جارہے ہیں؟"

"وہ، بس ایسے ہی" بچوں کے سوالات کا میرے پاس قطعی جواب نہیں تھا. "تا کہ وہاں سے آپ کیلئے خالص برف والی آئسکریم لاسکوں."

مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو میں نے بہانہ تراشا.

"آئسکریم اور وہ بھی گلیئشر کی برف والی، یاہو." مناہل حالانکہ کمپیوٹر ایج کی بچی تھی لیکن تھا میرا خون جیسے پیار کے دو بولوں سے بڑی آسانی سے بے وقوف بنایا جاسکتا تھا.

ساتھ بیٹھا علی شایان کہاں چپ رہنے والا تھا. سنہرے بال اس کی چمکدار پیشانی کو ہر وقت ڈھانپے رہتے، حالانکہ ٹین ایج میں داخل ہونے کو تھا لیکن تھا بچہ، سچائی اور محبت سے گندھا ہوا.

"ابو، وہاں کیا بہت خطرناک جگہیں ہیں؟"

"ہاں علی، کئی دفعہ تو موت سامنے نظر آتی ہے." میں نے اپنی طرف سے اسے ڈرایا لیکن اس کا ردِعمل بہت غیر متوقع تھا.

"اِدھر کوئی ایسی جگہ بھی ہوگی جیسے ایک رسے سے لٹکا آدمی ایک ہاتھ کے سہارے بندہ اوپر کھینچ رہا ہو؟" علی نے نئی نئی کلِف ہینگر دیکھی تھی اور اس کے سحر سے باہر نہیں نکلا تھا.

"ہاں ہاں ایسی تو کئی جگہیں ہوں گی." میں نے کہا کہ اب تو یہ ڈر کر تشویش کے کوئی بول بولے گا

"اچھا" علی کی دلچسپی ایکدم بڑھ گئی "تو پھر ابو، اگر کسی ایسی جگہ آپ لٹکے تو تصویر کھنچوانا نہ بھولئے گا." علی کی مہم جوئی کے تحیر میں ڈوبی آواز مجھ پہ شرمندگی کے پہاڑ توڑ گئی کہ اسے

www.kmjeenovels.blogspot.com

مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، مہم جو تصویروں سے ہے.

''لیکن علی میں اگر وہیں کہیں گر گیا تو؟'' میں نے ایک آخری کوشش کی.

''آپ نے کہاں گرنا ہے؟'' علی نے بے نیازی سے کہا'' اور ویسے بھی مجھے یقین ہے کہ جہاں آپ گریں گے وہاں اسی جگہ کا ہی نقصان ہوگا، اتنے موٹے تو ہیں آپ.''

''اب بات کھلی. علی سے W.W.F کشتی کے دوران میں کئی دفعہ اس پر بیٹھ کر اپنے آپ کو سومو پہلوان کہہ چکا تھا. اس بیچارے کے ذہن میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ ابو کسی چیز پر گرے تو اپنے وزن کی وجہ سے اس کو پاش پاش کر دیں گے. ان کو کچھ نہیں ہونے والا.

گلابوں کی مہکار سونگھ کر آنگن کی ملکہ بھی آ گئی اور چونکہ ان سب کی 'ماں' تھی اسلئے اس کی خواہش بھی ان سے بڑھ کر تھی. 'عاکفہ جواد' کی صرف ایک ہی فرمائش تھی ''وہاں گلیئشر سے مجھے روزانہ فون کرنا ہے، اپنا موبائل لے جانا نہیں بھولنا.''

یہ آنگن اور اس میں کھلنے والے گلاب بھی کتنے سچے اور پوتر ہوتے ہیں. اللہ سب کے آنگنوں اور ان کی مہکاروں کو تادیر قائم رکھے.

لُک پے لاء نے بھی ایسی ہی مہکار کی صورت یاد کے آنگن کو معطر کر دیا تھا..... کہ گولی پوکیزہ.

انکل ڈیوڈ اور دنیا کا سب سے ڈوگی گلیئشر

حالانکہ اب آگے کوئی خاص برف نہیں تھی اور ہم نے گلیئشر کے اوپر چلنا تھا جس کیلئے پانچ چھ بجے شریفانہ ٹائم پر بھی چلا جا سکتا ہے لیکن کچھ عادت سی ہو گئی تھی. میری آنکھ ٹھیک ڈھائی بجے کھل گئی اور پھر نیند نہیں آئی. موٹی جرابیں اوڑھے، گرم تھرمل پاجامہ کے اوپر ٹراوزر اور موٹی جیکٹ کے باوجود سلیپنگ بیگ کے اندر سردی گھستی تھی. اس سے لڑتے جھگڑتے چار بجے آخر میں تنگ آ کر باہر آ گیا. برالڈو گلیئشر اور اطراف کے پہاڑ ہلکے نیلے رنگ کے ہو پڑے تھے. ایک مبہوت کر دینے والا منظر تھا جس کو اپنے اندر اتارنے کیلئے تنہائی اکسیر تھی. یہ برف، جھیلیں، پہاڑ، چشمے آپ کے پیار کا اسی وقت دلربائی سے جواب دیتے ہیں جب آپ ان سے مخاطب ہوتے ہیں. آپ کے اور ان کے درمیان کچھ اور نہیں ہوتا. اسطرح کی جادوئی جگہوں پر تنہائی خدا کا ایک خاص انعام ہے جو نصیب والوں کے دامن میں آتا ہے.

صبح چھ بجے روزانہ کی دعا کے بعد روانگی ہوی. اس برفیلے صحرا میں رسے سے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

بندھے کریوسوں کے ڈر سے متوشش ہماری چال میں احتیاط تھی. نسبتاً اترائی تھی اسلئے اگلے پینتالیس منٹ کچھ خاص سانس نہیں چڑھا جس کے بعد عظیم برالڈو گلیئشر ہمارے سامنے تھا. برالڈو اپنے نام کی طرح پر ہیبت بڑا دلچسپ گلیئشر ہے. دنیا بھر میں رائج اصول ہے کہ کسی دریا، نالے، ندی کا نام اس گلیئشر کی نسبت سے ہوتا ہے جس کے دہانے سے وہ نکل رہا ہوتا ہے. یہ واحد 'دریائے برالڈو' ہے جو برالڈو کی بجائے 'بالتورو' گلیئشر کے دہانے سے نکل رہا ہے. مزے کی بات یہ ہے کہ اس غلط نام والے دریا کی انفرادیت صرف چالیس پچاس کلومیٹر کے بعد ہی ختم ہو جاتی ہے جب یہ شگر وادی میں داخل ہوتا ہے تو اپنا برالڈو نام کھو کر دریائے شگر بن جاتا ہے. یہ اصولاً دریائے بالتورو ہونا چاہئے تھا جو کسی نا قابل فہم وجہ سے دریائے برالڈو بن گیا تھا. برالڈو کے پانی تو اس کے دہانے سے سات آٹھ کلو میٹر شمال کی جانب چلتے ہیں پھر یکلخت مڑ کر مشرق کی جانب رُخ کر لیتے ہیں جہاں سے یہ 'آوبرنگ' دریا میں مل جاتے ہیں. یہ 'آوبرنگ' اچھلتا، مچلتا، پتھروں سے سر پٹختا چین میں 'شکس گام' کے نام پر داخل ہوتا ہے اور انتہائی حیرت انگیز امر یہ ہے کہ بجائے کسی بڑے دریا میں ملنے کے یا سمندر میں گرنے کے یہ عظیم چینی صحرا ''تکل مکان'' کی ریت میں اپنا وجود کھو دیتا ہے. اس برالڈو یا برالدو نام کے معنی بھی نا معلوم ہیں کہ یہ بلتی زبان کا لفظ ہے نہ ہی واخی کا کہ جن زبانوں سے ان علاقوں کے پہاڑ، نالے گلیئشر منسوب ہیں. یہ قدرت کا کوئی سربستہ راز ہے.

ہم کہ بیافو کی اتھاہ ہولناکیوں سے بچ نکلے تھے، سمجھ رہے تھے کہ اب کیا گلیئشر اور کونسی وحشت لیکن یہ سب خیال برالڈو پر پہلی نظر پڑتے ہی کافور ہو گئے. برالڈو کا آغاز ہی پر ہیبت تھا. اطراف سے گیروی بہت بڑے پتھروں کا ایک بے ترتیب مجموعہ اور درمیان میں سفید جمی ہوئی چونچوں جیسا جغرافیہ. یہ دراصل برالڈو کا اختتام تھا کہ شمشال کی طرف سے آنے والے سر پھرے اس کو عبور کرنے کے بعد اپنی منزل کیلئے اوپر کسی درّے کا انتخاب کرتے ہیں. یہ گلیئشر کا بلند ترین مقام تھا. بیافو کے برعکس جس کے اختتام پر نسبتاً ہموار سطح

تھی، اس پر برفیلی تکونیں تھیں جو حدِ نگاہ پھیلی ہوئی تھیں.

یہاں 'کیرابینر' اتار دیئے گئے کہ اب پوشیدہ کریوس کا کوئی امکان نہ تھا. پچھلے تین دن سے یہ ہُک اور رسہ ذات کا ایک حصہ سا بن گئے تھے اسلئے جہاں ان سے رہائی پہ آزادی کا احساس تھا وہاں ہلکی سی جدائی کی کسک بھی تھی. ذاتی چال کے اختیار کی خبر کرنل کیلئے بہت باعث طمانیت تھی کہ وہ پھر سے اپنی منفرد جدّت بھری تکنیکیں اور آزادانہ چال چل سکتا تھا. پہلے کی طرح خود بخود میں کرنل اور عبدل ایک ٹیم ہو گئے جبکہ مولوی فضل اور انکل ڈیوڈ پیچھے رُک گئے کہ باقی پورٹروں کے ساتھ آئیں گے. عبدل کے مشورے پر درمیان والی مورین کا انتخاب کیا گیا کہ واحد وہی کچھ چلنے کے قابل تھی. بائیں والی مورین پہ تیکھی بالکل تکونی برف کی چونچیں تھیں جو کہ تقریباً ناقابل عبور تھیں. دائیں والی مورین پر برف کے بڑے بڑے تودے بکھرے پڑے تھے. ہم جہاں چل رہے تھے وہ بھی کم کلفت بھری نہ تھی. گیروی کہیں کہیں سفید ہوتی سطح کی اترائی چڑھائی متواتر تھی. پتھروں کا مچلنا پھسلنا شروع ہو گیا تھا. اب یا تو کرنل کی تکنیک کارآمد تھی کہ سٹک پھنسا کر جماؤ پھر قدم آگے کرو جماؤ اور اسی طرح آہستہ مگر مسلسل چلتے جاؤ. میں اپنی فطری تکنیک خطرناک طریقے سے پتھروں کو ٹاپتا، پھسلتا ڈھب ڈھب تیزی سے اوپر نیچے ہوتا لیکن جلد ہی ہانپ جاتا. یہ تکنیک آپ کی فطری ہوتی ہے جو سیکھنے نہیں آتی بس جبلی طور پر استعمال میں آتی ہے.

اطراف پہاڑوں پر برف معدوم ہوتی جا رہی تھی اور اب صرف چوٹیوں پہ دِکھتی تھی. ساتھ والی برف چونچیں بھی ختم ہو گئیں تھیں. گلیئشر پر چلتے ایک گھنٹہ ہو چلا تھا. پورا گلیئشر اب گیروی رنگ کی بے روح چادر اوڑھ چکا تھا اور اس کی یکسانیت اور کلفت اب آزار دیتے تھے. بیافو کے برعکس اس پر ایک لمحہ بھی سکون یا اطمینان کا نہ تھا. دیکھتے ہی رہو، ارتکاز کرتے ہی رہو، پتھروں بولڈروں پہ سو دو سو فٹ اوپر نیچے چلتے ہی رہو.....

بس چلتے ہی رہو. اس آزردہ گلیئشر میں بالکل غیر متوقع طور پر ایک ایسے رنگ نے توجہ کھینچ لی جو کسی کے گمان میں بھی نہ تھا. گلیئشر کے بائیں طرف جہاں پہاڑ مِل رہا تھا وہاں عموماً

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کچھ پانی کھڑا ہوتا ہے لیکن ایک مقام پر آ کر اس پانی نے ایک وسیع جھیل کی صورت اختیار کر لی. اس جھیل کی خاص بات وہ برف کے عظیم تودے تھے جو اس کے بالکل بیچ تیرتے تھے. یہ ناقابل یقین برف جزیرے بالکل کسی بحری جہاز کی مانند سطح آب پر ہلکے ہلکے ڈولتے تھے. یہ ایک ایسا منظر تھا جو کسی کے خیال میں کسی بھی تصویر میں نہیں آ سکتا تھا. نسبتاً گدلے پانیوں میں گم صم یہ برفیلے جہاز نجانے کن مسافروں کو انوکھی انجانی منزلوں پر لے جانے کیلئے تھے. ایک وحشی سا خیال مجھے آیا کہ کوئی بجرہ ہو اور میں اس کے ذریعے ان جزیروں تک رسائی حاصل کروں. صرف ان جہازوں کے اندر جھانک کر آؤں ، شاید کوئی صرف میرے انتظار میں وہاں بیٹھا ہو. یہ خیال کی دنیا کے واہمے چونکہ صرف میرے تھے اسلئے باقی 'حقیقت پسندوں' سے میں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور خاموشی سے ان کے ساتھ آگے چل دیا. یہ برف جزیرے کچھ دیر ایک قوس کی صورت ہمدم رہے اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے.

کیا معلوم وہاں واقعی کوئی میرے انتظار میں تھا کہ نہیں.....

کیا معلوم میں وہاں جاتا تو شاید ان کے ساتھ انجانی منزلوں پر انہی جہازوں میں نکل جاتا

.....

کیا معلوم یہ زمان و مکان کا فریب صرف انہی جہازوں تک تھا جہاں سب پردے اٹھ جانے تھے.....

کیا معلوم.....

اطراف پہاڑوں پر برف اب بالکل غائب ہو چکی تھی اور ان کا کالا رنگ اب کھل کر سامنے آ چکا تھا. ماحول میں ایک مہیب سناٹا تھا. سورج کی تمازت بدن جھلساتی تھی اسلئے تمام برفانی پوشاک شرافت سے واپس رُک سیک میں جا چکی تھی. سامنے دور افق پر ایک چوٹی نظر پڑتی تھی. عبدل نے اس کے 'ولیا سَر' ہونے کا بتایا جو اس نے ایک فرنچ گورے کے ساتھ سَر کی تھی. یہ چونکہ 'صرف' چھ ہزار میٹر بلند تھی اسلئے عبدل اس کا تذکرہ

خاص دلچسپی سے نہیں کرتا تھا. پتھر کچھ زیادہ ہی پھسلتے تھے اور ابھی تک ایک سیکنڈ ایسا نہیں آیا تھا کہ ذرا سی ہموار جگہ آئی ہو. پسینہ آتا تھا اور بہت آتا تھا. برف پگھلا کر حاصل کیا گیا پانی جس میں انرجائل کی مناسب مقدار توانائی کو نئی امید دیتی تھی، آخری دموں پر تھا. گلیشئر پر چلے ساڑھے چار گھنٹے ہو چکے تھے اور عبدل کے بقول '' کاروان کیمپ'' اب بالکل پاس ہی ہے. یہ کاروان کیمپ بھی لاہور کی ایک کمپنی کاروان کی عظیم کاوش ہے. انہیں نے خود اپنے ہاتھوں سے گلیشئر سے ذرا پرے پتھر مٹی کو صاف کر کے یہ کیمپ بنایا تھا. ان کے اس قابل تحسین کارِ خیر کا ثمر ان تمام ٹریکروں کی نیک خواہشات میں مضمر ہے جو تشکر کے اظہار کے طور پر ان کیلئے کہتے ہیں.

ہم کاروان کیمپ کے بالکل برابر پہنچ چکے تھے لیکن پریشان کُن امر اس کے اور ہمارے درمیان حائل وہ عمودی چڑھائیاں اترائیاں تھیں جو کسی بھی طور نا قابل عبور تھیں. کیا کیا جائے؟. فیصلے کا اختیار تو لیڈر انکل ڈیوڈ کے پاس تھا جو کافی پیچھے تھا. فیصلہ ہوا کہ تھوڑا ریسٹ کر لیا جائے ، انکل کے آنے پر ہی کچھ کیمپ کا فیصلہ ہو گا. یہ برالڈو اتنا مہیب گلیشئر تھا کہ ذرا سا بھی پاؤں پسارنے کیلئے بھی ہموار جگہ نہیں تھی. کرنل تو پھر اپنی منفرد جدت کو کام میں لا کر آڑھا ترچھا بھی کسی طرح لیٹا کہ آرام دہ رہے لیکن مجھ گھامڑ کو کوئی پتھر نہیں مل رہا تھا. جہاں میں لیٹنے کی کوشش کرتا ، وہی تھوڑی دیر بعد سرکنے لگ جاتا. تنگ آ کر میں وہاں موجود سب سے بڑے پتھر کے اوپر چڑھ گیا جو کہ پیمائش میں میرے جسم کیلئے بہت موزوں تھا، خدشہ صرف ایک ہی تھا کہ سوتے ہوئے اس سے اگر میں ذرا سا بھی اِدھر ہوا تو پھر ابدی نیند ہی سوؤں گا. کرنل نے ایک دو دفعہ منع کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے سنی ان سنی کر دی. وہاں لیٹنے سے جو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جسم پر پڑے تو سارا پسینہ لمحوں میں خشک ہو گیا بلکہ کچھ ہی دیر میں اچھی خاصی سردی شروع ہو گئی. رُک سیک میں ڈالی گئی جیکٹ واپس نکال کر اوڑھنی پڑی. انکل کافی پیچھے رہ گئے تھے. ساتھ آ کر ملتے پورٹروں کی زبانی اس کا پیغام بھی آیا کہ رُک کر اس کا انتظار کیا جائے. اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر میں نے رن کو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

چہرے پر ڈالا اور وہی اپنا محبوب دھوپ ٹانک نیند کے پیالے میں ڈال کر پینے لگ گیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دسمبر کی دھوپ ہے اور فطرت کا سجیلا پن ہے جو مجھ بے کار کو کسی خاص انعام کے طور پر مل رہا تھے۔ میں نجانے کتنی دیر سویا رہا لیکن جب اٹھا تو ایک کیف آگیں سرور میں تھا۔

انکل ڈیوڈ اور مولانا فضل کچھ زیادہ ہی دیر کر گئے تھے۔ ہمیں وہاں بیٹھے دو گھنٹے ہو چلے تھے اور ان دونوں کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اب اندیشوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا کہ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو گیا ہے تو یہاں اول تو اس کا پتا کسطرح لگے گا اور پھر کسی بھی قسم کا کوئی ریسکیو بھی نہیں ہو سکتا تھا: دل میں ان کیلئے دعائیں نکل رہی تھیں۔

مولانا فضل کو اپنی مخصوص پیٹ لچکاتے چھوٹے قدم اٹھاتے، چال چلتے ہم تک پہنچنے پر کافی ڈھارس تو ہوی لیکن لیڈر کا کچھ معلوم نہیں تھا۔ مولوی فضل کے بقول وہ زیادہ پیچھے نہیں ہے اور کسی بھی لمحے پہنچ سکتا ہے۔ مزید آدھ گھنٹہ انتظار ہم نے اس ''کسی بھی لمحے'' کی امید میں کیا جب ٹِک ٹِک واکنگ سٹک مارتا انکل ڈیوڈ آخر پہنچ ہی گیا۔ عموماً کسی بھی جگہ آمد پر لیڈر بہت خوش مزاج ہوتا تھا لیکن یہ وہ واحد جگہ تھی جہاں اس کے چہرے پر خشونت تھی اور آتے ہی اس نے گلیشئر کا ایک تاریخی خطاب دیا۔

''یہ دنیا کا سب سے ڈوگی گلیشئر ہے۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا جس پر پسینے کی آبشاریں پھوٹ رہی تھیں۔ غصے میں آ کر اس نے اپنا ہیٹ بھی اتار دیا تھا جس کی وجہ سے چندیا پر بھی پسینے کے ننھے منے قطرے ٹپکتے تھے۔ انکل جلال میں تھے اسلئے انہوں نے عبدل کو فرمائش کی کہ خوراک کی سب سے 'خاص' چیز کھولی جائے۔ عبدل کہ اب لیڈر کو بخوبی سمجھتا تھا، لپک کر گیا اور ''ٹیونا فش'' کا نایاب ٹن اٹھا لیا۔ ٹیونا فش کے انمول ذائقے کا میں پہلے بھی معترف تھا لیکن دنیا سے دور گلیشئر کے اوپر اس مچھلی کے ذائقے نے مَن میں ناقابل فراموش لہریں دوڑا دیں۔

ڈیوڈ کا اس گلیشئر کو اتنا برا خطاب کوئی اتنا غلط بھی نہیں تھا۔ ہمہ دم مچلتے پھسلتے پتھر،

کسی ایک سیکنڈ بھی ہموار سطح کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ لیڈر کہ انہی گلیشئروں پر 'کھیل کود' کر جوان ہوا تھا، اگر اس سے اتنی مخاصمت کا اظہار کر رہا تھا تو کچھ اتنا غلط بھی نہیں تھا۔ آگے کا فیصلہ کرنے میں انکل نے دیر نہیں لگائی۔ عبدل سے مختصر صلاح کے بعد اس نے اس پانی اور اترائیوں چڑھائیوں کا ناقابل عبور قرار دیا جو کاروان کیمپ اور ہمارے درمیان حائل تھے۔ ہمیں آگے اس جگہ تک جانے کا اذن دیا گیا جہاں تک کوئی مناسب قابل عبور جگہ آ جائے ورنہ گلیشئر کے اوپر ہی کیمپ لگایا جائے۔ یہ حکم دے کر ایک عظیم لیڈر کے طور پر انکل تو ایک پتھر سے ٹیک لگ کر آرام کرنے لگے جبکہ باقی پارٹی آگے چل پڑی۔ ہمیں ایک گھنٹے تک کا وقت دیا گیا کہ اس وقت اگر کوئی جگہ مل گئی تو ٹھیک ورنہ پھر وہیں کیمپ۔ اتنے زیادہ آرام کے بعد چلنا ایک خوفناک امر تھا کہ ٹانگیں بالکل اکڑ چکی تھیں۔ میری جیکٹ کی زِپ بھی داغ مفارقت دے چکی تھی جس کو میں اپنے اناڑی پن سے سنبھالنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس ایک گھنٹے کی 'کل کلین' نے مجھے انکل سے بھرپور متفق ہونے پر مجبور کر دیا ایک گھنٹے کے بعد ایک قابل عبور جگہ آئی تو سہی لیکن میں نے دہائیاں دینی شروع کر دیں کہ اِدھر ہی کیمپ کر لیں۔ کیوں ہم پہلے یہ جگہ عبور کریں پھر اوپر پہاڑ چڑھ کر صرف کیمپ کی ہموار جگہ کیلئے مزید ایک گھنٹہ اور لگائیں۔ کیوں نہ یہیں گلیشئر کے اوپر ہی کیمپ کر لیں۔ نیچے بچھانے کیلئے شیٹ تو ہیں ہمارے پاس تو پشت کے بھی برف میں مدغم ہو کر برف میں دھنسنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ باقی سب بھی تھکن سے شدید چُور تھے اسلئے میری گریہ زاری سے متاثر ہو کر وہیں کیمپ کرنے پر متفق ہو گئے۔ کرنل کی گھڑی 4170 میٹر یا 12700 فٹ کی خبر دیتی تھی۔ حالانکہ ہم برف کے عین اوپر نسبتاً ناہموار جگہ پر کیمپ کئے ہوئے تھے لیکن خیر گزری کہ رات صحیح گزری اور کوئی خاص سردی نہیں لگی۔

اگلی صبح خنکی ایکدم ہی در آئی۔ میں نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹایا تو بادل سے تھے۔ کرنل کی جادوئی گھڑی کچھ حوصلہ افزاء موسمی صورتحال کا نہیں بتا رہی تھی جو امڈ آئے کالے بادلوں کی وجہ سے باعث تشویش تھا۔ میرے بہت پسندیدہ اچار پراٹھے کا ناشتا بہت لطف

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

دیتا تھا لیکن اس کے دوران ہی وہ شروع ہو گیا جس کا مجھے ڈر تھا..... برف باری شروع ہو گئی. یہ کوئی ہلکی پھلکی برف باری نہیں تھی بلکہ بڑی شدید قسم کی برف باری تھی. برف کے بڑے بڑے گالے موجود ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لئے سفید کر رہے تھے. میرا خیال تھا کہ 'کارفو گورو' کی طرح آج بھی ریسٹ ہو گا لیکن حیرت انگیز طور پر لیڈر نے روانگی کا حکم دے دیا. روانگی، اس موسم میں اور وہ بھی اس ڈوگی گلیئشر کے اوپر..... میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے انکل کے پاس گیا اور عرض کی حضور اتنی شدید برف باری ہے، پتھر پھسلن آمیز ہو رہے ہیں، دِکھائی بھی کم ہی دے رہا ہے، آج رہنے نہ دیں لیکن وہ لیڈر ہی کیا جو قوم کی سُن لے. اپنا مخصوص جملہ بول کر چل دیا.

''کوئی بات نہیں، اللہ کرم کرے گا، اس کی رحمت رہے گی.''

اللہ کے کرم و رحمت پر اس کا اتنا عظیم بھروسہ ہی اسے ان خطروں کا بے خوف کھلاڑی بناتا تھا.

اللہ کا نام لے کر میں بھی چل پڑا توقع کے عین مطابق پتھر برف کی وجہ سے گیلے سے ہو گئے تھے جن پر ہر قدم کم ہی جمتا تھا. آج صرف میرے طریقے میں ہی عافیت تھی کہ تیز تیز بس چلتے ہی چلو، نیچے پھسلنے والے پتھروں کو بس پھلانگتے جاؤ، قدم جمانے کی کوئی حالت نہیں تھی کہ پاؤں ٹھہرے تو قدم جمے نا. یہ بہت ہی زیادہ خطرناک صورتِ حال تھی کہ اس میں غلطی کا کوئی موقع نہیں تھا. اگر توازن ذرا سا بھی برقرار نہ رہا تو پھر گئے. عبدل نے پہلے درمیان والی مورین پر چلنے کی کوشش کی لیکن سامنے ناقابل عبور پانی آ گیا. اس کو چھوڑ کر دائیں والی مورین پر بھی یہی نتیجہ ملا اور اس سے دائیں والی پر بھی. ہمیں چلے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا اور ابھی تک ہم سیدھا بھی نہیں ہوئے تھے، راستے کی تلاش میں ہی بھٹک رہے تھے. برف باری جو کچھ دیر کیلئے رکی تھی، دوبارہ شروع ہو گئی تھی. آخری حربے کے طور پر عبدل نے گلیئشر سے متصل پہاڑ کے ساتھ چلنے کا قصد کیا. پتھروں کا سیاہ رنگ سفید میں تبدیل ہو چکا تھا، پہاڑوں نے بھی سفید چادر اوڑھ لی تھی لیکن ہمارا راستہ اسی وجہ سے کھوٹا ہو رہا تھا. پہاڑ

کے ساتھ تنگ سا راستہ گو پتھریلا نہیں تھا لیکن برف ملی مٹی کی وجہ سے گارا سا پھیلا ہوا تھا. زندگی اس لمحہ موجود کا نام تھی، اگلا قدم جانے زمین پر پڑتا ہے یا پھسل کر جہانِ لافانی میں لے جاتا ہے. اکھڑتے سانس کو قابو میں لاتے عبدل کے پیچھے سر پھینک کر چلتے ہی جانا، دل میں گناہوں کی معافی مانگ کر اس کی مدد مانگتے ہی رہنا رینگتے ہی جانا زندگی کا حاصل تھا. اس برالڈو کی کریوس بھی ہولناک تھیں. حجم میں ضخیم اور شباہت میں خوفناک، یہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھیں. پہلے ہی راستہ نہیں مل رہا تھا اوپر سے شدید برف باری میں یہ کریوسیں، آج کچھ خاص تھا.

میں اور عبدل نسبتاً تیز رفتار کی وجہ سے آگے چل رہے تھے. چل کیا رہے تھے، بس پھسلتے ڈگمگاتے گھسٹ رہے تھے کہ ہمارا راستہ دنیا کی خوفناک ترین کریوس نے روک لیا. کم از کم چار پانچ سو فٹ مہیب ایکدم نیچے اترتی کھائی. اس کو عبور کرنے کے دو ہی طریقے تھے. یا تو اب پہاڑ کے ساتھ ایکدم اوپر کو جائیں اور کریوس کے ختم ہونے کے بعد اتریں یا پھر اس کریوس کے بائیں کونے پر جو فٹ دو فٹ پتلی سی لکیر نما پگڈنڈی ہے اس پر چل کر آگے آ جائیں. اس تنگ راستے پر چلنا ایک بہت خطرناک امر تھا کہ حد درجہ احتیاط اور ارتکاز ہی زندگی کی بقاء کے دارومدار تھے. پہاڑ پر چڑھنا بہت مشقت آمیز کام تھا لیکن میں نے اس میں ہی عافیت جانی کہ احتیاط اور میں دو مختلف اکائیاں ہیں. اس چڑھائی اترائی نے توانائی نچوڑ کر رکھ دی. عبدل کو خیال آیا کہ پچھلی پارٹی کو بھی صراطِ مستقیم دکھا دے. وہ پیچھے جانے کو پر تول ہی رہا تھا کہ کرنل و مولانا فضل کریوس کے اس پار نظر آ گئے.

'ہاں بھئی کونسا راستہ بہتر ہے'' کرنل نے چلا کر عبدل سے پوچھا.

''یہیں ساتھ ہی سے آگے آ جائیں.'' عبدل کے جواب نے مجھے حیرت زدہ کر دیا کہ ہم خود تو یہ راستہ چھوڑ کر آئے ہیں، دوسروں کو مشورہ کیوں دے رہے ہیں.

ان کو اس سے روکنے کیلئے میں اٹھ کر ذرا پیچھے آیا تا کہ انہیں صحیح راہنمائی دے سکوں لیکن اتنی دیر میں کرنل پگڈنڈی پر قدم رکھ چکا تھا. میں نے اس کے ارتکاز میں دخل دینا مناسب نہیں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

سمجھا اور سانس روک کر یہ منظر دیکھنے لگا. انتہائی محتاط آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کرنل یہ مرحلہ کامیابی سے طے کر گیا جس کے پیچھے پیچھے مولوی فضل بھی محفوظ پہنچ گیا. ان کی آمد سے میرے سانس میں سانس آیا. رگیں جو تن کر یہ منظر دیکھ رہی تھیں، ڈھیلی پڑ گئیں. یہ ایک رونگٹے کھڑے کر دینا والا منظر تھا. خلافِ توقع نرم مزاج کرنل نے عبدل کے اس ''مشورے'' پر کلاس لے لی جس کا عذر برتر از گناہ تھا میں نے سوچا کہ آپ کو پہاڑ پر تکلیف ہوگئی اور پھر یہ راستہ مختصر بھی تھا.'' یہ دونوں تو پہنچ گئے لیکن انکل کسطرح آئے گا، وہ تو چلتا بھی دوستکوں کے ساتھ ہے. اس تنگ پگڈنڈی پر کسطرح توازن برقرار رکھے گا. اندیشوں کی دیوی ایکدم جوان ہوگئی. یا اللہ خیر! دل سے اس کیلئے دعا نکلی کہ ہمیں پتا تھا اس خطروں کے کھلاڑی نے پہاڑ والا راستہ تو لینا نہیں. اس کی آمد میں تھوڑی دیر تھی اسلئے غنیمت جان کر میں زندگی کے ایک انوکھے تجربے سے گزرنے لگا. برف باری میں ایک پتھر سے ٹیک لگا کر سو گیا. بہت ہی خوش کن نیند تھی جس نے حسبِ سابق تازگی اور فرحت کی لہریں دوڑا دیں. ملی جلی آوازوں سے آنکھ کھلی تو پتا لگا کہ انکل پہنچ چکا ہے اور حسبِ توقع پہاڑ والا راستہ اپنانے سے انکاری ہے. عبدل لپک کر پگڈنڈی تک گیا اور اب یہ سسپنس فلموں جیسا منظر تھا کہ عبدل نے بمشکل اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے ایک ہاتھ سے انکل کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور آہستہ آہستہ کنکھیوں سے پیچھے دیکھتے ہوئے انچ بہ انچ پیچھے آرہا ہے. سب دم روکے یہ منظر دیکھ رہے تھے. مکمل سکوت کو انکل کی ایک بہت ناقابل توقع آواز نے توڑا.

''رکو بھئی، ایک تصویر تو لینے دو.''

خدا کی پناہ، ادھر جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں تجھے تصویر کی پڑی ہے. ہم نے شور مچا کر اسے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ڈیوڈ ہی کیا جو ٹل جائے، تصویر کھینچ کر ہی آگے چلا. اس تنے رسے جیسی پگڈنڈی پر وہ کیسے آگے چلا، مجھے نہیں معلوم کہ میں نے آنکھیں بند کر لی تھی. برستی برف میں چاکلیٹوں کے دانتوں تلے ٹوٹ کر ذائقے کے خمار کو صرف ہم ہی محسوس کر سکتے تھی کہ یہ یکتا تجربہ صرف ہمارے نصیبوں میں لکھا تھا. انکل کے

چہرے پہ پہلی دفعہ وحشت تھی. بقول اس کے اس کی زندگی کے بیس سالہ ٹریک کا یہ خطرناک ترین دن تھا.

ہم انجانے رستوں پر چل رہے تھے جن کا انجام کچھ معلوم نہیں تھا کہ منزل پہ ہوگا یا گمشدہ بھٹکنے میں.

برف کی حکمرانی تھی. برفیلے گلیشئر پہ برف باری میں چلنا صرف ایسے سرپھروں کی ہی ترنگ ہو سکتی تھی جنہوں نے فطرت کی نہاں کو ملتا کو عیاں کرنے کی ٹھانی ہو. ہم کون ہیں؟ کیا یہاں برف میں آئس ایج میں گھسی وہ قدم روحیں ہیں جو کسی ٹائم مشین کی غلطی سے تھوڑی دیر کیلئے اکیسویں صدی میں وارد ہوگئی تھیں اور اب اپنے اُس اصل کو لوٹ گئی ہیں جہاں منجمد زمانے ہیں، سکوت کی اتھاہ گہرائیاں ہیں، انسان اور فطرت آپس میں مدغم ہیں. کچھ معلوم نہیں کہ یہ زماں و مکاں کا فریب صرف اس لمحے تک تھا جہاں تمام پردے اٹھ جانے تھے اور ہم نے اپنے اصل ''برفیلے زمانوں'' کو لوٹ جانا تھا .... کچھ معلوم نہیں.

برف باری کی کلفت بہت اذیت دیتی تھی. انکل کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے مولوی سے فرمائش کی کہ بھئی ہم سب میں تم ہی سب سے اچھے اور باشرع مسلمان ہو ذرا اللہ کے حضور اذان دے کر ایک التجا تو کرو کہ یہ برف باری رُک جائے. مولوی کو یہ ماننے میں تامل تھا لیکن ہمارے بھرپور اصرار پر ماننا ہی پڑا. ایک دکھ دیتے گلیشئر پر، برستی برف میں اذان کی صدا کے مقناطیسی سحر کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہوں نے انتہائی تکلیف میں گڑگڑا کر اپنے رب کو پکارا ہو. یہ لجاجت اور اپنے اوپر مستحکم ایمان کو وہی رب پسند کرتا ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کی صدا سنتا ہے، پتھر میں سے کیڑے کو رزق دیتا ہے اور ہر سانس کے تنفس میں بستا ہے. اذان دیے دس منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ برف باری دھیرے دھیرے کم ہوئی اور آخر بالکل رُک گئی..... تھینک یو اللہ میاں.

برف باری تو رُک گئی لیکن راستے کا تعین ابھی تک نہیں تھا. انکل کا خیال تھا کہ اسی طرح چلتے چلیں، قریب ہی وہ چوک نما جگہ ہے جہاں سے اترائی شروع ہو جائے گی اور

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

گلیشئر کم ہو جائے گا۔ اس کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ سامنے راستہ بلند پتھریلی چٹانوں کی وجہ سے حدِ نظر کو روکتا تھا۔ کچھ معلوم نہ تھا آگے کیا ہے۔ میں اور عبدل آگے ہو لئے۔ برف باری رکنے کے بعد خنکی ہڈیوں کے گودے میں سماتی تھی۔ وہی اترائی چڑھائی جاری تھی کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ بدن کاٹتی ہوا کچھ کم ہوگئی تھی جس کے ساتھ خنکی بھی اب کچھ کم تھی کہ بادل آہستہ آہستہ چھٹ رہے تھے اور امید تھی کہ سورج جلد ہی نکل آئے گا۔ برالڈو کی اذیت ناقابل فراموش تھی، اس نے تو واقعی نانی، دادی سب یاد دلا دیا تھا۔ عبدل کہیں کہیں رُک کر ان حیرت انگیز رنگوں والے کنکر دکھاتا تھا جو نارنجی، بنفشی کئی رنگوں والے مبہوت کر دینے کی حد تک خوبصورت تھے لیکن مجھے ایک بھرپور بیزاری نے لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اگر کوئی نارمل دن ہوتا تو میں ان کو جمع کرتا، رُک سیک میں محفوظ کرتا اور گھر میں کسی خاص جگہ پر رکھتا لیکن اُس دن..... ایک شدید آزردگی میں تھا۔ دل چاہتا تھا کہ بس کسی بھی طرح گلیشئر ختم ہو۔ انکل کا اندازہ ٹھیک نکلا جب آدھ گھنٹے بعد ایک نسبتاً بلند جگہ پر دور بہت دُور ایک ہیولا سا دکھائی دیا جہاں زندگی کی سب سے بڑی خوشی گلیشئر کا اختتام دکھتا تھا۔ میں نے طویل عرصے سمندر میں رہنے والے کسی بحری مسافر کی طرح اس ''زمین'' کو دیکھا کر واشگاف نعرے لگائے اور تندہی سے باقی ماندہ گلیشئر کو عبور کرنے میں جُت گیا۔ بادل مکمل طور پر چھٹ گئے تھے اور سورج کی نرم کرنیں وجود کو نکھارتی تھیں۔ خیال تھا کہ چونکہ آگے ابھی اترائی ہے اسلئے زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کا راستہ ہوگا لیکن وہ برالڈو ہی کیا جہاں آپ کسی قسم کی کوئی خوش گمانی کر سکیں۔ اترائی والے آڑھے ترچھے راستے نے ڈیڑھ گھنٹہ بدن کا باقی ماندہ زور نچوڑا۔ برالڈو کے آخری پتھر سے دنیا کی سب سے سکون آور جائے عافیت نیلی ترپال والا کچن ٹینٹ ایک انعام کے طور پر نظر آیا۔ اس آخری قدم کے بعد جب ہموار دھرتی ماں نے اپنی مہربان آغوش میں لیا تو جیسے ایک عفریت کے پنجے سے نکل کر میں کسی پھولوں بھرے کنج میں آن نکلا ہوں۔ میں نے نخوت سے پیچھے گلیشئر کو دیکھا، دل ہی دل میں اسے کچھ فحش گالیاں دیں اور پھر اِدھر کبھی نہ آنے کا

مصمم ارادہ کر کے نیلی ترپال تلے پاؤں پسار کر لیٹ گیا اور ابھی تک تو آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ میرا ''لیٹنا'' دراصل نندیا جام کا ایک گھونٹ بھرنا ہوتا ہے ..... کرنل و مولانا فضل بھی آدھ گھنٹے کے بعد پہنچ گئے۔ پورٹروں نے انتہائی مزیدار چائے بنا کر پلائی جس کے بعد ڈرائی فروٹ کا ایک یادگار دور چلا۔ خشک پہاڑوں کے دامن میں یہ پتھریلا میدان جمخانہ کلب تھا جہاں ہم چائے کی چسکیاں لیتے قہقہے لگاتے تھے۔ میری تجویز پر ایک ڈرامہ ترتیب دیا گیا۔ ایک گھنٹے بعد ٹِک ٹِک سٹک بارتا انکل ڈیوڈ آیا تو اپنی معمول کی خوشدلی سے سب سے وہی سوال کرتا تھا۔ ''ہاں بھئی کیسے ہو، ٹھیک ہو، اوئے خوش ہو؟'' باقی تو ہنسی خوشی جواب دیتے تھے لیکن عبدل سکھائے ہوئے سکرپٹ کے تحت منہ بسورے دور بیٹھا تھا، انکل کی کسی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''انکل! عبدل ناراض ہے آپ سے۔'' میں نے انکشاف کیا۔

انکل پر حیرت اور شرمندگی کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا ''کیوں بھئی عبدل، کیا ہو گیا، کیوں ناراض ہو!'' انکل دنیا کا ہر الزام برداشت کر سکتا تھا لیکن اسطرح کا قبیح الزام نہیں۔

''کیونکہ آپ نے تو کہا تھا شمشال جائیں گے، ابھی اشکومن کا پروگرام بنا لیا ہے'' عبدل نے ناراض لہجے میں کہا۔

''اشکومن! ارے نہیں کس نے کہہ دیا'' انکل نے بوکھلا کر اپنی ٹوپی اتار دی جس نے اس کے سر پر چمکتے چاند کو عیاں کر دیا۔ یہی موقع تھا کہ عبدل کی ناراضگی کا توقع کے عین مطابق اختتام ایک بھرپور قہقہے کا باعث بن گیا۔ انکل نے کھسیانا ہو کر ٹوپی واپس سر پر پہن لی اور شرمندگی دور کرنے کے لئے ایک حوصلہ افزاء اعلان کیا ''شمشال پہنچ کر ٹیم کی ضیافت کیلئے ایک بکرا ہوگا۔''

''بکرا'' کرنل نے بکری کی ''ی'' پر زور دیتے ہوئے لقمہ دیا۔

''ہاں ہاں بکری ہی سہی'' انکل فوراً مان گیا ''لیکن عبدل! اس کو باندھنا ذرا کرنل صاحب کے خیمے سے دُور.....''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

برالڈو کے کامیاب اختتام نے ہی ان تمام ظرافتوں، قہقہوں کو یاد دلایا تھا کہ وہاں تو صرف دہشت کا راج تھا، وسوسوں کی حکمرانی تھی. لیڈر کی فرمائش پر لاء پہ دیے گئے نام شرافت سے واپس کر دیے گئے اور معزز اسماء سے شناخت کو یقینی بنایا گیا. مجھے اس کو ماننے میں کافی تامل تھا کہ انکل ڈیوڈ اور مولانا فضل کی ادائیگی میں زبان ایک نا معلوم شیرینی سے ہمکنار ہوتی تھی لیکن ٹیم کے اصرار پر ماننا ہی پڑا.

''ویسم'' کیلئے کوچ کیا گیا.

ہدایت اور ثابت کے پیچھے پیچھے میں بھی ہولیا کہ ہموار جگہ پر تو میں ان کی رفتار سے چل سکتا تھا. چالیس چالیس کلو وزن اٹھائے تیز تیز قدم مارے آپس میں واخی زبان میں باتیں کرتے یہ رواں دواں تھے جبکہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے میں بھی پیچھے پیچھے چلتا تھا. چھوٹے نالے تو قابل عبور تھے کہ گہرے اور تیز نہ تھے لیکن ایک نسبتاً بڑے نالے پر بوٹ کھول کر ٹراوزر کو گھٹنوں تک کرنا پڑا. نالہ کا بہاؤ سوچ سے زیادہ تیز اور پانی تھوڑے زیادہ یخ بستہ تھا. ہدایت کا ہاتھ پکڑے اسے عبور کرنے کے بعد سے بوٹوں کو پہننے سے پہلے پیروں اور ٹانگوں کی کافی مالش کرنا پڑی. اطراف کے پہاڑ ہرے بھرے تھے جن پر چوٹیوں پر کہیں کہیں برف دِکھتی تھی. برالڈو کے پانی مشرق کا رخ کر چکے تھے جہاں سے انہوں نے منزلیں مارتے چین میں داخل ہو جانا تھا. ''ویسم نالہ'' ساتھ ساتھ بہتا تھا جس سے ہم بتدریج دور ہو رہے تھے کہ کیمپ نالے سے کچھ فاصلے پر ہونا تھا. مزید ایک گھنٹے کے بعد تقریباً پانچ بجے ''ویسم'' میں آمد نے ایک بھرپور حیرت سے دوچار کر دیا. ابھی تک تو ہم خالص فطرت کے ہمدم رہے تھے لیکن یہاں انسانی تعمیر ایک شکستہ ہٹ کی صورت میں موجود تھی. ان پہاڑوں میں، نالوں میں، گلیئشر کے پاس یہ ہٹ موہنجوداڑو سے برآمد شدہ مدفون ایسا پوشیدہ راز تھا جس کے مکین اپنے بعد آنیولوں کیلئے اپنی یاد کچھ سانسوں کی صورت میں چھوڑ گئے ہوں. میں نے بڑی احتیاط سے اس کے دروازوں کے پٹ کھولے کہ کہیں وہ سانس آزادی کے سندیسے پا کر ایکدم معدوم نہ ہو جائیں. اس اندھیرے ہٹ میں البتہ

ایک ناگوار بُو سی تھی. اسطرح کے ہٹ شمشالیوں کے ان ایک دوزی نفسوں کی جائے امان ہوتی ہے جو اپنے جانوروں کے ساتھ سردیوں کا پورا سیزن یہاں گزارتے ہیں. کتنی مختلف ہے یہاں حیات کی ڈھب. نہ سیاست کی فکر نہ فرقہ ورانہ جھگڑے، نہ بجلی کا بحران نہ ہی پٹرول کی کمی حتیٰ کہ پڑھائی کا بھی کوئی روگ نہیں، علموں بس کریں او یار..... صرف جانوروں کی ہمدمی اور سیاہیوں کے سناٹے.

اللہ کے بھی کیسے کیسے رنگ ہیں.

اس ہٹ کے عین اوپر پہاڑ کے تقریباً وسط میں حجم میں کافی وسیع کچھ غار دِکھتے تھے. بقول عبدل یہ غار ان چینی حاجیوں کے زیر استعمال رہے ہیں جو صدیوں سے ان کٹھن راہوں سے گزر کر حج کیلئے جاتے تھے. کیا ولولہ انگیز با ایمان مومن تھے کہ سانس کی عدم موجودگی میں صرف اپنے جذبے پر تکیہ کر کے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دریا، درّے، گلیئشر عبور کر کے صرف اپنے رب کی رضا کیلئے اتنی صعوبتیں برداشت کرتے تھے کتنے عظیم تھے یہ لوگ.

گو کہ ہٹ تھا لیکن میں نے باہر کیمپ لگوانے کو ہی ترجیح دی کہ وہاں موجود انتہائی چھوٹے جامنی پھولوں کی مہک مجھے اپنے سحر میں لیتی تھی. کچھ دیر بعد کرنل کہ اکیلا آ رہا تھا ذرا غلط راستے پر نالے کے ساتھ ساتھ آتا دکھائی دیا. میں نے سوچا خود ہی کیمپ دیکھ کر آ جائے گا لیکن جب وہ کیمپ کو نظر انداز کرتا سیدھا چلتا گیا تو میرا ماتھا ٹھنکا. میں نے اور پورٹروں نے مل کر شور مچایا کہ ہماری مشترکہ آواز کو تو وہاں تک پہنچ جانا چاہیے تھا. ہماری آواز ضرور وہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کرنل وہاں کھڑا ہو کر دیکھتا تھا کہ یہ کہاں سے آوازیں آتی ہیں لیکن حیرت انگیز طور پر کیمپ کی طرف آنے کی بجائے وہیں گم صم کھڑا تھا. ہم نے بڑے رنگین کپڑے بھی ہلائے لیکن بے سُود. چار ناچار ہدایت کو تقریباً بھاگتے ہوئے جا کر اس کیمپ میں لانا پڑا. ہم حیران تھے کہ یہ اتنی دیر وہاں کھڑا رہا تو کیمپ کیوں نہیں نظر آیا جو کہ وہاں سے ترچھے زاویے پر بالکل سیدھا تھا. کرنل کا جواب حیرت انگیز تھا اور میرے بالکل حسب حال

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

تھا.

''میں نے وہاں سے دیکھا تو غاروں پر نظر پڑی. پہلے تو میں سمجھا کہ شاید ان کے اندر کیمپ کیا گیا ہے لیکن پھر خیال آیا کہ نہیں باقی سارے تو چڑھ گئے ہوں گے یہ موٹا (میں) تو بالکل انکاری ہو گیا ہوگا تو یہاں کیمپ نہیں ہو سکتا.''

کرنل کا اندازہ حالانکہ میرے لئے کافی باعثِ شرمندگی تھا لیکن آپس کی بات ہے تھا بالکل ٹھیک. اگر اس عفریت برالڈو کی کلفت کے بعد وہاں چڑھنا پڑتا تو میں تو صاف انکاری ہو جاتا. بے شک وہاں بھوکا ٹھٹھرتا لیکن اوپر کسی بھی قیمت پر نہ جاتا کہ آج تو ٹانگوں، پیروں کی اینٹھن اپنے عروج پر تھی. ڈاکٹر کے لیے یہ واقعہ بھرپور لطف آمیز تھا اور بار بار اصرار کر کے وہ کرنل سے اس حصے پر رُک کر قہقہہ لگاتا کہ ''یہ موٹا تو بالکل انکاری ہو گیا ہوگا.''

میں خوش تھا کہ چلو میری وجہ سے ہی سہی ڈاکٹر خوش تو تھا کہ خوشی کی تلاش میں ہی تو ہم نکلے تھے، راحت کے متمنی تھے، مسکراہٹوں کے اسیر تھے..... نیت کے نیک تھے. میں نے اس آسودگی میں دل سے برالڈو کو معاف کر دیا اور خیمے میں سونے سے پہلے وہ تمام گالیاں بھی واپس لے لیں جن کو کھا کے مجھے یقین ہے برالڈو کبھی بدمزہ نہیں ہوا تھا.

رنگوں کی بجکاری۔ چکار

ہر پہاڑی صبح کا آغاز ایک مخصوص مہک سے ہوتا ہے. ہر دن کی اپنی، ہر صبح کی منفرد خوشبو ہوتی ہے جس میں لے بھری ایک تان ٹھہری ہوتی ہے. اس صبح بھی کچھ ایسا ہی سماں تھا کہ میری آنکھ حسِ بصارت سے پہلے حسِ شامعہ نے کھول دی تھی. ہولے سے چلتی پروا اپنے دامن میں مہکاروں کے سندیسے لائی تھی. میں کافی دیر لیٹا اس مہک کو اپنے وجود میں بستے اور حیات کے پرلطف ہوتے محسوس کرتا رہا اور آخر کار اٹھ گیا. حسبِ معمول میں سب سے پہلے اٹھا تھا اور بھرپور سکوت آمیز تنہائی کا حقدار تھا. سورج بابا کی ہیلو ہائے نے مجھے ہوش کی دنیا میں لایا اور سب کو اٹھانے لگ گیا. جب چلنے کی کوئی خاص جلدی یا مجبوری نہ ہو تو کیمپ کی چہل پہل بہت لطف دیتی ہے. کہیں برتن بج رہے ہیں، کہیں لوک گیت گایا جا رہا ہے، کہیں ڈاکٹر وسیع میدان کی وجہ سے دور پتھروں کی اوٹ تک جانے کی بجائے وہیں ذرا کنارے پر ہو کر اپنے گرد ایک خیالی چادر اوڑھ کر مزے سے ''فارغ'' ہو رہا ہے، صرف کسر تھی تو ایک ''گرم آنڈے'' کی صدا کی. مائیکل ذیشان ایک دن پہلے ہی برالڈو سے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

آگے چل پڑا تھا کہ نزدیک ترین آبادی ''شِیُوَر ت'' سے ہمارے نالہ عبور کرنے کیلئے یاک اور خوش گاد لے کر آئے. پروگرام کے مطابق اسے آج صبح تک پہنچ جانا چاہے تھا لیکن اس کا کوئی نام ونشان نہیں تھا. اب یہ تیز رفتار نالہ خود ہی عبور کرنا تھا. پہاڑی ندی نالے چونکہ صبح کے وقت نسبتاً ''شریف'' ہوتے ہیں اسلئے میں سب کو جلدی چلنے کا کہہ رہا تھا. چلتے چلتے بھی خیر ساڑھے سات بج گئے اور سورج بھرپور طریقے سے طلوع ہو گیا تھا. اس ''ویسم نالے'' کے تین پاٹ تھے. عبدل اور ہدایت تجربتاً آگے ہو لئے بوٹ گلے میں لٹکائے ٹراوزر ٹنگے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے پہلا پاٹ تو یہ نسبتاً آسانی سے پار کر گئے. دوسرے پاٹ کے پانی زیادہ غصیلے اور شوریدہ تھے. کسی قدر دقت کے ساتھ اسے بھی یہ پار کر گئے تیسرے پاٹ کے پانی سب سے اتھرے اور غرور بھرے تھے. بہت تیز بہاو میں جب انہوں نے پہلا قدم رکھا تو ہم سانس روک کے یہ منظر دیکھنے لگے. بہت مضبوطی سے ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے، توازن برقرار رکھتے ہوے یہ نصف تک پہنچ گئے تھے لیکن یہاں ان کے قدم اکھڑنے شروع ہو گئے. حواس بحال رکھتے ہوے انہوں نے عقل کا ہیجان پر ترجیح دی..... واپس ہو لئے. اب ظاہر ہے کہ یہ پانی ہمارے لئے قطعی طور پر یہاں سے نا قابل عبور تھا.

مختصر میٹنگ کے بعد فیصلہ ہوا کہ آگے چلتے ہیں، شاید کہیں نالے کا پاٹ وسیع ہو جائے تو وہاں سے عبور کر لیں گے. پورٹر تو یہ سُن کر یہ جا وہ جا جبکہ ہماری وہی دو ٹیمیں میں اور کرنل آگے جبکہ شیخ اور ڈاکٹر پیچھے. پتھریلا مگر ہموار راستہ تھا. خشک پہاڑ گو تصویر میں بے رنگ تھے لیکن اونچائی میں بہت بلند تھے. نالہ ساتھ ساتھ بہہ رہا تھا. پار دوسرے کنارے پر بھی یہی بلند خشک پہاڑ تھے. انہی خشک پتھریلے پہاڑوں میں اچانک ایک بہت تنوع سے بھرپور تصویر آ گئی. کسی عالیشان محل کے کھلے ہوئے دروازوں جیسا ایک منظر جس میں ایک نالہ جاتا دکھائی دے رہا تھا. یہ کھلے ہوے دروازے مجھ جیسے بدکردار کے ذہن میں فوراً ایک نسوانی تشبیہ لے آئے جو کسی بھی مردانہ خواب کا ایک حسین پرتو ہو. گائی کے کسی سبق

جیسی مماثلت کا ذکر میں نے کرنل سے کیا تو پہلے تو فوراً اس نے لاحول پڑھی. پھر ذرا ٹیڑھی نظر سے جب اسطرف ''اُس'' نظر سے دیکھا تو اسی کا اسیر ہو گیا کیمرے سے کھٹا کھٹ تصویروں کے علاوہ رُک سَیک اتر کر اس میں سے دوربین نکال کر اس کو بغور معائنہ بھی اسی کے نصیب میں تھا کہ یہ دُوربین صرف خاص خاص مواقع کیلئے کام میں لانے کیلئے تھی، میرے جیسے ''عامیانہ'' سوچ والے سے اس کا پرہیز ہی بہتر تھا.

ہمارے راستہ ایک نا قابل عبور چٹان نے روک لیا تھا جو نالے کے بالکل ساتھ ایکدم اوپر کو اٹھی ہوی تھی. اس کے ساتھ چپک کر رینگ کر آگے جانا بہت خطرناک تھا کہ یہ تقریباً راک کلائمبنگ جیسی صورتحال ہوتی جس سے ہم مکمل طور پر نابلد تھے. ذرا سا بھی پاؤں پھسل کر ہمیں نالے کی انتہائی تیز موجوں کا کچھ سیکنڈ کیلئے ایک قطرہ بنا سکتی تھی. ایک ہی راستہ تھا کہ اس ایکدم اوپر اٹھی چٹان کے اوپر چڑھا جائے اور آگے سے نیچے اترا جائے. عمودی چڑھائیاں چڑھنے کے ہم لوگ کچھ عادی سے ہو گئے تھے لیکن جو کچھ وہاں ہوا وہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا. یہ چٹان بہت باریک کنکروں کی سطح والی تھی جس پر قدم پڑتے ہی پتھر پھسل جاتے اور اونچائی کی طرف جاتے قدم کو سنبھالنا ایک بہت ہی جان لیوا امر تھا. واکنگ سٹک کو ایک ایک قدم پر پھنساتے ہم تقریباً درمیان میں پہنچ گئے تھے جب ہم پر یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ ایک نسبتاً آسان راستہ ہم نیچے چھوڑ آئے ہیں. بظاہر خطرناک لیکن صرف پندرہ بیس قدموں پر مشتمل یہ راستہ نالے کے کنارے سے آگے جا رہا تھا جو کہ ہم نیچے چھوڑ آئے ہیں. پتھر بہت زیادہ پھسل رہے تھے اور ہم ایک سخت مشکل میں گرفتار ہو چکے تھے. اوپر جایا جا سکتا تھا نہ نیچے کہ قدم کہیں جمتا ہی نہیں تھا. چھوٹے چھوٹے سنیکروں ہزاروں سنگریزوں کا منحوس شور تھا جو ہر بڑھتے قدم کی آس میں وجود پاتا تھا. دُور نیچے پورٹر نظر آ رہے تھے جو کسی کام میں مشغول تھے. Between devil and the deep blue sea جیسی صورتحال تھی. ایڑی سے چوٹی تک پسینہ بہہ رہا تھا، دماغ خالی ہو چکا تھا اور چہرہ مکمل زرد پڑ چکا تھا. بالکل بیانتھا جیسی صورتحال تھی جس میں ایک قدم اِدھر اور آپ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

فناء کے ہمرقاب. آئیڈیا میشن بھی خالی ہو چکی تھی اور مجھ سے تھوڑا اوپر کرنل بھی اپنے آپ کو مطمئن دکھانے کی ناکام سی کوشش کرتا تھا. میں نے پٹھوں کا پورا زور لگا کر پورٹروں کو آوازیں دیں جو خوش قسمتی سے ان تک پہنچ گئیں. پورٹر دولت کہ کسرتی جسم کا مالک اور جسمانی طور پر سب طاقتور تھا اسطرح بھاگتا اوپر آیا جیسے اپنے گھر کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہو. میرا ایک ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر بہت مشکل زاویوں سے وہ ٹیڑھا میڑھا ہو کر ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتا آخر ایسے مقام پر لے آیا جہاں نیچے ایکدم اترائی اترتی تھی. وہاں مجھے چھوڑ کر وہ واپس کرنل کی مدد کیلئے اسی طرح بھاگتا ہوا واپس ہو لیا. مجھے جاتے دیکھ کر کرنل اندازہ لگا چکا تھا کہ کن زاویوں پر پاؤں رکھو تو وہ نسبتاً پکڑ میں ہوتا ہے اسلئے اس نے دولت کا ہاتھ بھرپور اصرار کے باوجود پکڑنے سے انکار کر دیا. اس کو بس اتنی فرمائش کی کہ اس سے تھوڑا نیچے ساتھ ساتھ چلے کہ اگر وہ پھسلے تو دولت کی رکاوٹ تو ہو. میں سانس روکے یہ دلخراش منظر دیکھ رہا تھا جبکہ کرنل اپنی انوکھی تکنیکوں کو بروکار لا کر کبھی سٹک کو اوپر کبھی نیچے پھنسا کر ایک ایک قدم جانچتا، ماپتا آخر کار مجھ تک پہنچ ہی گیا.

یہ کرنل خطروں کا ایسا نڈر کھلاڑی تھا جو مصائب سے عقل و شعور سے نبرد آزما ہو کر ہمیشہ کامیاب رہتا. آخرائی اترائی بھی کم مہیب نہیں تھی اور میں کہ ہر قدم تولتا، جانچتا آہستہ آہستہ تقریباً پندرہ منٹ میں نیچے آیا تو کرنل اس کو پانچ منٹ میں ہی اتر کر آسودگی سے انر جائل پیتا تھا. نیچے آ کر میرے تنے ہوئے اعصاب بحال ہوئے تو ڈاکٹر وشیخ کا خیال آیا کہ اتنا جان سوز مرحلہ یہ لوگ کیسے طے کریں گے. دولت ہمارے کچھ کہنے سے قبل ہی ان کی رہنمائی کیلئے پیچھے جا چکا تھا اور کچھ ہی دیر میں ٹانگیں کھولے شیخ میرے انر جائل کی خوشبو سونگھتا پہنچ گیا. مجھے ڈاکٹر کی بہت فکر تھی کہ شیخ نے بھی دولت کی مدد کا کم ہی استعمال کیا تھا، اگر ڈاکٹر بھی اسی طرح انا کا اسیر ہو کر اکیلا آیا تو بہت خطرناک تھا. یہ دیکھ کر تسلی گزری کہ ڈاکٹر دولت کا ہاتھ پکڑ کر آ رہا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر آخری مہیب اترائی پر اس نے خود آنے کو ترجیح دی. ''شیخ ذرا تصویریں لینا'' کی پاٹ دار آواز کے ساتھ ہی اس نے ایک عجیب و غریب

حرکت کی. دونوں چھڑیاں زمیں میں جما کر وہ اکڑوں بیٹھ گیا اور قصداً پھسلتے ہوئے نیچے آنے لگا. اس ریاضی کے تقریباً دو سو کے زاویے جیسی اترائی پر اسطرح نیچے آنا سنسنی سے تو بھرپور تھا لیکن حد درجہ خطرناک تھا کہ ذرا سی بھی پھسلن اسے نالے کا ایک حصہ بنا سکتی تھی یہ پندرہ منٹ کا سفر وہ بیس سیکنڈ میں طے کر کے بڑا خوش تھا کہ بڑا ''شارٹ کٹ'' لگایا!!!!

نالہ بہت شور کرتا تھا کہ اس کے کنارے بیٹھے ہمیں ایک دوسرے سے بات بھی اونچی آواز میں کرنا پڑتی تھی. نالہ ہمارے لئے کہیں سے بھی ناقابل عبور تھا کہ سورج کی تمازت نے اس کی لہروں کو زیادہ جون عطا کر دی تھی. یہ سب کچھ خیر عبدل، شاہ اور ثابت کیلئے بے معنی تھا کہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے. خوش قسمتی سے پچھلے سیزن کی بنائی گئی ''پُلی'' کے لوہے کے تار وہاں پڑے مل گئے تھے جس سے وہ ایک نئی ''پُلی'' بنانے میں مصروف تھے. پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر اچھی طرح جما کر دونوں کناروں پر ایک چبوترہ سا بنایا گیا جس میں سے یہ تار گزار کر نیچے قوی ہیکل پتھروں کے نیچے دبا دی گئی. ایک چرخی بھی وہاں دستیاب تھی جس کو اس تار میں سے گزار کر اس کی روانی کا تجربہ کر لیا گیا. ایک آدھ دفعہ تجرباً سامان کو گزارا گیا جو کامیابی سے دوسری طرف پہنچ گیا. میں نے سب سے پہلے جانے کیلئے خدمات پیش کیں جس کے پس منظر میں شجاعت کی بجائے یہ خوف تھا کہ باقیوں کو اس پُلی سے جاتے ''دیکھنا'' میرے لئے ایک دہشت ناک منظر ہوتا، خاص طور پر جب معلوم تھا کہ یہی چھری میرے گلے پر بھی پھرنی ہے ہدایات کا ایک انبار لئے میں نے پُلی کے ہینڈل میں مضبوطی سے ہاتھ جمائے، سر نیچے کیا اور سرکس کے مداری کی طرح ٹانگیں تار تک بالکل سیدھی اوپر اٹھا دیں. بسم اللہ، یا اللہ خیر کے نعروں کی گونج میں پُلی سرکائی گئی. میرے نظروں میں صرف نیلا آسمان تھا اور دل کی دھڑکن کوئی ایک کروڑ. نیچے نالے کی لہروں کی بڑی خوفناک گڑگڑاہٹ. ایک، دو، تین، نہ جانے کسطرح ان دس سیکنڈوں کا یہ دہشت و اذیت کا سفر تھا جو دوسرے کنارے پر عبدل کے مہربان ہاتھوں میں میرے بے ڈول جسم کی بحفاظت گرفت میں منتج ہوا. کامیابی پا کر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

میں شیر ہو چکا تھا اور گلا پھاڑ کر ساتھوں کو اپنے تجربے سے بھرپور مشورے دیتا تھا.

شیخ کی مجھے کچھ فکر تھی کہ پُلی سے لٹکے اس کے پیٹ اور پلی میں کم ہی فاصلہ تھا اور کسی ناخوشگوار حادثے کی صورت میں اس کا پیٹ وہ پہلی چیز ہوتی جو چیرا جاتا لیکن خیر رہی. کرنل کیلئے تو اس سے زیادہ دلچسپ صورتِ حال ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ ٹانگیں قینچی کی طرح ایک دوسرے میں پھنسا کر پُلی پر سے آتا وہ یوکرائن کا کوئی ماہر بازی گر لگتا تھا. ڈاکٹر کیلئے یہ لٹکنا وغیرہ بے معنی تھا. ہمارے بار بار منع کرنے کے باوجود وہ لٹکنے کی بجائے مزے سے اس کے اندر اسطرح بیٹھ گیا جیسے ایوبیہ (گلیات) کی کوئی لفٹ ہو. تیز ترین پانی سے اس کے قدم کوئی دو انچ ہی اوپر ہوں گے. اُس کی اِس کارستانی کا مقصد اس وقت سمجھ میں آیا جب پانی کے عین وسط میں اس کی وہی مانوس آواز آئی

''رکو بھئی، ذرا ایک تصویر تو لے لینے دو.''

اس ظالم کا تصویر کشی کا یہ جنون پانی کے عین وسط میں رکنا اور وہ بھی پُلی کے اوپر ہماری سانسوں کو کچھ دیر کیلئے روکنے کا موجب ضرور بنا تھا.

دوسرے کنارے پر استقبال کیلئے کچھ ''یاک'' ہمیں حیرت سے تکتے تھے. یہ حضرات عین اس وقت تشریف لائے تھے جب ہماری ٹیم کا آخری آدمی ڈاکٹر پُلی کے ذریعے نالہ عبور کر چکا تھا. ذیشان سر توڑ کوشش کے باوجود انہیں بروقت نہیں لا سکا تھا. کچھ کچھ بیل سے مشابہ لیکن جسامت میں ان سے کم ان یاکوں کی آمد ہمارے لئے بہت خوشگوار تھی کہ ایک عرصے کے بعد ایک دوسرے شکلوں کے علاوہ بھی کوئی جاندار دیکھنے کو ملا. ان یاکوں کی چال بڑی مستانی تھی. لہک لہک کر سر اِدھر اُدھر پھینک کر ادا سے چلتے تھے. کرنل کو سنجیدگی سے یہ کہتے سنا گیا کہ ''بھئی یہ یاک ہیں یا کنیاں ہیں؟'' تفریحاً ہم سب نے اس پر تھوڑی دیر کیلئے سواری کی تا کہ اس ''لہک'' سے خود کو مانوس کر سکیں. ڈاکٹر کی قسمت خراب تھی کہ وہ غالباً کسی یاکنی پر بیٹھ گیا. اس کے محبوب یاک سے اپنی محبوبہ کی یہ ہتک برداشت نہ ہوئی اور اس نے کچھ دوڑ کر زور سے پیچھے سے ایک ٹکر ماردی. ڈاکٹر جو سواری کے نشے میں

مدہوش تھا، اس ناگہانی آفت کی تاب نہ لا کر پشت بل گرا پڑا اور ظاہر ہے کہ اسے اپنی کمر اور چوٹوں کی کیا پرواہ ہونی تھی، ہاتھ فوراً گردن سے لٹکے کیمروں پر گیا جن کی حفاظت اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی. ثابت سے اپنے لیڈر کی نہ بے قدری دیکھی نہ گئی اور پنے ڈنڈے سے اس نے یاک کو بھرپور زدوکوب کرنا شروع کر دیا. نہ صرف یہ کہ وہ مارتا تھا بلکہ واخی میں اسے گالیاں بھی دیئے جاتا تھا. حیرت کی بات ہے کہ یاک بڑے برخوردارانہ انداز میں مار کھا رہا تھا اور آگے سے اُف تک نہیں کی. کہاں ڈاکٹر کہ چوٹ کی وجہ سے تکلیف میں تھا اور کہاں ثابت کا ہاتھ پکڑ لیا کہ جانور پر ہاتھ نہیں اٹھاتے. ثابت کا غصہ ٹھنڈا کرنے کیلئے وہ اسی یاک پر دوبارہ سوار ہو گیا جس نے باقی راستہ شریفانہ طریقے سے طے کیا.

وادی رنگ بدل رہی تھی. ہم متواتر اترائی پہ چل رہے تھے. کہیں کہیں سبزہ اپنی جھلک دکھانا شروع ہو گیا تھا. خودرو جھاڑیوں کی ایک کثیر تعداد بھی ہمدم تھی.. جھاڑی میں سے ایک نارنجی رنگ کی بوٹی شیخ نے توڑی اور ہدایت کی صاف کر کے کھالی جائے. اسے کھاتے دیکھ کر میں نے بھی ڈرتے ڈرتے ایک منہ میں رکھی تو دل خوش ہو گیا، حلق انجانے رسیلے ذائقے سے سرشار ہو گیا. ایک گھنٹہ گذرنے کو تھا. منظر تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا. پیروں تلے اب پتھریلے میدان کی جگہ نرم ملائم گھاس نے لے لی تھی کچھ مدھ بھرے چشموں کی خوش کن آواز بھی طبیعت کو آباد کرتی تھی لیکن دور سے نظر پڑتے ''سبزے'' نے تو دل ہی مٹھی میں کر لیا. خشک پہاڑوں کے دامن میں سبزے کا ایک سیلاب تھا جو بے رنگی کو اپنی ہریاول کی گرفت میں لیتا تھا. یہ زمانے سے پوشیدہ چراگاہ ایک ایسی سجاوٹ بھری عمارت لگتی تھی جس کی ہر خشت پر رنگ بکھرے پڑے ہوں. اس چراگاہ میں جنگل تھا، شیشے جیسے شفاف چشمے تھے، شجروں کا ایک انبار تھا. میرے قدم خود بخود تیز ہو گئے. آخری صاف چھوٹے سے نالے کا عبور کر کے بیلے کی گھناوٹ میں نچڑتا ہوا قدم رکھا تو سامنے پانیوں کی بے رنگی کے بعد اتنی ہریاول تھی کہ آنکھیں ہری بھری ہو گئیں. وہاں آسمانوں کو چھوتے پتوں سے باریک ہوتے رُکھ تھے، ان کے تنوں سے لپٹی بیلیں تھیں، شاخوں میں شاید ان پرندوں کے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

گھونسلے تھے جو ابھی کچھ دیر پہلے تک چہکتے تھے. زمین گھاس اور گھنی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی. ہریاول کے اندر جنگلی بیلے کی گھناوٹ میں پوشیدہ وہ کیمپ تھا جو فردوس کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا تھا ..... ''چکار'' آ گیا.

برفوں کی کھُبتی سفیدی، گلیشئر کی ہولناک گیرواہٹ اور پانیوں کی بے رنگی کے بعد یہ چراگاہ ''چکار'' ایک ایسا ناقابلِ یقین کوہِ نور ہیرا تھا جو ہم بنجاروں کی حیات میں صرف دمک اور چمک کے پوتر ہونے کے یقین دلانے کیلئے آیا تھا. شجر، بیلیں، پھول حتٰی کہ پانی بھی بالکل صاف تھے. چلّو بھر کے جو میں نے ایک گھونٹ لیا تو زبان سے لے کر پیٹ تک مٹھاس اور ٹھنڈک کی ایک ناقابلِ فراموش لہر دوڑ گئی. ماحول میں ایک مخصوص مہکار پھیلی ہوئی تھی جو درختوں کے شفاف پتوں اور گلابی پھولوں کے معصوم ڈھنٹھلوں سے آتی تھی. قوس کی شکل میں سکون سے بہتا ایک بالکل صاف نالہ اس بیلے کے اندر سے بہتا تھا جس کی ''یانی'' کی کوئی لازوال سمفنی جیسی لے کانوں میں رس گھولتی تھی. چڑیوں کی ایک حسین چہچہاٹ نے کرنل کو بھی چونکا دیا جو تمام تکنیکیں بھال کر بے ساختہ بولا.

''شکر ہے ایک عرصے کے بعد چڑیاں سنی ہیں، ان منحوس کووں سے تو جان چھوٹی.''

نرم گھاس پر نرم دھوپ میں شکم پروری کا انوکھا تجربہ تھا جو برفوں اور پتھریلے میدانوں کے بعد بہت بھلا لگتا تھا. پانی کی فراوانی دیکھ کر میں اور کرنل جرابیں بنیانیں دھونے لگ گئے. کچھ جھجکتا شیخ بھی تھوڑی دیر بعد آن ملا.

''ہم سخت بور ہو رہے ہوں گے'' ڈاکٹر کی یہ خود ساختہ سوچ اسے بھی کمپنی دینے کیلئے وہاں کھینچ لائی.

یاد رہے کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا تھا کہ ڈاکٹر اسطرح کی ''زنانہ'' حرکتوں سے سخت خائف تھا اور اپنا مردانہ پن بلکہ جاٹ پن (کہ دونوں اس کے نزدیک ایک ہی حالت کے دو نام ہیں) وہ کپڑے 'نہ' دھونے کی تمکنت میں محفوظ رکھتا تھا جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو اس سے بہت محظوظ ہو رہے تھے. بالکل ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی دیہاتی

پنگھٹ ہے جہاں ہم تین سکھیاں چُہلیں کر رہی ہیں اور ہماری حفاظت کیلئے ایک ''سِکھ'' ڈاکٹر مامور ہے.

'چکار' بنیادی طور پر ایک چراگاہ ہے جہاں شمشالی لوگ اپنے جانوروں کو سیزن میں لاتے ہیں. ویسم کی طرح یہاں بھی پتھروں سے تعمیر کردہ دو ہٹ اور ایک وسیع چاردیواری موجود تھے. کچھ غیر معروف سے چہرے بھی دِکھتے تھے جو اپنے جانوروں کے ساتھ آئے ہوئے تھے. وسیع تعداد میں یاک اور خوش گاؤ ذرا فاصلے پر جگالی کرتے تھے. سورج ڈھلتا ڈھلتا درختوں کے جھنڈ میں اترا لیکن وہاں موجود گلابی پھولوں کی باس کا یوں اسیر ہوا کہ دیر تک ڈھلا نہیں اور پھر اسی باس کے زیر اثر ایکدم ڈھے گیا. گلابی شام بھی فوراً ظاہر ہوئی اور ہولے ہولے بڑھتی دبے پاؤں پھیل گئی. اس گلابی شام کی مہکار میں کمی تھی تو ایک نقرئی ہنسی کی جو کہ کسی نسوانی حلق سے برآمد ہو. پتوں کو لپیٹ دے، رکھوں میں چھید کر جائے، گلابوں کی ڈالیاں کا حصہ بن جائے اور سیدھا مَن پر چھاپہ مار کر اسے اپنا اسیر بنا ئے. یہ آپ کے ذوق پر ہے کہ وہ کترینہ کیف کے گلابی ہونٹوں سے برآمد ہو، آمنہ حق کے دمکتے موتی دانتوں سے آزاد ہوئی ہو، ماریہ شراپووا کے گالوں کی لالی سے نچڑی ہوئی ہو یا پھر کسی بھی سارہ، فائزہ، سرُ جیت، امریتا، وِنڈی، سُوزن کسی کی بھی ہو لیکن ہو سہی کہ کیا کیا جائے، فطرت کی جملہ شادابی وضاعی ایک طرف اور کسی بھی سر جھٹک کر ادا بھری نسوانی ہنسی کا ایک ثانیہ ایک طرف. یہ ادا دلہک اگر فطرت کے ہمدم اگر ایسی کسی پوشیدہ جگہ پر عطا ہو جائے تو پھر کون گھامڑ ہوگا جو واپس لوٹے گا..... انہی شاموں کا اسیر ہو کر یہیں کہیں کھو جائے گا.

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

شِیوَ رت کا شلپنڈ وک۔
کیا بکرا مولوی کے بغیر ذبح ہوسکتا ہے

کی خوبصورت تاروں بھری رات کی جھلملاہٹ ابھی باقی تھی کہ میں باہر آ گیا. یہاں ہر شے میں ایک کھنک بھی خاص دمک تھی. ماحول کی کوملتا کو اپنی نزاکت کی دھنک بخشنے سویر بھی دبے پاؤں چلی آئی. میں قریب موجود نالے پر بیٹھا تھا. نالے کے شفاف پانیوں پر اس سویر ایسی ہلکی دھند ٹھہری ہوئی تھی جس کے پار دیکھا جا سکتا تھا اور نہیں بھی دیکھا جا سکتا تھا. اس دُھند کے اندر چڑیاں چہکتی تھیں، کبھی کوئی کونج اس دُھند میں سے نمودار ہوتی. اس دُھندلی سویر کے سحر میں گرفتار میں دم بخود بیٹھا تھا. دُھند کے یہ سفید ذرّے آنکھوں میں سرایت نہ کر سکتے تھے کہ ان میں حدّت قائم تھی جو حیات کے دُھندلکوں کو پگھلا کر ان کے پار دیکھنے کی صلاحیت رکھتی تھی. اس سویر میں خوشی کی پھواریں پھوٹتی تھیں، مسرّت کے گیت گاتی تھیں اور مَن کے سلیٹ پر وہ تصویر نقش کرتی تھیں جس نے آئندہ

زمانوں میں یاد کو ایک بھڑکتی لو کی صورت روشن رکھنا تھا.

ہٹ میں سے مائیکل ذیشان ناشتے کی ٹرے کے ساتھ نمودار ہوا. آج ٹیم ممبران میں چار یاک حضرات کا اضافہ ہو گیا تھا. ہم نے اس پر بیٹھ کر ہولناک چڑھائیاں اترائیاں عبور کرنے کی بجائے پیدل چلنے کو ہی ترجیح دی. صرف ڈاکٹر تھا جس نے تجربتاً یاک سواری کی کچھ کوشش کی مگر کچھ ہی دیر بعد تائب ہو کر زمین پر آ گیا اسلیئے اب یہ یاک سامان برادری کے کام آ رہے تھے. ہمارے خوراک کا ذخیرہ آدھے سے زیادہ کم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی کافی سامان تھا. ان یاکوں کی آمد سے پورٹروں کو کچھ راحت ملی تھی اسلیئے آپس میں کافی چہکتے تھے. ہدایت ایک یاک کے ساتھ نبرّد آزما تھا جو تھوڑی مستی کر رہا تھا. اسے راہِ راست پر لانے کیلیئے وہ کافی زبان درازی اور کچھ کچھ دست درازی بھی کر رہا تھا. ڈاکٹر سے یہ سب کچھ نہ دیکھا گیا اور رحم کی اپیل کرتے ہوئے بولا ''چھوڑو بھی یار، اسے کچھ پیار کرو''.

ہدایت کہ بھرپور سرخ چہرے والا عموماً سنجیدہ رہنے والا انسان تھا، یاک کو ڈاکٹر کے پاس لا کر بولا.

''اچھا تو پھر لا دو کوئی سن بلاک کریم کہ اسے بھی پیار کی نشانی لگا دوں.''

بھرپور قہقہے نے ڈاکٹر کے ''پیار'' کو بے توقیر کر دیا.

کیمپ کے بالکل عقب میں موجود پہاڑ بی پی چڑھائی تھا. صبح لگایا گیا سارا سن بلاک، کریم وغیرہ پسینے کی تہوں میں بہہ گئے. ایک گھنٹے کی متواتر چڑھائی نے سارے کس بل نکال دیے. میرا پرانا گھٹنا درد بھی موہوم سی یاد کی صورت پلٹ آیا تھا اور ہلکا ہلکا درد کرتا تھا. ایک گھنٹے کے بعد راستہ کچھ ہموار ہوا تو ساتھ بہتے سبزی مائل جھاگ اڑاتے نالے پر توجہ ہوی جو کنواری برفوں سے وجود پایا تھا. راستہ کچھ بل کھاتا بائیں طرف مڑ چکا تھا جہاں دور پہاڑوں میں ''برالڈو پاس'' دِکھتا تھا. دُور نشیب میں برالڈو گلیئشر بھی نظر پڑتا تھا. کرنل نے مجھے ٹہوکا دیا کہ اسے دیکھ لو بعد میں نظر نہیں آئے گا لیکن میں اسے بالکل ایک نظر بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا. وادی اب بہت کھل چکی تھی. ایک وسیع میدان تھا جس میں شفاف ''زرسنک

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

نالہ'' بہتا تھا ۔ دور میدان کے وسط میں ایک بہت بڑا پتھر ایستادہ تھا۔ راستے میں جا بجا پتھروں کا اکٹھا کر کے ایک نشانی سی بنائی گئی ہوئی تھی۔ عبدل کے مطابق یہ راستے کے نشان ہیں جو سنگِ میل کی طرز پر مقامی لوگوں نے لگائے ہیں۔ ایک حیرت انگیز امر یہاں کے پتھروں کا رنگ تھا۔ چھوٹے پتھر تو اسی طرح گیروی یا کالے تھے لیکن کچھ بڑے پتھر تھے جن کے اوپر نارنجی رنگ کے ایک سفوف کی لہری بچھی ہوئی تھی۔ عجیب گلرنگ سے پتھر تھے۔

ایک بڑے پتھر کا نام عبدل نے 'دیلو' بتایا۔ بہت دلچسپ پتھر تھا جس کے اردگرد پتھروں کی ایک باڑ سی بنائی گئی ہوئی تھی۔ اندر جا بجا مارخور کے سینگ ایک آتشدان اور کچھ راکھ پڑی ہوئی تھی۔ عبدل نے اس پتھر کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات دیں۔ ویسے بھی چونکہ بریک ٹائم تھا اسلئے قہوے کی چسکیاں لیتے یہ سب بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اس کے مطابق ایک زمانے میں یہاں ایک یاک آ کر بیٹھ گیا تھا۔ تمام تر مار اور تشدد کے باوجود وہیں جما بیٹھا رہا تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ آخر اُٹھ کیوں نہ رہا۔ اس کو دیکھنے کیلئے وہاں کافی لوگ جمع ہو گئے۔ کافی دن بیٹھنے کے بعد جب وہ یاک وہاں سے اٹھا تو اس پتھر کے ایک کونے سے ''گھی'' نکلنا شروع ہو گیا۔ عبدل کے مطابق ابھی بھی مخصوص ایام میں وہاں اسی جگہ سے گھی نکلتا ہے۔ اس آتشدان کو عبدل نے گوشت بھوننے کی جگہ بتائی۔ اس کے مطابق ہر سال 28 جولائی کو ایک عظیم الشان ''یاک ریس'' ہوتی ہے جو شمشال پاس سے شروع ہو کر یہاں 'دیلو' میں ختم ہوتی ہے جس کے بعد رقص و موسیقی کے بعد یہاں دعوتِ شیراز کا بندوبست ہوتا ہے۔ یہ بہت خاص موقع ہوتا ہے کیونکہ جیتنے والے یاک کا مالک اگلے سال کیلئے باعثِ عزت واحترام ہوتا ہے۔ اپنے علاقے کے اپنے رواج۔

دیلو کے بعد ایک اور چڑھائی آئی جو اتنی دشوار نہیں تھی۔ نیچے نشیب میں ایک برفیلا میدان دکھتا تھا جس کے آس پاس کافی نباتات سے سبزہ تھا۔ نیچے اترے تو برف سے اٹا ایک میدان تھا جس میں کہیں کہیں سے ایک نالہ جگہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سخت برف تھی اسلئے اس کے اوپر چلنے میں کوئی دقت نہ تھی بلکہ راحت ملتی تھی۔ برفیلے میدان کے اختتام

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

پر نسبتاً بلندی پر ایک گاؤں سا نظر پڑتا تھا۔ اطراف پہاڑوں کے دامن میں کافی وسیع تعداد میں گھاس اور اس میں چرتے کالے، بھورے، سفید یاک اور بکرے بہت بھلے لگتے تھے۔ برف کے خاتمے پر گھاس میں جا بجا چھوٹے چھوٹے زرد پھول لہلہاتے تھے۔ پتھروں سے تعمیر کردہ تیس چالیس گھروں پر مشتمل ایک گاؤں سا تھا۔ صرف چار گھنٹوں کے سفر میں ہی ہم ''شِیوَرت'' پہنچ چکے تھے۔ کی طرح شِیوَرت بھی ایک ایسا ہیرا تھا جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ گھنے درختوں سے اٹا، سبزے میں نچڑا یہ گاؤں ایک حالتِ فسوں میں لگتا تھا۔ سکون سے بہتے چشموں کے فواروں جیسے پانی ٹھہرے ہوئے لگتے۔ اتنے دنوں کے جیتے جاگتے چلتے پھرتے انسانوں کی رونق نے دل آباد کر دیا، طبیعت کو شاد کر دیا۔ یہ بھی بنیادی طور پر ایک چراگاہ تھی (ذرا بڑی اور مشہور) جہاں شمشالی لوگ سیزن میں اپنے جانوروں کے ساتھ آ کر آباد ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے خاتمے پر دو تین کے سوا سب واپس چلے جاتے ہیں۔ میں اور کرنل گاؤں کے باہر ہی بیٹھ گئے جبکہ عبدل ہمارے لئے چائے لانے گاؤں میں چلا گیا۔

قدیم اور روایتی لباس گھیرا دار قمیض اور کالی شلوار پہنے ایک عورت کے ساتھ چائے پکڑے واپس آیا۔ ہم چائے کے بعد کافی دیر بیٹھے رہے کہ شیخ و ڈاکٹر کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ نرم ٹھنڈی سی ہوا چل رہی تھی جو ہمارے گالوں کو بوسے دیتی جاتی تھی۔ عبدل کچھ دیر کے بعد پھر آیا اور تجویز دی کہ ہم تو کھانا کھا لیں کہ زیادہ بندوں کا بندوبست انتظامی طور پر بھی اکٹھے مشکل تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے تنگ گلیوں میں سے ہوتے ہوتے ایک گھر میں آ گئے۔ سیاہ ہوتی لکڑی سے بنے اس کمرے میں عبدل کی ایک رشتہ دار بہن روٹی پکا رہی تھی۔ لکڑی کے تخت پر قالین اور چادر بچھی ہوئی تھی۔ دن کی روشنی میں بھی نیم اندھیرے اس کمرے میں ایک بڑا ہی خاص افسانوی ماحول تھا۔ سرخ رنگت سے گندھی ہوئی عبدل کی بہن ٹوٹی پھوٹی اردو بولتی تھی کہ اس نے انٹر تک تعلیم حاصل کی ہوئی تھی۔ اس کیلئے اسے شمشال چھوڑ کر سوست جانا پڑا تھا کہ شمشال میں کوئی گرلز کالج نہیں ہے۔ ایک بڑی سی

www.kmjeenovels.blogspot.com

پراٹ میں ایک کافی بڑی روٹی پر مکھن اور پنیر لگا کر پیش کی گئی کہ ''شلپنڈوک'' یہاں کی خاص خوراک ہے. اس ''شلپنڈوک'' نے اطالوی پنیروں سے بڑھ کر مزہ دیا اور بعد میں چائے نے تو اس خوراک کو ایک ناقابلِ فراموش یاد بنا دیا.

گاؤں سے تھوڑا باہر نسبتاً بلندی پر کیمپ ترتیب دے دیا گیا تھا. ہم تنگ گلیوں سے نکلتے مقامیوں کو تجسس سے دیکھتے چلے آئے. فطرت کی کھری تصویریں یہاں کے لوگوں کے رنگ عموماً سرخی مائل تھے جس پر بچوں کے سنہرے بال دلکشی کو بڑھاتے تھے. ایک وسیع باڑہ تھا جہاں شام کو جانوروں کو باندھا جاتا تھا. گاؤں سے نکلتے ہی دائیں اور اوپر ایک ضخیم گلیشئر ''یازگلیشئر'' تھا اس کے بالکل ساتھ چھ ہزار میٹر سے بلند ''منگلیک سَر'' تھی. ''شمشال پاس'' کا آغاز بھی تھا جہاں دل کو موہ لینے والی دو جھیلیں بھی تھوڑا آگے تھیں. اس علاقے کو پامیر بھی کہا جاتا ہے. گھاس چرتے سینکڑوں جانور بہت بھلے لگتے تھے. عبدل کی بات نے مجھے بہت آزردہ کیا کہ یہاں گاؤں کے بائیں طرف سب نر یاک ہوتے ہیں جبکہ ان کی مادہ خوش گاؤ کو یہاں سے دور جھیل پر چرنے دیا جاتا ہے. رات کو بھی انہیں مختلف جگہوں پر باندھا جاتا ہے. مشیوں سے دور، فطرت کے دامن میں یہ غیر فطری تفاوت مجھے کسی طور ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ یہاں کون سے انہوں نے کوئی ہل چلانے تھے کہ ''توجہ'' اسطرف سے ہٹ کر نین لڑانے میں مصروف ہو جائے گی. اس مردانہ زنانہ 'فاصلے' کی زنجیروں نے مجھے ان جانوروں کا ہمدرد بنا دیا جو غالباً دل کا حال جان کر بڑی غمگین نگاہوں سے مجھے دیکھتے تھے.

شیخ و ڈاکٹر کی آوازوں نے مجھے اپنے خیمے میں بیٹھے نوٹس لیتے چونکا دیا. گذشتہ دو دنوں سے شیخ و ڈاکٹر اس بکرے کی خیالی تصویریں کھینچتے رہے تھے جو یہاں ملنا تھا. شیخ بضد تھا کہ کالے رنگ کا ہو جبکہ ڈاکٹر کا ووٹ سفید کے حق میں تھا. اس کی جسامت، متوقع گوشت بھوننے کے طریقے اور کونسا حصہ پہلے کھایا جائے کونسا بعد میں، اس پر اتنی سیر حاصل گفتگو ہوتی تھی کہ میں تو کئی دفعہ اکتا کر اٹھ گیا تھا. کرنل گھنٹوں میں سر دے مناسب لقمے دیتا تھا

کہ اس کا بنیادی اعتراض جانور کی ساخت پر نہیں، اس کی جنس پر تھی. ''بکری'' کے متوقع امکانات اس گفتگو میں اس کی دلچسپی کو دو چند کر دیتی تھی.

قابلِ فہم طور پر اسی لئے ڈاکٹر کیمپ میں آ کر سب سے پہلے بکرے کی بابت پوچھ رہا تھا. مجھے چونکہ یہ جانوروں اور پکانے سے بہت کم دلچسپی تھی اسلئے میں چُپکا بیٹھا رہا. طے یہ ہوا کہ عبدل اور ہدایت، شیخ کے ساتھ جائیں گے اور بکرا خرید کر لائیں گے. ڈاکٹر گاؤں میں منادی کرا آیا تھا کہ ناک بہنے سے لے کر بواسیر تک جس کو جو بھی بیماری ہے، وہ ایک گھنٹے کے بعد ایک مقررہ گھر میں آ جائے جہاں ڈاکٹر اپنی دوائیوں کے صندوق کے ساتھ آئے گا. چونکہ متوقع مریضوں میں خواتین بھی شامل ہونی تھیں اسلئے ''کمپاونڈر'' کرنل دوائیاں اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے رواں دواں تھا. ان کا یہ دورہ اتنا کامیاب نہیں رہا تھا کہ زیادہ تر مریض ''خارش'' کی دوائی کے مطلوب تھے. خواتین مریضوں میں ''حاملہ'' مریضوں کی عجیب و غریب بیماریوں نے ڈاکٹر کی طبیعت کو بہت مکدر کر دیا اور وہ دونوں جلدی واپس آ گئے.

کیمپ میں ایک حسین و جمیل بکرے کی آمد نے ڈاکٹر کی طبیعت کو آباد کر دیا. چونکہ ''ذبح'' کرنے کا معاملہ درپیش تھا اسلئے شیخ سب سے آگے پیش پیش تھا. یہ شوق چونکہ صرف شوق تھا، مناسب تجربے سے عاری تھا اسلئے چھری پھرتے ہی بکرے کے حلق سے تکلیف دہ آوازیں نکلیں، وہ کسمسایا لیکن..... زندہ رہا. شیخ نے کئی دفعہ چھری چلائی لیکن نتیجہ وہی. دراصل ناتجربہ کاری کے علاوہ اس نے چھری پر توجہ نہیں کی تھی جو کافی کند تھی. آئیڈیا میشن کو فوراً خیال آیا، بھاگم بھاگ آ کر رُک سیک میں سے اپنا چاقو نکال کر واپس گیا جس نے یہ سارا کام آسان کیا. شیخ کہ اپنی ناکامی پر شرمندہ تھا، نظریں نیچی کئے کھڑا تھا. کرنل کو شرارت سوجھی، ڈاکٹر کو مخاطب کر کے سوال کیا

''کیوں لیڈر، ایک شرعی مسلہ ہے، کیا ایک بکرا مولوی کے بغیر بھی ذبح ہو سکتا ہے؟''

لیڈر نے نگاہ و آواز میں ایک مدبّر شرعی پن پیدا کیا اور جھٹ بولا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

''میرا فتویٰ ہے کہ بکرا کیا دنیا کی ہر چیز مولوی کے بغیر ذبح ہو سکتی ہے.....''

رات کو گاؤں والوں کی طرف سے ہماری دعوت تھی. ایک اندھیرے کمرے میں لالٹین جلائے ایک بوڑھی واخی عورت نے ہمارا استقبال کیا. یہ عورت بالکل اردو نہیں بول سکتی تھی. پر خلوص لہجے میں واخی بولتی اس بزرگ عورت نے بڑی محبت سے خود بنایا ہوا ''میلندا'' پیش کیا. آٹے، پنیر اور مکھن کو مدغم کر کے ایک ملغوبہ سا تھا. اس نمکین ''میلندا'' کے پہلے لقمے نے ہی چودہ طبق روشن کر دیے کہ ہمارے لئے یہ ملغوبہ کھانا ذرا مشکل کام تھا.

ہم بظاہر باتوں میں مصروف ہو گئے مگر مقصد اس کھانے سے صرف نظر تھا. پورٹر اس خوش ذائقہ کھانے سے بھرپور لطف اٹھا رہے تھے اور رغبت سے کھاتے جاتے تھے. واپسی پر شیخ بھرپور اشتیاق اور تجسس میں تھا کہ بکرے کی کلیجی انجانے ذائقوں سے روشناس کرائے گی. ڈاکٹر بھی اتنا ہی پرشوق تھا حتیٰ کہ کرنل بھی ان کے رنگ میں رنگا جا چکا تھا. کیمپ میں ڈاکٹر کا سختی سے بھرپور حکم آیا.

''کلیجی لائی جائے اور جلدی لائی جائے.''

میں شرمندہ ہو رہا تھا کہ پورٹر کیا سوچیں گے ہم ان کے علاقے کی خوراک کو اسطرح چھوڑ کر آ گئے ہیں لیکن ڈاکٹر کے لہجے میں استقامت اور آنکھوں میں امید کے چراغ روشن تھے.

انتظار کی گھڑیاں طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھیں کہ اتنی بلندی پر یہ سخت خنکی میں بھوننے کا عمل ذرا تاخیر سے ہی ہو سکتا تھا. ڈاکٹر انتظار کی تاب نہ لا سکا اور اس نے ''جہاں ہے جیسے ہے'' کی بنیاد پر خوراک طلب کر لی. اس کہیں کہیں سے بھونی گئی کلیجی کو توڑنے بلکہ بھنبھوڑنے کیلئے دانتوں کی کافی طاقت چاہیے تھی. مجھے یہ سب برا لگ رہا تھا لیکن اس نقار خانے میں مجھ طوطی کی آواز سننے والا کوئی نہ تھا. خدا خدا کر کے وہ کلیجی نما خوراک حلق سے اتری. ابھی وہ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر نے اگلا بم گرا دیا.

''مزہ نہیں آیا، گوشت پکایا جائے.''

پورٹروں نے تعجب سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، عبدل نے ہمت کر کے کہا ''بہت دیر

لگ جائے گی، دو تین گھنٹے لگ جائیں گے.''

لیکن ڈاکٹر اپنے ضد کا جاٹ تھا معاف کیجئے گا پکا تھا اٹل لہجے میں بولا ''چاہے ساری رات لگ جائے لیکن گوشت کھا کر ہی اٹھیں گے.''

میری آنکھوں میں نیند کا زبردست خمار تھا لیکن آج تو بہت برا پھنس گیا تھا کہ سب میرے خیمے میں ہی جمع تھے اسلئے لیٹنے کی کوئی جگہ تھی نہ ہی اجازت. سخت کوفت بھری حالت میں میں منہ کھول کر بڑی بڑی جماہیاں لیتا تھا کہ شاید ارادہ تبدیل ہو جائے لیکن فیصلہ تو پتھر پر لکیر تھی. وقت گزارنے کیلئے میں نے شیخ سے گپ شپ کی کوشش کی لیکن اِدھر موضوع سخن صرف اور صرف گوشت پکانے کی ترکیبیں تھا جس میں میں بالکل صفر تھا. طبیعت سخت مکدر ہو رہی تھی. خدا خدا کر کے گیارہ بجے گوشت آیا. حسبِ توقع بھرپور خنکی کی وجہ سے صحیح نہیں پک سکا تھا. اس ادھ پکے ادھ بھنے گوشت کو کھانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وحشیوں کی طرح جسم کی پوری طاقت لگا کر کسی طرح بوٹی کو ہڈی سے علیحدہ کیا جائے اور پھر دیر تک چبایا جائے جب تک وہ پیٹ میں نہ چلی جائے. جہاں اتنے بہت خوش ذائقہ کھانوں کی یاد تھی وہاں اس وحشیانہ کھانے نے بھی یاد میں ایک انمٹ جگہ بنا لی. ایک سبق البتہ مجھے ساری زندگی کیلئے یاد ہو گیا تھا کہ ''ایک بکرا مولوی کے بغیر بھی ذبح ہو سکتا ہے.''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

شمشال کی گھاٹیوں میں سکندرِ اعظم

ہال طالبعلوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی.....

کُل پاکستان تقریری مقابے کا فائنل راونڈ تھا. کانٹے دار مقابلہ جاری تھا. مقررّین کے گلے جوش بھرے جذبات کی رو میں آ کر بیٹھتے جاتے تھے. طنز و تشنیع، اشعار، دلائل، بھرپور ہُوٹنگ، سب جاری تھا. میں بھی مقررّین میں شامل تھا اور مطمئن تھا کہ میرے دلائل کا اب تک کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا. موضوع ''حُسن و نزاکت کے سامنے فہم و دانش ہیچ ہے'' کی مخالفت میں میری ٹیم کا پلڑا واضح طور پر بھاری تھا. اچانک ہال میں خاموشی چھا گئی. نعرے لگاتی آوازیں دب گئیں، سر کھجاتے عمر رسیدہ جج صاحبان سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پورے ہال کی توجہ اگلی مقررہ پر مرکوز ہو گئی. نام تو مقررّہ کا اعلان ہوا تھا لیکن ڈائس پر ایک مصری کی ڈلی کھڑی تھی. ریشم کے تار سنہری بال، کنوارپنے کی مسکان زدہ برف سفید رنگت، آنکھوں میں جھلملاتے دلفریب ہیرے. یہ ایک دل کو جکڑ دینے والی ساحرہ تھی جس نے پوری محفل پر منتر پڑھ دیا تھا. موضوع کی حمایت میں اس نے تقریر شروع کی تو جھٹکے سے

حقیقت کی دنیا میں واپس آ گیا. یہ آخری مقررّہ تھی اور ہماری ٹیم کی جیت کا دارومدار اس ایک تقریر پر تھا. تقریر کیا تھی کچھ بے ربط عام سے جملوں کا ایک مجموعہ تھی. مناسب دلائل اور اشعار سے عاری لیکن پورا ہال دم بخود تھا. یہ بے خودی حسن کے اس بے مثال پیکر کی ان پوشیدہ 'اداوں' کی مرہونِ منت تھی جو ساحرہ بڑی چابکدستی سے بظاہر بے نیازی سے روا رکھ رہی تھی. سَر کو ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر چہرے پہ آئی ہوی ایک شرارتی لٹ کو پرے کرنا. دوران تقریر ہولے سے ابرو کا ایک خفیف سا اشارہ، دائیں بائیں ہونے کے بہانے نازک کمر کے دلنشین لچکیلے پن کو واضح کرنا. یہ تو اگر کچھ بھی نہ بولتی، بس ذرا ڈائس پر کھڑا ہو کر ہی چلی جاتی تو تمام انعامات کی حقدار ٹھہرتی. میں نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کر کے ذہنی طور پر دوم انعام کیلئے تیار ہو کر اس کو سننا شروع کر دیا. تقریر کا اختتام تھا. شہنشاہ جہانگیر کا ذکر ہو رہا تھا کہ وہ شام کی سیر کیلئے باغ میں تشریف لائے. ملکہ نور جہاں پہلے سے محوِ انتظار تھیں. دورانِ سیر بادشاہ کو ایکدم خیال آیا، ملکہ کی طرف متوجہ ہوے اور استفسار کیا.

''ملکہ! وہ کبوتر جو میں نے آپ کو دیئے، وہ کیا ہوے؟''

''اُڑ گئے!!'' ملکہ نے بے پروائی سے جواب دیا.

''اُڑ گئے!!'' شہنشاہ نے حیرت سے پوچھا ''مگر کیسے؟؟''

ملکہ نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچیں اور دونوں ہاتھ تھوڑا اوپر اٹھا کے سیدھی کھول دیں.

''ایسے.....''

اب یہ ان حنائی ہاتھوں کا کمال تھا، مخروطی انگلیوں کا جادو تھا، ادا کا سحر تھا یا کچھ اور کہ ساحرہ تو تقریر کا یہ آخری جملہ کہہ کر نیچے اتر گئی لیکن ہال کو سانپ سونگھ گیا.

محفل کم از کم تیس سیکنڈ تک ایک مکمل ٹرانس میں تھی. ہولے ہولے جب جادو کا اثر ختم ہوا تو ہال ہوش کی دنیا میں واپس آیا. تالیوں کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ تھا جو کئی منٹوں تک جاری رہا. تقریب تقسیم انعامات اس کے بعد ظاہر ہے ایک رسمی کاروائی رہ جاتی تھی کہ عمر رسیدہ ججوں کی انگلیوں نے کیا فیصلہ کرنا تھا، یہ فیصلہ تو ان کی نا آسودہ تمناوں، بے نام

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

خواہشوں، مدہم پڑھ گئے جذبات کے ابال نے کب کا کر دیا تھا. حیرت انگیز طور پر مجھے بھی اس منطقی طور ''نا انصافی'' کا کوئی ملال نہ تھا کہ اس واقعے نے حیات کے گملے میں ایک گلرنگ بُوٹا لگا دیا تھا کہ جس کی بھینی باس نے یاد کو معطر رکھنا تھا.

یہ باس بھی کیا ظالم شے ہے. ایسے غیر متوقع مقامات پر دبے پاؤں چلی آتی ہے کہ جہاں آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو. ہر مرد کی، عورت کی، پھول کی، نظارے کی جھیلوں کی، اپنی ایک خوشبو آتی ہے جو زماں و مکاں سے ماورا ہو کر آپ کو اپنی گرفت میں لیتی ہے. اس ٹھٹھرتی خنک صبح جب ہم نے شیوَرت کو الوداع کہا تو میرے کسی گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس مہ پارہ کی مہکار مجھے ایسی کھنک کے ساتھ، ایک ایسی دلفریب جگہ پر اپنے سحر میں لے گی کہ ذہن کے خلیوں سے نکل کر قلب کے نہاں خانوں میں رچ کر روح کی گہرائیوں میں اتر جائے گی. ڈاکٹر نے پہلے خبردار کیا تھا کہ یہاں شمشال درّے سے اترتے ہی دو جھیلوں سے واسطہ پڑے گا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ ڈاکٹر اس حد تک دروغ گوئی کر سکتا ہے. وہاں جھیلیں تو نہیں تھیں، دو انمول ہیرے ضرور دمکتے تھے. دلکشی اور دلآویزی کی حسین صناعیاں، ایستادہ پانی کے دو عظیم ذخیرے. ایک نے مہین سی کنواری برف کی چادر اوڑھی ہوی جبکہ دوسری بے لباس، اپنے ایک ایک انگ، کُل ترنگ کو عریاں کیے ہوئے. شیشہ سبزی مائل پانیوں سے لے کر سطح تک موتیوں کا ایک خزانہ تھا جو عیاں ہو گیا تھا. قریب موجود برفپوش پہاڑ کا عکس اس میں اسطرح جھلملاتا تھا کہ اپنے دھیان میں چلنے والا کوئی بے خود چھپاک سے جھیل میں گر سکتا تھا. میں نے جھیل کے کنارے بیٹھ کر اندر جھانکا تو میرے چہرے کا عکس اس میں ہولے ہولے ہلتا تھا. اس چہرے پر امیدیں تھیں، رونق کی اشتہا تھی، زندگی کی ہوس تھی. یہ میرا اپنا چہرہ نہیں دِکھتا تھا. یہ تو وہ چہرہ تھا جو اس 'باس' کے تحیّر میں اپنی شناخت کھو چکا تھا جس نے بیس سال پہلے کی یاد کی چنگاری کو سلگا کر خود سے بیگانہ کر دیا تھا. اس خوشبو نے تمام حسیات پر قبضہ جما کر بے خودی کے ایسے احساس سے روشناس کر دیا تھا کہ بصارت، سماعت سب بے وقعت ہو گئے تھے، صرف ایک قوتِ شامعہ تھی جو کُل کائنات

میں حکمرانی کرتی تھی. اس ''اُڑ گئے، کیسے، ایسے'' نے صرف اپنی خوشبو کے زیر اثر مجھے جسم کی مجبوری سے علیحدہ کر دیا تھا اور میں ہولے ہولے گول گول ہوا میں اڑتا تھا.....

میرے قدم میرے اختیار میں قطعاً نہیں تھے.....

کچھ ایسا سحر تھا کہ بے گانہ ہو چکا تھا.....

ان جھیلوں کی خوشبو نے اُس بے مثال حسینہ کی باس سے مل کر روح کو ایک ایسی لذت سے رُوشناس کرایا تھا جس کا انمٹ نقش بے ثباتی کے تعفن میں مہکاریں بکھیرتا تھا، زندگی کے میلے کو خوشبودار بناتا تھا.

ان نیلی چمکیلی جھیلوں سے اپنے آپ کو جدا کرنا ایک بہت مشکل امر تھا. کرنل بھی اپنی تمام تکنیکیں بُھلا کر جھیل کنارے مبہوت بیٹھا تھا. میں تو خیر خود سے ہی بے خود تھا لیکن شیخ کی آمد اور ایک مذہبی قسم کے کھنکارے نے ہم دونوں کو ہوش کی دنیا میں لوٹا دیا. شیخ ہم سے کافی دیر بعد چلا تھا. رات رکھا گیا پانی نقطۂ انجماد سے نیچے درجہ حرارت کی وجہ سے برف بن چکا تھا اسلئے ہم دونوں نے ''فارغ'' ہونے کیلئے مٹی اور پتھر کا بے دریغ استعمال کیا تھا. شیخ البتہ اس حرکت کے بارے میں شک میں تھا کہ اب تک کا بچایا ایمان کہیں مٹی کے ڈھلیوں میں 'بھرشٹ' نہ ہو جائے اسلئے دھوپ نکلنے کا انتظار کر کے چلا تھا تاکہ فارغ ہونے کیلئے 'وافر' پانی ہو. ہم دونوں نے اپنی راہ لی کہ شیخ کو اس تحیّر کا شکار ہونے دیں جس نے کافی دیر تک اُسے مبہوت رکھنا تھا. شنید تھا کہ آگے اب اترائی ہے اسلئے میں نے جیکٹ اتار دی تھی. کھلی قمیض میں اپنے آپ کو پا کر ایک عرصے کے بعد بڑی تازگی کا احساس ہوا.

وادی تنگ ہوتی جا رہی تھی اور ایک سرخ پتھروں سے مزیّن رستہ بتدریج اترائی کی طرف گامزن تھا. ایک خوبصورت نالہ ہمارے ساتھ ساتھ نیچے اترتا تھا. ایک موڑ مُڑ کر ذرا سیدھے ہوئے تو ایک دلخراش اترائی منتظر تھی. ریاضی کے دو سو کے زاویے پر اترتی اس اترائی کے اختتام پر دریائے شمشال ایک لکیر کی صورت نظر آتا تھا. کم از کم ایک ہزار فُٹ نیچے دریا کے ساتھ دو تین پتھریلے ہٹ بھی نظر پڑتے تھے. میں تو اس بی پی اترائی کو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

دیکھ کر دل شکستہ بیٹھ گیا مگر کرنل کی باچھیں کھل گئیں. ایک عرصے کے بعد ایسا راستہ آیا تھا جس میں ''تکنیک'' کا استعمال لازمی تھا اسلئے اس کے چہرے پر انمول خوشی تھی. میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ اترائی چڑھائی سے دوگنی مشقت آمیز، سخت اور خطرناک ہوتی ہے. چڑھائی میں تو آپ پورا جسم کام کر رہا ہوتا ہے لیکن اترائی میں تمام جسم کا زور گھٹنوں سے لیکر ٹخنوں تک کے علاقے میں آجاتا ہے. حد درجہ جسمانی مشقت کی طالب اترائی میں توجہ اور ارتکاز کا بھی سو فیصد چاہیے ہوتا ہے کہ پھسلنے کی صورت میں آپ سَر بل گرتے ہیں جو کہ پورے جسم کی حساس ترین چوٹ ہوسکتی ہے. کرنل نے ایک انوکھی مگر کارآمد تکنیک اپنائی. تیزی سے نیچے اترنا شروع کر دو، واکنگ سٹک کو بس ہلکا سا پتھروں پر نیچے مارتے رہو اور ایک کے بعد دوسرا قدم اوپر تلے رکھتے رہو. میں حیران تھا کہ چڑھائی پر احتیاط کا عادی کرنل اترائی اتنا بے پرواہ بچہ سا بنا ہوا ہے. چڑھائی کی طرح یہاں بھی میری تکنیک بالکل مختلف تھی. ناپ تول کر ایک پتھر منتخب کرنا، اس کے گرد واکنگ سٹک پھنسانا اور لمبا سا ڈگ بھر کر ایک قدم اس پر جمانا. توازن برقرار رکھتے ہوے دوسرے قدم کو آہستہ سے اس کے ساتھ رکھنا اور پھر اگلے پتھر کی تلاش. حد درجہ محتاط نیچے آتے مجھے صدیاں لگ گیئں. یہ راستہ کرنل نے دس منٹ میں طے کرلیا تھا. ویسے مجھے سنجیدگی سے یہ خیال آرہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے ضرور چڑھائی پر جب باقی سب محتاط چڑھتے تھے میں دَھپ دَھپ قدم مارتا بے پروائی سے چڑھتا تھا اور اترائی پر کرنل، شیخ اور ڈاکٹر سب مزے سے اترتے تھے، میری جان پر بنی ہوتی تھی. خُون میں بھی نسلوں تک کوئی 'سِکھ' آمیزش نہ تھی پھر یہ الٹ پھیر چہ معنی دارد؟؟؟ اس بے ڈھنگی اترائی نے گھٹنے درد کے پرانے یارِ غار کو پھر سے دعوتِ آمد دے دی تھی اور اب یہ شدید درد کرتا تھا. نیچے دریا کے کنارے یہ دو تین پتھریلے ہٹ کسی غیر آباد چراگاہ کے تھے جہاں تعمیر کنندگان نے جابجا اپنے آٹوگراف ثبت کئے ہوئے تھے.

ایک بہت دلچسپ اور حیرت انگیز امر ایک ہٹ کے اوپر کچھ جدید قسم کے انٹینے اور ڈشیں تھیں. فطری طور پر ہم بہت چونک گئے تھے. قومی مزاج کے مطابق ہم نے

حکومت کو خوب گالم گلوچ کی جس نے یہاں دنیا سے پرے بھی ارضِ پاک اغیار کو جاسوسی کیلئے بیچ دی تھی. گالم گلوچ سے دل تو ہلکا ہوگیا لیکن پیٹ کچھ زیادہ ہی ہلکا ہوگیا تھا. ٹریک کے اختتام پر اب اشیاے خوردونوش کی قلت ہوگئی تھی. ذاتی ٹافیاں، چاکلیٹس تو بالکل ختم ہو چکی تھیں. روزانہ عموماً دو گھنٹوں میں پورٹر کیمپ سمیٹ کر ہم سے آن ملتے تھے جہاں چائے، بسکٹوں کا وقفہ ہوتا تھا لیکن آج تو پورٹر بھی ناقابلِ فہم طور پر نہیں پہنچے تھے. شیخ و ڈاکٹر بھی آن ملے تھے اور چاروں کی جیبوں میں کچھ بھی نہیں تھا. دریا کا جھاگ اڑاتا ٹھنڈا میٹھا پانی آخر کب تک بھوک مٹاتا، پورٹروں کے انتظار میں آنکھیں راستے پر مرکوز ہوگئیں کہ کوئی آئے اور ہمیں بھُوک کے جہنم سے آزاد کرادے.

ایک گھنٹہ انتظار نے بھوک کو شدید چمکا دیا. ثابت کی صورت میں خوشی کا ایک سندیسہ آیا تو سب بے تابی سے اس کی طرف لپکے. اس نے ہولناک خبر سنائی کہ اس کے پاس کھانے کے سامان میں چاول ہیں تو سہی لیکن خشک، باقی سب خیمے وغیرہ ہیں. ڈاکٹر کا پارہ آسمان کو چڑھ چکا تھا. باقی پورٹروں کی بابت اس نے درشتی سے استفسار کیا. ثابت نے اس کی درشتی کو نظرانداز کرتے ہوے اس 'دعوت' کی تفصیل چٹخارے لے کر سنانی شروع کر دی جو گاؤں والوں نے آج صبح پورٹروں کے اعزاز میں دی تھی. ثابت کہ سب سے پہلے اس دعوت میں پہنچا تھا اسلئے 'جلدی' فارغ ہو کر آگیا تھا جبکہ باقی ابھی کھاتے تھے. پورٹر غالباً ''بکرے'' کا بدلہ لے رہے تھے اس نے انکشاف کیا کہ یہ اینٹنے جاپان کی حکومت نے لگوائے ہیں اور موسمی تغیرات سے ارضیات پر جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اس کی جانچ کے جدید ترین آلے ہیں. ہم پر یہ سن کر گھڑوں پانی پڑ گیا کہ ہم کیا سوچ رہے تھے اور حقیقت کیا تھی. چار و ناچار بھوکے ہی آگے چل پڑے.

وادی تنگ ہوتی جارہی تھی. دریا کے ساتھ تقریباً ہموار راستے پر چلتے ہوے میں بہت خوش تھا کہ یہ تو بہت آسان اور خوش کُن راستہ ہے. وادی مزید تنگ ہوتی جارہی تھی اور پتھریلے، ہولناک پہاڑوں کے درمیاں بمشکل ایک سو فُٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا. اس ہموار

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

راستے پر چلتے ہوئے جو خوشی مل رہی تھی وہ ایکدم نیچے اترتے راستے کی آمد نے فوراً کافور کردی۔ ثابت، کرنل و شیخ (کہ اب اس نے ڈاکٹر کو باقی ٹریک کیلئے الوداع کہہ دیا تھا) تو اسی طرح نڈر طریقے سے اتر گئے جبکہ دل کی دھڑکن کو قابو کرتا، پسینے کی آبشاروں میں نہاتا، اسی طرح ایک ایک قدم جانچتا، پرکھتا، رکھتا کافی دیر میں نیچے پہنچا۔ دریا پر ایک لکڑی کے تختوں کا عارضی پُل اہل شمشال نے اپنی مدد آپ کے تحت بنایا ہوا تھا۔ اس کے تختوں کو تقریباً چھوتا دریا کا پانی یہاں بھرپور غصیلا، پتھروں سے لڑتا جھگڑتا، جھاگ اڑاتا گزرتا تھا۔ اترائی کے فوراً بعد ایک یاس انگیز بی پی چڑھائی تھی۔ یہ بالکل مختلف اترائیاں چڑھائیاں تھیں کہ پہلے وسیع کینوس تھا جو اب سکڑ کر ایک تنگ وادی میں سمٹ آیا تھا۔ پہلے زیادہ تر برف تھی، اب سنگلاخ پتھریلی زمین تھی جس میں مہیب کھائیاں تھیں۔ اس چڑھائی نے ایک موڑ پر لا کھڑا کیا جہاں امید تھی کہ مڑیں گے تو میدانوں کی وسعت ہوگی، چشموں کے ٹھنڈے میٹھے پانی ہوں گی، مہکار بھری ہوا ہوگی مگر طیر کے پرندوں کو "سچ" ایک اور بی پی چڑھائی کی صورت میں ملا۔ اس چڑھائی کا پوشیدہ انگ کسی بھی راستے کے 'نہ' ہونے میں پوشیدہ تھا۔ کرنل کے دماغ نے فوراً ایک تکنیک ایجاد کی۔ پاؤں کو سیدھا رکھنے کی بجائے ترچھا کر کے رکھا جائے اور اگلا قدم اس کی سیدھ میں اوپر رکھنے کی بجائے ایک مختلف زاویے پر کہیں اوپر ترچھا پھنسایا جائے۔ واکنگ سٹک جسم سے دور کہیں اور پھنسائی جائے۔ تسبیح پڑھتے، ہر قدم پر خیر مانگتے یہ مرحلہ کسطرح عبور ہوا، مجھے کچھ معلوم نہیں۔

اس تنگ، بے روح وادی میں ہمیں اپنی بقا کی جنگ لڑتے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ سہ پہر ہونے والی تھی جب نیچے، دور ہماری آج کی منزل "ارباب پریون" نظر آئی۔ وہی تین شکستہ سے پتھریلے ہٹ۔ چونکہ منزل تھی اسلئے ایک مَن موہنی اترائی کے خاتمے پر تھی جس کے قرب میں بھربھری سرخ مٹی کا ایک انبار تھا۔ چونکہ انہی پتھروں پر چلنا ہماری مجبوری تھی اسلئے گھر کے راستے میں یہ خطرناک کہکشاں بھی ہمیں خود ہی عبور کرنی تھی۔ اس بھربھری مٹی میں ایک ایسا نخرہ تھا جو کسی نوخیز جوانی کے غرور میں مبتلا دوشیزہ کے نخرے کا باعث ہو۔

ہمارے قدم اپنے وجود پر محسوس کرتے ہی وہ اسطرح پٹخنیاں مار کر اپنے غصے کا اظہار کرتی کہ ہم گویا ہم اس کی جوانی کو داغدار کرنے کی نیت سے آئے ہوں۔ اس بھرپور پھسلتی مٹی پر صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ آپ تقریباً بھاگتے ہوئے جان جوکھوں میں ڈال کر یہ اترائی اتریں۔ اب تک تمام کام خدا نے اپنے ذمے لئے ہوئے تھے کہ میری صلاحیت اور ہمت سے بالکل ماوراء یہ تمام مرحلے وہ خود ہی عبور کروا رہا تھا اسلئے میں بھی نیچے آ گیا ورنہ شاید ڈاکٹر اپنی کتاب میں میرا نوحہ لکھ رہا ہوتا۔

"ارباب پریون" ایک ہولناک کیمپ سائٹ ہے۔ چاروں اطراف سے خوفناک خشک پہاڑوں میں گھرا یہ کیمپ صرف اس قابل ہے کہ اس میں کسی طرح ایک رات گذاری جائے اور بس نکل جایا جائے۔ جسم کا انگ انگ دُکھتا تھا۔ اس شمشال نے تو چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ نجانے یہ سنگی 'جون موک' اور اس قبیل کے کچھ ٹریکر متضاد سمت سے کسطرح آ گے ہوں گے جہاں تین چوتھائی راستہ چڑھائی ہے۔ یہ بہت جری، نڈر اور بے خوف لوگ ہوں گے جو شمشال سے یہ ٹریک شروع کر کے سنولیک کی طرف آتے ہیں۔ کیمپ آمد پر زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی جس نے اس وقت تک 'زندگی' سے بیزار رکھنا تھا جب تک باقی پورٹر پہنچ کر کچھ خوراک کا سامان نہ کر لیتے۔ شام پانچ بجے کے قریب پورٹر آئے تو ان کے ساتھ ایک بارہ سالہ بابر بھی تھا جو تفریحاً ہی شیؤ رت سے منزلیں مارتے پہنچ گیا تھا۔ شرمیلا سا بابر ہم اجنبیوں سے بہت لاج کھاتا تھا اور نظریں جھکا کر بات کرتا بہت معصوم لگتا۔ کھانے کے گرم گرم احساس نے ذہن و شکم کو آسودہ کیا تو شیخ و ڈاکٹر کو پھر سے 'بکرا' یاد آ گیا۔ بڑی بحث اور عرق ریزی کے بعد انہوں نے کل کیلئے ایک پروگرام تشکیل دیا جس میں ٹھیک دس بجے اس کا باقی ماندہ گوشت کھایا جانا تھا۔ تڑکے کے طور پر کرنل نے تجویز دی کہ آئس ایکس کو سیخ بنا کر اسے مزید دہکا دیا جائے تو لطف کا ایک نیا جہاں آباد ہوگا۔ شیخ و ڈاکٹر یہ نادر تجویز سن کر پھڑک اٹھے اور کرنل کو انہوں نے "باذوق" "نفیس" اور "مہذب" شہری ہونے کے القابات سے نوازا۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

میں ایک بار پھر سخت شرمندہ ہو رہا تھا کہ خوراک پر اتنی زیادہ تفصیلاً گفتگو اور وہ بھی پورٹروں کو کسی خاطر میں لائے بغیر، جو اتنا سامان اٹھائے پھر رہے ہیں. اصولاً تو یہ بکرا پورٹروں کا ہونا چاہیئے تھا لیکن جس طرح ٹیم ممبران نے اس کی طرف اپنی حریصانہ نگاہیں کی ہوئی تھیں ان بیچاروں کو اس کی شاید ہی کوئی بوٹی نصیب ہوئی ہو.

کیمپ میں بہت تیز ہوا چلتی تھی. ذیشان نے انکشاف کیا کہ یہاں پہاڑوں پر مارخور اور بلیو شیپ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں. ہر سال صوبہ سرحد کا ایک نامور سیاستدان اپنے ایک انگریز دوست کے ساتھ آتا ہے اور ان معصوموں کا بے دریغ شکار کر کے لے جاتا ہے. اللہ غارت کرے ایسے رہنماؤں کو جو اپنی ہی سرزمین کے بے مثال موتیوں کو کسطرح تباہ کرتے ہیں. پتا نہیں کیا تھا، شام کے ساتھ ہی میری طبیعت کچھ بیزار ہو گئی تھی. ایک دم زندگی کے لایعنی پن کا سا احساس ہونا شروع ہو گیا. یہ سب بے مقصد سا معلوم ہونے لگا. دل مچلنے لگا کہ بس اب واپس لوٹ جاو. میں ایکدم اپنی زمین سے، کھلیانوں سے، اپنے گھر سے بہت اداس ہو گیا. یہ اداسی بھی ایک نامعلوم چبھن ہے جو ایکدم وارد ہو جاتی ہے اور پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے کر ایک بے نام سوز سے آشنا کر دیتی ہے. پتا نہیں یہ کہاں سے آتی ہے اور خود بخود کسطرح واپس چلی جاتی ہے.

اگلے دن ایک انوکھا ناشتا ہمارا منتظر تھا. کرنل کی عقابی نگاہوں نے 'سویوں' کے ایک پیکٹ کو اپنی نظر میں رکھا ہوا تھا جو ابھی تک نہیں چلا تھا. اس کی فرمائش پر پراٹھے سویاں کا لازوال ناشتا کیا گیا. میرا گھٹنا درد اور شمشال وادی کی موت یاد دلاتی اترائیاں چڑھائیاں، دل کر رہا تھا کہ یہ سب بس اب ختم ہو، کسی طرح بھی منزل قریب آئے. دن کا آغاز تو ایک سخت چڑھائی سے ہوا تھا لیکن اس کے بعد کچھ دیر تک ایک ہموار راستہ آیا. وادی مزید تنگ ہو گئی تھی اور دریا کا شور اب نزدیک سنائی دیتا تھا اور بہت سنائی دیتا تھا. ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک اور مہیب اترائی آ گئی جس میں پچھلی دفعہ کی طرح کوئی راستہ نہ تھا. دو سو سے بھی کم کوئی ایک سونوے کا زاویہ تھا. کرنل کے چہرے پہ انمٹ خوشی تھی. اسطرح کے

جدت' بھرے راستے تو اس کے دل کا قرار تھے. کرنل و شیخ تو اسی طرح تقریباً بھاگتے، مچلتے، پھسلتے یہ جا وہ جا جبکہ مجھے نیچے اترتے صدیاں گزر گئیں. ہتھیلیوں تک پسینہ آ گیا. اس اترائی کے بعد ایک عظیم حیرت ہماری منتظر تھی. ان سخت کوش راستوں پر، نوکیلے، پتھریلے پہاڑوں کے درمیان ایک لکڑی کا دروازہ ہمارا راستہ روک رہا تھا. اس وحشت میں، ویرانی میں دروازہ؟؟ کچھ سمجھ نہ آئی. کیا ہم یہ دروازہ کھولیں گے تو منظر ہی بدل جائے گا؟ آگے ہریالی ہو گی، شادابی کی کونپلیں ہوں گی، دودھیا آبشاریں ہوں گی، حسن کی پیکر شہزادیاں ہوں گی، یا پھر..... خلا ہو گا، خالی پن ہو گا کچھ معلوم نہیں. یہ دروازہ کس لئے یہاں تھا اور اس کے پار کیا ہوتا تھا. تجسس اور اشتیاق کے مارے میں نے آہستگی سے یہ دروازہ کھولا کہ قدیم زمانوں سے محفوظ اس میں کچھ سانس ابھی تک پوشیدہ تھے. اس میں گزرنے والے جسموں کی بو بھی تھی کہ بنجاروں کے سانس، ان کے وجود کی بو ایسے پوشیدہ دروازوں میں امانت بن کر محفوظ ہو جاتی ہے. یہ سانسیں اور بُو اگلے بنجاروں کی آمد تک وہیں ساکت رہتی ہیں تا وقتیکہ اگلے بنجارے آ کر اس فسوں کو اپنے وجود سے روشناس کرا دیں.

دروازے کے پٹ آہستہ سے چرچرائے اور 'حقیقت' کھل گئی..... وہی پتھریلا، نوکیلا منظر. اطراف سے آ کر دریا میں گرتا ایک نالہ جس کے اوپر چھوٹا سا لکڑی کا پُل. یہ دروازہ کیوں تھا اور کسلئے بنایا گیا تھا، پورٹروں کے پاس اس کا کوئی واضح جواب نہیں تھا. نہ جانے یہ کیا تھا اور کیوں تھا.

نالے کے بعد ایک اور ایکدم اوپر اٹھتی چڑھائی تھی. شرمیلا بابر اپنے بڑوں کے ساتھ قلانچیں بھرتا ان راستوں سے بھرپور محظوظ ہو رہا تھا جبکہ میری جان پر بنی ہوئی تھی. اس دشوار چڑھائی کے بعد حسب معمول ایک اترائی تھی. ان اترائیوں چڑھائیوں پر راستہ کچھ بے ڈھنگا سا تھا اور کہیں کہیں بڑے پتھروں کی آمد کے ساتھ تو بالکل غائب ہو جاتا. میں نے اپنی الجھن کا ذکر عبدل سے کیا تو اس نے انکشاف کیا کہ یہ راستہ شمشالی لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے. کسی سرکاری سرپرستی یا بھاری مشینری کی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

عدم موجودگی میں اتنا دشوار کام یہ عزم و ہمت کی بے مثال تصویریں ہی کر سکتی تھیں.

پھاوڑے سے پہاڑوں کے تو انہوں نے ساتھ ساتھ کچھ راستہ صاف کر دیا تھا لیکن نالوں اور بہت بڑے پتھروں کا کچھ نہیں کر سکتے تھے. نالوں پر اسی لئے بڑے بڑے شہتیر گرا دیئے تھے اور بڑے پتھروں کو اسی طرح چھوڑ کر اوپر یا نیچے متبادل راستہ بنا دیا تھا. اس اترائی کے بعد ایک اور چڑھائی اترائی تھی. تیسری چڑھائی سے قبل دریا کے دوسرے پار جانا تھا. دریا عبور کرنے کیلئے ایک جھولا پل تھا. یہ جھولا اسم با مسمیٰ تھا کہ بہت جھولتا تھا. دور نشیب میں آج کا کیمپ ''ڈوچ فوزین'' کے ہٹ نظر آنے شروع ہو گئے تھے لیکن درمیان میں دو چڑھائیاں اترائیاں حائل تھیں. دولت لمبے لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا. اس کو ہم نے روکا کہ کچھ کھانے پینے کا سامان کر لے. ہمیں لئے وہ بائیں اوپر ایک چشمے کے ساتھ ہو لیا. چشمے کے ٹھنڈے میٹھے پانی نے بہت کیف دیا لیکن کرنل کی تمناؤں کا محور 'گوشت' تھا. یہ گوشت باقی پورٹروں کے سامان میں تھا اسلئے ان کے انتظار میں دراز ہو گئے. دراز کیا ہو گئے، بس آڑے ترچھے لیٹ گئے کہ ان گھاٹیوں میں 'ہموار' جگہ بہت نایاب تھی.

پورٹروں نے آتے ہی ہمارے کہے بغیر ہی گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اپنے سامان میں سے خزانے کی طرح نکالے اور ہمیں پیش کر دیے. حالانکہ کرنل نے آئس ایکس کو سیخ بنا کر انہیں مزید بھوننے کا پروگرام بنایا ہوا تھا لیکن گوشت دیکھ کر 'سب بھلا دیا' اور اسی طرح ''ٹھنڈا گوشت'' تناول کر لیا. شیخ و ڈاکٹر بھی وقفے وقفے سے پہنچ گئے تھے اور چونکہ گوشت کی وجہ سے شکمی طور پر آسودہ تھے اسلئے منہ کھول کر بڑے بڑے قہقہے لگاتے تھے.

چشمے کے عقب میں ایک پرخطر چڑھائی تھی جو ہم نے چڑھنی تھی. اتنی اترائیوں چڑھائیوں کے بعد یہ چڑھائی کوئی اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں تھی لیکن اس کی دشواری ان بجری نما پتھروں میں پوشیدہ تھا جو بہت پھسلتے تھے اور قدم نہیں جمنے دیتے تھے. اسطرح کے کسی سخت مقام پر عموماً میں کسی پورٹر کو ساتھ رکھتا تھا لیکن کچھ تجربے اور کچھ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کہ میں اکیلا جانے کی غلطی کر بیٹھا. مزید یہ کہ میں نے کرنل کی ہدایت کو نظر انداز کر کے درمیان سے

جانے کی غلطی کر دی. میری توقعات سے کہیں زیادہ پھسلن تھی اور ایک ایک قدم جما کر رکھنا پڑتا تھا. نیچے سے اتنی مہیب چڑھائی نظر نہیں آتی تھی لیکن عین وسط میں پہنچ کر اپنی حماقت کا شدید احساس ہوا کہ اس کے بعد تو بالکل ایک ناک کی سیدھ اوپر اٹھتا راستہ تھا.

کوئی دس یا پندرہ کا زاویہ ہوگا. ہتھیلیوں تک پسینہ آ چکا تھا اور دونوں ہاتھ پتھروں پر جمائے میں اکڑوں کھڑا تھا. ایک دفعہ مزید اوپر جانے کی کوشش کی لیکن بجری نما پتھروں کی شدید پھسلن کی وجہ سے ارادہ ملتوی کرنا پڑا. میں شدید ترین مشکل میں پھنس چکا تھا. حد تو یہ ہے کہ پیچھے منہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس پوزیشن میں جمے رہنے میں بھی بڑی مشکل تھی. نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن. بھلا ہو دولت کہ میری تکلیف کا اس نے اندازہ کر لیا اور منزلیں مارتا مجھ تک پہنچ گیا اور ہاتھ پکڑا کر آہستہ آہستہ سرکتے وہ مرحلہ عبور کرا گیا. مجھے اگر اتنی شدید مشکل آئی ہے تو ڈاکٹر کسطرح کرے گا. دل وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا لیکن وہ ڈاکٹر ہی کیا جو کسی مشکل کو خاطر میں لائے. اسی طرح نِک نِک چھڑیاں مارتا اسطرح یہ چڑھائی چڑھ گیا جیسے گھر کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہو. سلیوٹ ہے ڈاکٹر تجھے.

کیمپ اب نیچے فوزین نالے کے ساتھ نظر آنا شروع ہو گیا تھا. ہم ایک قطار میں چلتے تھے کہ اس پتھریلے راستے پر صرف ایک ہی آدمی کے چلنے کی گنجائش تھی. ایک موڑ پر سامنے سے دو بندے نظر آئے. بندے اور یہاں، شاید مقامی ہوں گے اور چراگاہ جا رہے ہوں گے. نزدیک آئے تو ایک تو شمشالی نقوش کا ہی حامل تھا مگر دوسرے نے ڈاکٹر کی طرح کا ایک بڑا سا کیمرہ پکڑا ہوا تھا جو ہماری جانب فوکس تھا.

''ہیل، ہیل (Hail , Hail)'' فوٹوگرافر نے دُور سے صدا لگائی.

تھکن سے بیزار مجھے وہ Hail , Hail , Hell , Hell لگا. کوئی نازیوں کا ساتھی ہے، میں نے دل میں سوچا، چلو تھوڑی دل لگی کرتے ہیں. میں نے واکنگ سٹک تھوڑی سی اٹھائی اور نازی سپاہیوں کی طرح پاؤں اٹھا کر مارچ کرنا شروع کر دیا. اس ہٹلرانہ مارچ سے تو اس نازی کو کافی خوشی ملی ہوگی، یہ سوچتا میں قریب ہوتا گیا. فوٹوگرافر نے کیمرہ نیچے کیا تو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

السلام علیکم کے خیر مقدم نے حیرت میں مبتلا کر دیا۔ یہ تو کوئی مسلم ہے۔ سفید بال، سر پر ہیٹ، کلین شیو جبکہ دوسرا شمشالی پورٹر۔ کچھ شناسائی کی ایک لہر سی آئی لیکن معدوم ہو گئی۔

''جنرل فاروق! کیا پیچھے آ رہے ہیں؟'' مصافحے کے بعد اُدھیڑ عمر نے استفسار کیا۔

''جنرل فاروق! نہیں تو ہمارے ساتھ تو کوئی جنرل نہیں، یہ کرنل البتہ ضرور ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''آپ وہی ٹیم ہیں جو لنگ پے لاء کر کے آ رہے ہیں اور اس میں دو آرمی آفیسر بھی ہیں۔'' اس شخص کی معلومات حیرت انگیز تھیں۔

''جی ہم وہی ہیں لیکن ہمارے ساتھ کوئی جنرل نہیں اور آپ کو یہ سب کسطرح معلوم ہے؟'' میں شدید حیرت میں تھا۔ اس شخص کی پہچان کا بھی کوئی شائبہ سا آتا اور گزر جاتا۔

''جی میں آپ کے پیچھے پیچھے اشکولے تک آیا تھا۔ وہاں یہ معلوم ہوا تھا۔ اچھا تو فاروق آپ کے ساتھ نہیں۔'' یہ شخص کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ جنرل فاروق بھی ایک مہم جو شخص ہیں۔ جنرل کے بلند عہدے پر پہنچ کر بھی مہم جوئی سے باز نہیں آتے۔ اکثر انہی پہاڑوں، کھائیوں میں پائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو موٹر سائیکل پر دور دراز پہاڑی مقامات پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ شخص ضرور جنرل صاحب کا کوئی دوست ہے۔

''سر آپ برائے مہربانی اپنا تعارف تو کروائیں۔'' میں نے ادب سے کہا۔

''جی میرا نام سلمان رشید ہے اور میں.........'' میں نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی اور بے اختیار لپٹ گیا۔ وہ جو شناسائی کی لہریں ابھر ڈول رہی تھیں پر سکون ہو گئیں۔ یہ تو سلمان صاحب ہیں۔ جید محقق اور عظیم تاریخ دان جن کی تاریخی ڈاکومنٹریاں ہم بہت دلچسپی سے ٹی وی پر دیکھتے تھے۔ میرے بہت پسندیدہ آٹھ کتابوں کے مصنف سلمان رشید۔

''لیکن سر آپ اِدھر کیا کر رہے ہیں؟'' میں نے حیرت سے استفسار کیا۔

''میں ذرا شیؤ رت تک جا رہا ہوں، ایک آئل کمپنی کے کیلنڈر کیلئے کچھ درّوں کی تصویریں

کھینچنی ہیں۔'' سلمان صاحب نے خوش مزاجی سے کہا۔

''شیؤ رت، آپ'' مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اس ''عمر میں اور وہ بھی متضاد رُخ سے'' میں بغیر سوچے سمجھے کہہ گیا۔

''ہاں بھئی! کیا ابھی تو میں صرف 'چھپن' سال کا ہوں، یہ ٹریک تو میں دس سال پہلے بھی کر چکا ہوں۔'' سلمان صاحب کے عزم و ہمت سے بھرپور جواب نے مجھ پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔

''اشکولے مجھے پتا لگا کہ ٹیم میں دو فوجی بھی ہیں تو میں نے سوچا فاروق ہی ہو گا'' سلمان صاحب نے یہ جنرل فاروق والا معمہ بھی حل کر دیا۔

سلمان صاحب کی یہاں غیر متوقع آمد اور ملاقات نے بہت خوشی دی تھی۔

''شمشال کے علاوہ آپ اور کون کونسے ٹریک کر چکے ہیں؟'' کرنل کی دلچسپی تاریخ سے زیادہ جغرافیے میں تھی۔

''شمالی علاقہ جات کے تو تقریباً سب ہی ٹریک کر چکا ہوں۔'' سلمان صاحب نے جواب دیا۔

''گندو گوڑو لاء کیا ہے آپ نے؟'' کرنل سمجھتا تھا جس نے گندو گوڑو لاء کیا ہے وہی عظیم ٹریکر ہے۔

''گندو گوڑو نہیں وہ نہیں کیا ہوا ہے البتہ وہ میری بھانجی فائزہ مشتاق نے اپنے خاوند خرم کے ساتھ کیا ہوا ہے۔''

یہ فائزہ مشتاق اور خرم حسین بھی عجیب ''پاگل'' ہیں۔ انتہائی تعلیم یافتہ (فائزہ کی پی ایچ ڈی کی ڈگری حال ہی میں مکمل ہوئی ہے) یہ جوڑا 'لمز' میں تدریس کے شعبے سے بھی وابستہ رہا ہے۔ گندو گوڑو کے علاوہ ہنزہ کے متعدد ریک کر چکے ہیں۔ حسن کرار اینڈ کمپنی کے ساتھ اور ذاتی حیثیت میں بھی انتہائی دشوار پہاڑوں، درّوں، گلیشئروں پر یہ اکثر دندناتے نظر آتے ہیں۔ سلمان صاحب کے جواب نے کرنل کو شدید شرمندگی سے دوچار کر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

دیا کہ یہ درّہ تو پاکستانی خواتین نے بھی کیا ہوا ہے (قارئین یہ مت سمجھیں کہ یہ لاء کوئی بچوں کا کھیل ہے، یہ ایک انتہائی دشوار چھ ہزار میٹر بلند درّہ ہے جس کو چڑھنے کیلئے ''ٹیکنیکل کلائمب'' یعنی رسوں کی مدد سے چڑھنا اور انتہائی سخت جسمانی فٹنس مطلوب ہے)

''سر یہ لُک پے لاء کے بارے میں تو کچھ بتائیں'' میں نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا.

''ہاں یہ سنولیک کی طرف سے لُک پے لاء آج سے بیس سال قبل پہلے پاکستانی کے طور پر میں نے عبور کیا تھا. یہ جب آپ عبور کرتے ہیں تو عظیم ایشیائی تندھارے کے ساتھ آپ جنوبی ایشیاء سے وسطی ایشیاء میں داخل ہو جاتے ہیں. یہاں شمشال درّے میں آپ دوبارہ جنوبی ایشیاء میں داخل ہو گئے ہیں. اس کی تاریخ بہت پرانی ہے اور .....'' سلمان صاحب نے معلومات کا ایک دریا بہا دیا.

''لیکن سر، یہ شمشال اور وہ اس سمت سے .....'' میری کلی ابھی تک اس اندیشے پر اٹکی ہوئی تھی کہ یہ آخر کس طرح کریں گے.

''ہاں بھئی، سخت تو ہے. میں نے یہ ٹریک آج سے دس سال پہلے بھی کیا تھا جب یہ تنگ راستہ بھی نہیں تھا. اسوقت ایک مارخوروں کی آمدورفت سے کچھ نشان بنے ہوئے تھے جن پر میں چلا تھا.'' سلمان صاحب نے دریا کے دوسری طرف پہاڑوں کے بیچ ایک ہلکی سے لکیر کی طرف اشارہ کیا. یہ کسی انسان کے بس کا روگ تو نہیں ہو سکتی تھی.

''کئی دفعہ مرتے مرتے بچا تھا اور اسی فوزیہن نالے پر میں نے اس وادی کو گلا پھاڑ پھاڑ کر گالیاں دی تھیں، او تیری ماں کو، او تیری بہن کو. یہ ٹریک انہی شمشالی لوگوں کی ہمت ہے ورنہ میں نے تو اسوقت کہہ دیا تھا کہ اس ٹریک کا ٹھیکہ اگر 'خدا' کو بھی مل جائے تو وہ بھی نہیں بنا سکتا.'' سلمان صاحب کی خوش مزاجی نے وہاں پہاڑوں پر ایک قہقہہ بکھیر دیا تھا.

''ہاں سر، یہ سب باتیں نئی نسل کیا پرانی نسل کو بھی نہیں معلوم.'' شیخ نے تاسف کا اظہار کیا.

''لوگوں کا کیا کہنا، انہیں تو یہ تک معلوم نہیں کہ ہم نے ساٹھ کی دہائی میں چین کو اپنا ستر کلومیٹر سے زیادہ علاقہ تحفتاً دیا ہوا ہے'' سلمان صاحب کے لہجے میں تاسف تھا.

ٹریک کا اختتام تھا. ہماری جیبیں بالکل خالی تھیں. مجھے شدید شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس عظیم ہستی کی تواضع کیلئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا. ایک خیال آیا تو میں نے فوراً کہا.

''سر یہ ساتھ ہی فوزیہن ہے، آیئے آج ہمارے ساتھ کھانا کھائیں.''

سلمان صاحب ہلکا سا مسکرائے اور بولے ''جی بہت شکریہ، یہ 'ساتھ' ہی فوزیہن تک واپس جا کر اور پھر چڑھائیاں چڑھنا، ایک کھانے کیلئے، شاید ممکن نہ ہو میرے لئے. اب اجازت دیں، پھر کبھی ملاقات ہوگی.'' سلمان صاحب نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھا دیا. سب نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا، الوداع ہونے لگے تو مجھے نہ جانے کہاں سے ایک خیال آیا اور جاتے ہوئے سلمان صاحب کو میں نے پھر سے روک لیا کہ ذہن میں ایک ایسا اہم سوال آ گیا تھا جس کے جواب سے ہمارے ٹریک کو بہت سہولت ہونی تھی.

''سر، کیا سچ ہے کہ سکندرِ اعظم ملتان میں تیر لگنے سے ہلاک ہوا تھا؟''

اگر آپ تصور کر سکتے ہیں تو شمشال کی گھاٹیوں میں، مہیب اترائیوں چڑھائیوں کے بیچ، سنگلاخ ٹریک پر کھڑے کچھ ٹریکر سکندرِ اعظم کی وجہ موت تلاش کر رہے ہوں تو پھر جو آپ سوچ رہے ہیں وہ بالکل برحق ہے.

''سکندرِ اعظم کو تیر تو ملتان میں ہی لگا تھا، یہاں اسطرف'' سلمان صاحب نے بائیں پسلی کی طرف اسطرح اشارہ کیا جیسے ابھی مرہم پٹی کر کے فارغ ہوئے ہیں.

''لیکن اسوقت اس کی واپسی شروع ہو چکی تھی. اس تیر کی وجہ سے اس کی موت نہیں ہوئی تھی، وہ تو کہیں بابل میں جا کر بڑی دیر بعد مرا تھا.'' سلمان صاحب کی پسند کا موضوع چھڑ چکا تھا ''اور یہ تاریخ کی زیادتی ہے کہ سکندرِ اعظم کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا جبکہ راجہ پورس ایسے عظیم سپہ سالار کا کوئی ذکر نہیں.''

سلمان صاحب جو شروع ہوئے تو بے تکان کئی منٹ بولتے چلے گئے.

شیخ و کرنل اس غیر متوقع تیر سے کچھ خوش نہیں تھے. خاص طور پر شیخ جو چاہ رہا تھا کہ تاریخی حوالوں سے گردوں کپوروں یا باٹی گوشت کے کوئی اجزائے ترکیبی معلوم کر سکے. ان کی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

لاتعلقی دیکھ کر سلمان صاحب نے بھی موضوع کو مختصر کیا اور بھرپور تمناؤں کے ساتھ اپنی راہ ہو لئے۔ ان سے ملاقات اس ٹریک کا اب تک کا خوبصورت ترین تحفہ تھا۔

مزید پینتالیس منٹ کے بعد ہم "ڈچ فوزبین" کے ہٹ میں تھے۔ آج فطرت کے سنگ آخری رات تھی اسلئے خیمے کھولنے کا تردد نہیں کیا۔ وہیں ہٹ میں ہی ٹانگیں پسار کر لیٹ گئے۔ میں نے جرابیں دھونے کی ناکام کوشش کی لیکن چشمے کے یخ بستہ پانی نے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ چونکہ ٹریک کا اختتام تھا اسلئے سب چہکتے تھے۔ پورٹر شاہ کھانا تیار کر کے "آجاو، کھاؤ، رج کے کھاؤ" کے پرمزاح نعرے لگاتا تھا۔ ڈاکٹر اگلے دن کی خوشگوار امید رکھتا تھا کہ یہ دونوں پہلے بھی شمشال گاؤں تک پسّو سے آچکے تھے۔ گاؤں کے نمبردار 'شمی خان' (جسے کرنل ہمیشہ تمی خان کہہ کر بلاتا تھا) سے ان کی اچھی خاصی شناسائی تھی۔

شمشال کی گھاٹیوں میں سکندرِ اعظم کی روح بھٹکتی تھی۔ ہر ایک کا اپنا جہاں تھا جس میں فوزبین کے پانی جلترنگ بجاتے تھے۔

جنت سے گرا ایک ٹکڑا۔ شمشال، باکمال لازوال

ٹریک کے آخری دن صبح بہت ہی میٹھی ٹھنڈی ہوا چلتی تھی۔ رات کو طے ہوا تھا کہ صبح جلدی چلا جائے گا تا کہ شمشال سے آگے پسّو وقت پر پہنچا جا سکے لیکن ڈاکٹر تھا کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ شیخ کی تمامتر آوازوں، ہلانے جلانے پر بھی اُوں آں کر کے دوبارہ سو جاتا۔ آئیڈیا میشن کو یہاں بھی خیال آیا۔ سوتے ہوئے ڈاکٹر کے بالکل قریب جا کر اونچی آواز میں بولا۔

"ڈاکٹر! جلدی سے اٹھ، باہر تجھے ملنے جون موک آیا ہے۔"

ڈاکٹر بیچارہ شاید خواب میں بھی جون موک سے ہی ملاقات کر رہا تھا، بوکھلا کر اس طرح ننگے پیر باہر لپکا۔ کرنل کا گُر کارگر رہا تھا۔

پانچ بجے روانگی ہوئی۔ نسبتاً تازہ بنا ہوا ایک پتھریلا راستہ اوپر اُٹھ رہا تھا۔ یہ راستہ ثابت اور عبدل (دونوں سگے بھائی تھے) نے اپنے ہاتھوں سے اپنی مرحومہ ماں کی یاد میں بنایا تھا۔ کسقدر پرخلوص لوگ تھے یہ کہ عبادات میں بھی دوسروں کی آسانیوں کا خیال رکھتے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

تھے. گھٹنوں کے درد نے جسم کو تکلیف دہ احساس سے دوچار کیا ہوا تھا. وہی گھٹیا اترائیاں چڑھائیاں تھیں. تقریباً تین گھنٹوں کے بعد وادی ایکدم کھلنا شروع ہوگئی. ایک موڑ مڑنے کے بعد سیدھا ہوئے تو ایک حسین نظارہ سامنے تھا. دُور بہت دُور نشیب میں برف کے کنوار پنے سے مزین ''نیزغل'' گلیشئر اور دائیں سبزے سے نچڑی شمشال وادی. یہ دیکھ کر قدموں میں نئی جان پڑ گئی. تیز چلنے کی کوشش میں گھٹنے نے مزید درد کرنا شروع کر دیا. پورے ٹریک میں پہلی دفعہ کرنل وشیخ مجھ سے آگے نکل گئے کہ میری رفتار اب بہت سست ہو گئی تھی.

اسی طرح چھوٹے قدم اٹھاتا میں قدم گھسیٹتا گیا. وادی مزید کھلی ہوتی جارہی تھی اور آخری اترائی سے پہلے پوری وادی کی دلکشی اپنے پورے جوبن پر آگئی. سامنے نشیب میں سفید لشکارے مارتا گلیشئر، دائیں پہاڑوں کے دامن میں بہت وسیع وعریض دریائے شمشال. اس کا اتنا ضخیم ڈیلٹا تھا کہ جھیلو میں دریائے شیوک کی وسعت کو یاد دلاتا تھا. دریا کے ساتھ آباد تین گاؤں. مکئی اور گندم کے کھیت، اشجار کا اژدھام، پتھریلے چھوٹے چھوٹے بنے ہوئے مکان. یہ دل جکڑ لینے والا منظر تھا. شمشال واقعی باکمال تھا، اس کے رنگ لازوال تھے، ترنگ بے مثال تھی. یہ سب لیکن اس آخری ہزار فٹ بی پی اترائی کے اختتام پر تھا جو سامنے دوسو کے زاویے پر آگئی تھی. باقی 'تجربہ کار' تو اسی طرح ہنستے کھیلتے اتر گئے جبکہ مجھے پورا مزید ایک گھنٹہ لگ گیا. گھٹنے نے پورے بدن میں اینٹھن کی ایک دنیا آباد کر دی تھی. یہاں دریا کو ایک بار پھر عبور کرنا تھا. فرق صرف یہ تھا کہ یہ نیک کام کسی تختے یا پل کے بغیر ہی کرنا تھا. یہاں پورٹروں کا تجربہ کام آتا تھا کہ کہاں پانی کم تیز ہے لیکن گہرا ہے تو کہاں تیز ہے لیکن کم گہرا. کرنل کہ اپنی تکنیکوں کی کامیابی سے مسرور تھا، پورٹروں کی ہدایات کو نظر انداز کر کے ہم سے دور دریا کنارے کھڑا تھا اور اندازہ لگاتا تھا کہ کہاں سے عبور کیا جائے. پانی کا شور کافی زیادہ تھا اسلئے دس فٹ سے زیادہ آواز نہیں جاتی تھی. کرنل کو روکنا اب بے سُود تھا.

یہ ساری خبر میں سننے والا آخری سے پہلا تھا کہ اب میرے پیچھے صرف ڈاکٹر آتا تھا. ایک کنارے پر پورٹر نظر آئے جو دریا عبور کرستاتے تھے. میری مدد کیلئے ہدایت موجود تھا. لہروں کا اندازہ کر کے میں نے بھی پاجامہ اتار کر نیکر پہن لی. ہدایت کا ہاتھ تھامے میں نے پانی میں پیر ڈالا تو گویا برف کی سل میں لگ گیا. پانیوں کی یخ بستگیوں نے وہیں منجمد کر دیا. ہدایت کا مضبوطی سے تھاما ہوا بازو تھا جو مجھے دھیرے دھیرے دھکیلتا اس یخ بستگی میں سے نکال کر دوسرے کنارے پر لے آیا. بے حس ٹانگوں کو ہدایت کی مہربان گرمائش نے نئی زندگی دی.

کرنل کچھ اتنا خوش قسمت ثابت نہیں ہوا. تنہائی ویسے بھی ایک حریف ہوتی ہے. دشمندانہ طور پر اس نے اپنی منتخب کردہ جگہ سے عبور کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور لمبا چکر کاٹ کر ہمارے ساتھ ہی آن ملا تھا. باقی ڈاکٹر کے انتظار میں وہیں بیٹھ گئے جبکہ میں کرنل اور دولت گاؤں کو چل دیئے. تھوڑا لگنے والا فاصلہ کافی طویل ثابت ہوا لیکن ماحول کی ہریاول نے اپنی گرفت میں لئے رکھا. اونچے سبز درختوں کے بیچوں بیچ بنے پتھریلے مکانات، گندم کے کھیتوں کی لہلہاتی فصلیں اور ان کی معیت میں بہتے پرسکون چشمے. پہلا گاؤں ''امین آباد'' تھا جہاں ذیشان کا گھر تھا. دوسرے گاؤں سے پہلے کمر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ایک خوبصورت جوان ملا. لکڑیوں کی دستیابی یہاں ایک بڑا مسلہ ہے اور ایندھن کیلئے اس کو دور دراز مقامات سے کاٹ کر لانا یہاں کا معمول. بڑے خلوص سے ہماری مہم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا وہ شخص بہت بھلا لگا. گھر کے نزدیک آنے کی وجہ سے دولت کی آنکھوں کی پتلیاں سلگنے لگی تھیں اور اب تو ان میں باقاعدہ الاؤ بھڑکنے لگے تھے. گھٹنے کی شدید درد کی وجہ سے میں سخت تکلیف میں تھا. کرنل اور دولت آگے نکل گئے تھے جبکہ میں تقریباً لنگڑاتا پیچھے پیچھے آتا تھا. پورے ٹریک میرے ٹریکنگ شُوز نے ایک مہربان کی طرح میری ہمنوائی کی تھی لیکن اب وہ بھی پکارتے تھے کہ ہم بھی موجود ہیں، عدم میں نہیں. وادی کا دوسرا گاؤں شمشال اب بالکل نزدیک آگیا تھا. اس کے اور ہمارے مابین اب صرف ایک جھولا پل رہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

گیا تھا. کرنل حالانکہ مجھ سے کافی آگے نکل چکا تھا، پُل پر میرا انتظار کرتا تھا کہ جس مہم کا آغاز اکٹھے ہوا تھا، اس کا اختتام بھی اکٹھے ہو. اُس کی اِس پرخلوص ادا پر مجھے بہت پیار آیا.

اس شکستہ کہیں کہیں سے اکھڑتے پُل پر جھولتے جھالتے ہم دوسرے کنارے پر پہنچے تو سبزے کے غیر متوقع حملے کا شکار ہو گئے. چمک مارتا سبزہ تھا جو گھنے شجروں اور وسیع جھاڑیوں سے اٹا آنکھیں چندھیاتا تھا. نو ہزار فُٹ پر جولائی کے دنوں کا سہانا پن ایسے موسم کا باعث بنا ہوا تھا جو نہایت معتدل اور خوشگوار ہو. چشمے کے پانی جا بجا چھوٹی چھوٹی نالیوں میں منتقل کرا کے گھروں کو موڑا گیا تھا. ایک دو اور لوگ نظر پڑے جو ناشناسائی کے باوجود بڑے تپاک سے ملے. ان دونوں نے بھی وہی مبارک بادوالی تہنیت نظر کی. اتنے پروٹوکول پر میں تھوڑا اکڑ گیا. ویسے دل میں حیرت تھی کہ یہ اتنی بھرپور مبارک کے پیغامات اتنے تواتر سے کیوں آ رہے ہیں. ہم کیا کوئی کے ٹو سَر کر کے آئے ہیں. اس کا جواب تھوڑی ہی دیر میں مل گیا کہ ہم غیر مقامیوں کے علاوہ تاریخ کی وہ تیسری پاکستانی ٹیم تھے جو لُک پے لاء عبور کر کے شمشال پہنچے تھے. بچے ہمیں دیکھ کر آگے دوڑتے تھے. ان کے گال بالکل سیب مانند سرخ اور بال تقریباً سب کے ہی سنہرے تھے.

ذیشان کا دو سال کا انتہائی من موہنا گول مٹول سرخ سفید بچہ بھی اپنی سبز آنکھیں ہم پہ مرکوز کیئے حیرت سے تک رہا تھا. حیرت انگیز طور پر ''ناریوں'' کے رنگ تو سرخ سفید تھے لیکن نقش کچھ خاص نہیں تھے. ہمیں دیکھ کر وہ آنچل میں منہ چھپاتی تھیں. گاؤں میں جرمن تنظیم کے تحت چلنے والے سکول کی کلاس لگی ہوئی تھیں کہ اِدھر تو سردیوں میں چھٹیاں ہوتی ہیں. سکول کے ساتھ وہاں موجود ٹریکٹر ٹرالی نے برسوں پہلے مرشد کی شمشال پر کتاب یاد دلا دی. انہوں نے غالباً اسی ٹریکٹر کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ یہاں پہنچا کسطرح ہوگا. دولت نے اس کی بابت بتایا کہ یہاں کے ایک سپاہی کی شہادت پر یہاں کے جنرل صاحب ایک دفعہ آئے تھے. انہوں نے جب مسائل کا پوچھا تو ایک بوڑھے نے انہیں استدعا کی کہ اگر یہاں ٹریکٹر آ جائے تو بڑا احسان ہو. جنرل صاحب نے فوراً ٹریکٹر کو ہیلی

کاپٹر پر لانے کا حکم صادر کر دیا. اسطرح پاک فوج کی مہربانی سے یہ آبادی ٹریکٹر سے رُوشناس ہوی.

ہماری منزل ایک گیسٹ ہاؤس تھا جس کا مالک فرمان ہماری راہ تکتا تھا. شمشال کی باکمال تصویر نے طبیعت فرحاں کر دی تھی لیکن جسمانی تھکن کا بھی علاج درکار تھا. بڑی نفاست سے لکڑی کا بنا یہ گیسٹ ہاؤس مالک کے نفیس ذوق کا آئینہ دار تھا. رہائشی کمروں کے علاوہ ایک کھلا کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر زیرِ استعمال تھا. فرش پر چونکہ قالین بچھے ہوے تھے اسلئے ہم جُوتے اتار کر وہیں دراز ہو گئے. کچھ ہی دیر میں شیخ بھی پہنچ گیا. ہم سامان تقریباً ختم کر چکے تھے اسلئے اس کے محبوب سگریٹ بھی ختم ہو گئے تھے. فرمان سے اس نے پہلا سوال انہی سگریٹوں کا کیا جس کے نفی کے جواب نے مولوی کو آزردہ کر دیا. گاؤں میں بھی وہ ہر ملنے والے سے سگریٹوں کا پوچھتا آیا تھا جو حیرت سے نفی میں کندھے اچکاتے تھے. بھلا یہاں فطرت کی لازوال گود میں سگریٹ نوش کہاں سے ملنے تھے. فرمان کو کچھ یاد آیا اور اس نے تسلی دی کہ گیسٹ ہاؤس میں کچھ غیر ملکی ٹھہرے ہوے ہیں، شاید ان سے کچھ مل جائے. یہ سُن کر شیخ ان کے کمروں کی طرف لپکا لیکن وہ باہر سیر کیلئے گئے ہوے تھے. سگریٹوں کی دستیابی اس لہجے کا سب سے بڑا مسئلہ عظیم تھا جن کی کمیابی سے شیخ زندگی سے بیزار ایک کونے میں لاچاری کی تصویر بنا بیٹھا تھا.

ابھی ہم بیٹھے ہی تھے بلکہ لیٹے ہی تھے کہ ماحول میں ایک دم ایک مسحور کُن مہک چھا گئی. یہ مہک باہر خوبانیوں سے لدے پھندے پیڑوں کی مہک سے یکسر مختلف تھی. اس مہک کا ماخذ ایک ایسی انسانی صنف تھی جسے باری تعالیٰ نے صرف رنگ کیلئے پیدا کیا ہے، خوشبو کے لئے پیدا کیا ہے..... آسٹریا سے تعلق رکھنے والی ''سلویا'' کمرے میں داخل ہو چکی تھی. ہم کہ پچھلے سولہ دنوں سے سخت 'زنانہ محرومی' کا شکار تھے، ایک حسینہ اور وہ بھی یورپین حسینہ کی آمد سے بوکھلا سے گئے. سنہرے بال، گلابی سی رنگت، شباب گو کہ نصف النہار پر چمک کر اب غروب ہونے کو تھا لیکن اپنے انمٹ رنگوں کا تادیر اثر انگیز جلوہ چھوڑ گیا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

تھا. نفاست سے باہر بُوٹ اتر کر سِلویا اندر داخل ہوئی اور فرداً فرداً سب سے مصافحہ کیا.
ایک ریشم کا گولہ سا تھا جو میرے ہاتھ میں کچھ دیر کیلئے تھا.
رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد ابھی وہ ہم سے ہماری مہم کا پُوچھ رہی تھی کہ شیخ نے بے صبری سے وہی سوال پوچھا جو ابھی تک راہ چلتے تقریباً ہر شخص سے پوچھ چکا تھا.
''سگریٹ ہوں گے آپ کے پاس؟''
سلویا تھوڑا سا حیران ہوئی اور بولی ''نہیں میرے پاس تو نہیں لیکن میرے ڈچ بوائے فرینڈ کے پاس ہوں گے جو ابھی باہر گیا ہوا ہے.'' سلویا کے جواب سے شیخ کو بہت مایوسی ہوئی.
آسٹرین سِلویا اور ولندیزی رابرٹ پچھلے تین ماہ سے اکٹھے سفر کر رہے تھے.
چین سے بنیادی طور پر ان کا پروگرام وسطی ایشائی ریاستوں کی طرف مراجعت کا تھا لیکن اِدھر ہونے والے فسادات کی وجہ سے پاکستان کا رخ کر لیا تھا. سکول ٹیچر سلویا ایک بہت باذوق اور ادب سے خصوصی شغف رکھنے والی خاتون تھی جس کی گفتگو میں شائستگی اور مٹھاس تھی. ادب پر بات چلی تو اس نے مجھے انگریزی میں لکھنے والے نمایاں ہندوستانی اور پاکستانی ادیبوں کی تصنیفات کے بارے میں اپنے بھرپور تبصرے سے حیران کر دیا. کرنل اس ادبی گفتگو سے بیزار بیٹھا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی 'کام' کی بات کی جائے. گفتگو میں وقفہ آیا تو اس نے سلویا کی طرف متوجہ ہو کر ذرا ''بات چیت'' کا آغاز کیا.
''بڑی ہمت دکھائی ہے آسٹریا نے ورلڈ کپ میں، سیمی فائنل تک پہنچ گیا.'' فٹ بال ورلڈ کپ ان دنوں عروج پر تھا اور پاس پڑے ریڈیو پر کسی میچ کی کمنٹری جاری تھی. کرنل کہ کھیلوں کے بارے میں واجبی سا علم رکھتا تھا، بات چیت کے آغاز کیلئے موضوع چھیڑ بیٹھا.
سِلویا نے ایک خوبصورت مسکراہٹ بکھیری ''جی آسٹریا تو درحقیقت ورلڈ کپ کے لئے کوالی فائی ہی نہیں کر سکا.''
اس غیر متوقع جواب نے کرنل کو بوکھلا دیا اور موضوع پلٹ کر ان کے دورہ چین کے بارے میں دریافت کرنے لگ پڑا جبکہ ہم نے بڑی مشکل سے امڈ آئے قہقہے کو روکا.

آرٹ و ادب کا گہوارہ ہونے کی وجہ سے سِلویا کا طبعی میدان اسطرف تھا لیکن اس کی طبیعت میں ایک بہت حیرت انگیز شے ''نسائی حیا'' تھی. بالکل کسی مشرقی خاتون کی طرح ذرا 'کھلے' موضوعات پر بات چیت ہوی تو اس کے چہرے پہ حیا کی لالی آ گئی. کہیں بات خاندان اور اس کی روایات پر آئی تو وہ دوڑ کر اپنے کمرے سے ایک خاندانی البم اٹھا لائی. اپنے والدین، بہنوں کی بابت ذکر کرتے سے اس کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی.
اپنے شہر ''انزبرک'' کا بتاتے ہوے اس کے پہاڑوں، چشموں، برفباری کا بڑی محبت سے ذکر کرتی تھی. قدرت کے اس لازوال تحفے شمشال میں ایک سنہری دوپہر اتری تھی جس میں اس حسینہ کے سنہری بال دمکتے تھے، اس کے چہرے کے رنگ چمکتے تھے.
ہالینڈ کا رابرٹ غالباً سیر سے تھکا آیا تھا اسلئے ہم پر توجہ دیے بغیر کمرے میں جا کر لیٹ گیا تھا. شیخ کو شرارت سوجھی تو اس نے انکشاف کیا کہ میں بہت اچھا گاتا ہوں. یہ بالکل بے پر کی اڑائی گئی بات تھی. کیونکہ پچھلے سولہ دنوں میں کبھی موسیقی یا نغموں کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی. دراصل شیخ مجھے سِلویا سے مسلسل بے تکلفانہ بات چیت کرتا دیکھنا ہضم نہیں کر سکا تھا اور اب اس نے زبردست ترپ کا پتا چل کر اپنے تئیں مجھے چاروں شانے چت کر دیا تھا.
کرنل بھی شیخ کے ساتھ مل چکا تھا اور ان دونوں کا بھرپور اصرار تھا کہ میں کچھ سناؤں. ان کے اصرار میں سِلویا کی شرمیلی سی فرمائش بھی شامل ہو گئی تو چار و ناچار میں نے ''جون ڈینور'' کا مشہور ''اینیز سونگ'' شروع کر دیا.

You fill up my senses
Like a night in a forest

پچاس کی دہائی میں گائے گئے اس بے مثال نغمے کے شعروں میں انتہائی نفیس جذبات ہیں، لازوال تشبیہات ہیں. رومان پرور فسوں ہے. نغمے کے اختتام پر سُر کی لے بلند ہو جاتی ہے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

Come let me love you

Let me lay down besides you

Let me drown in your laughter

Let me die iny your arms

میں اس نغمے کی لے میں بہتا آواز کو اونچا کئے جا رہا تھا. جب میں اس کی آخری شعر" کم لَوی اگین" پر پہنچا تو میرا اثر کا کمال تھا یا بے سرے پن کی انتہا آنکھیں ملتا تھوڑا ہڑ برایا ہوا 'رابرٹ' آدھمکا. میرے آواز کے جادو نے اس پر صور پھونک کر اسے عدم سے بیداری میں واپس لا کھڑا کر دیا تھا. سنہرے لمبے بال، نیلی یورپی آنکھیں، فرنچ کٹ داڑھی، آئی ٹی ایکسپرٹ رابرٹ میں ایک باوقار مردانہ وجاہت تھی.

"ہُو کیئرز" شائل میں وہ بارہا کندھے اچکاتا بہت سمارٹ لگتا تھا.

"یہ گورے آخر بال کیوں نہیں کٹواتے؟" شیخ نے ناقابلِ فہم طور پر مجھ سے اسطرح پوچھا جیسے میں پائلٹ کے بجائے خاص 'گوروں' کا کوئی نائی ہوں.

"مجھے کیا معلوم، خود کیوں نہیں پوچھ لیتے." میں نے جھنجلا کر کہا

شیخ کہ خالص مولویوں کی طرح صرف دوسروں کے کندھوں کا استعمال جانتا تھا، چُپکا بیٹھا رہا.

"یہاں کچھ شور سا مچا ہوا تھا، سب خیریت ہے نا؟" رابرٹ نے تشویش سے استفسار کیا.

موصوف کو میرا انتہائی اعلیٰ ذوق سے بھرپور نغمہ کوئی دنگے فساد والا شور لگا تھا.

مجھے بہت برا لگا اور دل ہی دل میں اسے میں نے "بدذوق" کا خطاب دے دیا. قہقہے کو روکنے کی باری اب شیخ و کرنل کی تھی. کرنل کہ آسٹریا کی ورلڈکپ والی بات سے بہت شرمندہ ہوا تھا، گلا کھنکار کر گویا ہوا.

"بڑا افسوس ہوا، ہالینڈ ورلڈکپ کیلئے کوالی فائی نہیں کر سکا."

رابرٹ نے بے نیازی سے شانے اچکائے "جی بالکل اس کے باوجود وہ آج اس کا سیمی

فائنل کھیل رہا ہے برازیل کو گروپ میچ ہرانے کے بعد."

اب قہقہے کو روکنے کا کوئی جواز نہ تھا.

باقائدہ تعارف کی ذمہ داری میں نے اپنے سَر لی. کرنل کو میں نے ایسا پائلٹ بتایا جو اپنے ہیلی کاپٹر پر متعدد بار کے ٹو پر لینڈ کر چکا ہے. جرات و جوانمردی کی اس تصویر کی تصویریں ہمارے ملک میں بڑے چوکوں پر لگی ہوئی ہیں. سکردو کے مرکزی چوک پر اس کا مجسمہ لگانے کی تیاریاں ہوری ہیں. کئی ممالک اس کی حیات و فن پر ڈاکومنٹریاں بنا چکے ہیں.

رابرٹ بڑے احترام سے یہ سنتا تھا جبکہ کرنل بظاہر ایک عاجزانہ اظہار کے طور پر وقفے وقفے سے ٹھوڑی ہلا کر ان بات کی تائید کرتا جاتا تھا. شیخ کا معاملہ ٹیڑھا تھا. اس کی گھنی داڑھی اور نکلے ہوئے پیٹ کی مناسبت سے میں نے اسے پاکستان کا "سردارالعلماء" بتایا. رابرٹ کو عالم کی کوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا ہوتا ہے پھر خود ہی چینی دورے سے اسے کچھ یاد آیا تو بولا.

"اچھا تو یہ یہاں کے ہیڈ 'مونک' ہیں."

شیخ کے اتنے اعلیٰ اور معیاری خطاب پر میں اور کرنل پھڑک اٹھے. ہم نے زور زور سے سَر ہلا کر اس کی تائید کی کہ جی یہاں کے "مونکِ اعلیٰ" ہیں اس مونک پن کی وجہ سے شیخ کافی دیر تک ہم سے ناراض رہا. غنیمت تھی کہ شیخ کو رابرٹ سے ایک عدد سگریٹ مل گیا تھا. آخری ہونے کی وجہ سے اس نے اور رابرٹ نے مِل کر اس کا سوادلیا.

رابرٹ میں یورپی لوگوں کی فطری خوداعتمادی اور بے پروائی تھی. اسکے خیالات خطرناک حد تک سچے تھے. میں نے یونہی ہالینڈ کے مشہور زمانہ "ٹیولپ" پھولوں کی خوبصورتی کا ذکر کیا تو وہ اسی بے پروائی سے شانے اچکا کر بولا.

"یہ ہم نے ترکی سے چرائے تھے اور اپنا بنا لیا، تمہیں معلوم ہے، ہم چرا کر اپنانے میں کتنے تیز ہیں."

چوری کا تو نہیں البتہ ڈچ لوگوں کی ہمت و ذہانت کا میں بھرپور قائل ہوں. جسطرح انہوں

www.kmjeenovels.blogspot.com

نے سمندر سے زمین کھینچ کر اپنا وطن اس پر سجایا ہے، یہ انسانی ہمت اور بھرپور ذہانت کا مظہر ہے. انگریزی میں ''نیدرلینڈ'' کا مطلب ہی اونچی نیچی زمین ہے.

چائے کا دور چلا جس میں سلویا کے مشرقی انداز سے پلیٹ میں رکھ کر پیش کئے گئے بسکٹ شامل تھے. چائے کے باوجود وروں کی بھوک لگی ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر کا انتظار تھا. فرمان نے ہلکی سی سرگوشی کی کہ آج کچھ مارخور کا بھنا گوشت بھی دستیاب ہے. حالانکہ مارخور کے شکار سے مجھے سخت اختلاف تھا لیکن اس کے بھنے گوشت کی خبر میں ایک اشتہا انگیز شادابی تھی. غیر ملکی جوڑے کو ہم نے ڈاکٹر کے بارے میں بتایا کہ وہ عظیم ہیرو ہے جس کی اس ملک میں پرستش کی حد تک عقیدت کی جاتی ہے. صدر اور وزیراعظم اس سے ملنا اپنے لئے اعزاز سمجھتے ہیں. کئی ممالک نے اسے اپنی اعزازی شہریت دی ہوئی ہے. اگلے سیزن میں اس نے ٹانگ کی لنگڑاہٹ کے باوجود ''ماونٹ ایورسٹ'' سر کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہوا ہے. اس کرشماتی ہستی سے ملاقات کیلئے یہ غیر ملکی بھی بے تاب تھے. ڈاکٹر نے آکر ان سے سرسری سی ہیلو ہائے کی اور پورٹروں کے معاملات خزانہ سلجھانے لگ پڑا.

''دیکھا میں نے کہا تھا نا، یہ بہت عظیم آدمی ہے، ہر ایک سے بے تکلف نہیں ہوتا'' میں نے سلویا کے کان میں سرگوشی کی.

سلویا بچاری اس کو سچ سمجھ بیٹھی، لپک کر کمرے میں گئی اور ایک کتاب اٹھا لائی کہ سر حالانکہ آپ بہت عظیم ہیں اور ہم بہت چھوٹے لیکن اگر آپ آٹوگراف دے دیں گے تو خادمہ تا زندگی ممنون رہیگی.

عظمت، میں، خادمہ؟؟؟ ڈاکٹر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے میری طرف دیکھا. میں نے اسے آنکھ کے اشارے سے آم کھانے کا کہا، پیڑ بعد میں گنوا دوں گا.

آٹوگراف کے فوراً بعد کھانا شروع ہو گیا. شدید بھوک نے مارخور کے بھنے گوشت کو ذائقے کا ایک ناقابلِ فراموش نقش بنا دیا. کھانے کے فوراً بعد شیخ و ڈاکٹر اپنے پرانے دوست شمی خان (تمی خان) سے ملنے اس کے گھر چل دیے جبکہ کرنل اور میں وہیں

بیٹھے دیر تک کافی کے دور چلاتے رابرٹ اور سلویا سے تبادلہ خیال کرتے رہے. کافی عرصے بعد کسی باقاعدہ واش روم کی سہولت میسر آئی تھی. میں ذرا دھر تک گیا تو شیشے میں ایک نامانوس سی شکل دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا. کالا بھجنگ رنگ، بڑھی داڑھی، چہرے پہ وحشتیں، پتا نہیں کون تھا. اپنے گھر واپس آکر پورٹر بہت چہکتے تھے. دولت تو جلدی سے کپڑے تبدیل کر کے نئی نکور پینٹ شرٹ پہن کر آیا تھا اور بڑا اسمارٹ لگتا تھا. ہم نے آگے پسو جانا تھا جس کی جیپ کا بندوبست ہو گیا تھا. ڈاکٹر و شیخ کا انتظار تھا. واپسی پہ شیخ کا سگریٹ نشہ پھر ٹوٹ گیا تھا اور وہ کونے کھدروں میں کوئی ٹوٹا ڈھونڈتا تھا. جیپ بالکل تیار تھی. سلویا و رابرٹ سے ہم نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا جس پر شیخ کو بہت قلق ہوا. وہ اپنی مولویانہ عادت کی وجہ سے ہر ایک سے بغلگیر ہو کر ملتا تھا اور اُدھر بھی معانقے کی خوش کن امید میں تھا. اس مصافحے نے اس کی گرمجوشی پر بھرپور ضرب لگائی تھی. ہم سب جیپ میں بیٹھ چکے تھے اور چلنے ہی والے تھے کہ شیخ کی عقابی نگاہوں نے دور سے ''اس'' کو دیکھ لیا. اس کے بعد شیخ کا جیپ میں رکنا بے کار تھا. زقند لگا کر وہ جیپ سے اترا اور بھاگتے ہوئے فوراً ''اس'' کو جا لیا. نہیں نہیں غلط مت سمجھئے گا، یہ چیک ریپبلک کا ایک مرنجان مرنج سا سیاح تھا جو شیخ کی نظر میں آ گیا تھا. تیر کی طرح اس کی طرف بڑھ کر شیخ فوراً اس کے راستے کی دیوار بن گیا.

''سگریٹ ہو گا آپ کے پاس؟'' نہ ہیلو ہائے. نہ کوئی رسمی کدھر کے ہو آپ وغیرہ شیخ نے تمام تکلفات بھلا کر کام کی بات کی.

وہ بھلا مانس پہلے تو کچھ بوکھلا سا گیا، پھر صورتِ حال سمجھ کر جیب سے سگریٹ نکال کر شیخ کو عنایت کی. چونکہ کام پورا ہو چکا تھا اسلئے شیخ نے شکریہ وغیرہ کے بے معنی تکلف سے آزاد ہو کر واپسی کی راہ لی اور چلنے کی اجازت دی.

سنہری لہلہاتے کھیتوں کے بیچوں بیچ ہماری جیپ رواں دواں تھی. شمشال گاؤں کا ہر رنگ لاجواب تھا. سنہرے بالوں، سبز آنکھوں والے بچے کھیتوں میں بھاگتے سنہرے پن کو اور نمایاں کرتے تھے. گاؤں بجلی وغیرہ کے تکلف سے آزاد ہے. ایک امریکی این جی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

او نے کچھ جنریٹر وغیرہ کا بندوبست کیا ہے جو کچھ گھنٹوں کیلئے محدود بجلی دیتا ہے. بچوں کے رنگ اور نقش جہاں دل موہ لینے والے تھے وہاں عورتوں کے معمولی نقش ایک سمجھ میں نہ آنے والا امر تھا لیکن حقیقت تھی. ہریاول کی یلغار تھی. گھنے درختوں نے سورج کی روشنی کے آگے ایک بند سا باندھ دیا ہوا تھا. دریائے شمشال کچھ سکڑ گیا تھا اور وادی کے دائیں جانب بتدریج پاٹ میں کم ہو رہا تھا. وسطی شمشال سے نکل کر 'خضر آباد' آیا اور پھر وادی کا آخری گاؤں 'فرمان آباد'. یہ ثابت کا گاؤں تھا. اس نے بڑے اصرار سے ہمیں رکوایا اور اپنے گھر لے آیا جہاں بنی ہوئی تازہ سبزی کا کھانا ہمارا منتظر تھا. ہم نے اس کا خلوص اور پیار دیکھتے ہوئے کچھ لقمے لے لئے. یہاں عبدل اور ذیشان کے علاوہ باقی سب پورٹروں نے وداع ہو جانا تھا. پچھلے سولہ دنوں میں ان جفاکش، پرخلوص اور محبت بھرے انسانوں سے ایک خاص اُنس ہو گیا تھا اسلئے خدا حافظ کہتے ہوئے دل بہت افسردہ ہوا. اللہ ان عظیم لوگوں کی اپنی خصوصی امان میں رکھے.

اس لازوال وادی کو ہم نے اب الوداع کہنا تھا. ویسے ہی عبدل نے ذکر کیا کہ یہ بائیں 'رجب علی' کا گھر ہے. میں نے فوراً رُکو رُکو کا نعرہ مار دیا. بھلا یہ کسطرح ہو سکتا تھا کہ کے ٹو سر کرنے والے عظیم ستارے کے گھر کے آگے سے ہم بغیر ملے آگے چل دیں. رجب اب عمر رسیدہ ہو گئے تھے. اب سے بیس سال قبل جاپانی ٹیم کے ساتھ انہوں نے یہ مایہ ناز کارنامہ سرانجام دیا تھا. ہم سے مِل کر بہت خوش ہوئے. حیرت انگیز طور پر انہیں بھی ہماری مہم کا معلوم تھا. انہیں کیا پوری وادی میں ہر ذی نفس کو ہمارے بارے میں معلوم تھا کہ یہ لوگ زمانے کی ترقیوں سے دُور ابھی تک ان زمانوں میں رہتے ہیں جہاں ایک مشترکہ طرز کا نظام قائم ہے. سب کے دکھ درد، خوشیاں، معمولات سانجھے ہیں.

وادی سے نکلتے ہی ٹریک ایکدم تنگ ہو گیا تھا. ٹریک کیا تھا، پتھروں کو تھوڑا سا ہموار کر کے ایک راستہ سا تھا جس پر ہماری جیپ لڑھکتی جاتی تھی. یہ ٹریک سنہ 2003 میں مکمل ہوا تھا. اس سے پہلے یہاں مشینی آمدورفت کا کوئی تصور نہیں تھا. جگہ جگہ لینڈ

سلائیڈنگ کی وجہ سے ٹریک کی مرمت کے آثار نظر آ رہے تھے. ذیشان نے انکشاف کیا کہ ایک دفعہ بارشوں کی وجہ سے ٹریک بہت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مکمل بند ہو گیا. مرمت کے ذمہ دار ٹھیکدار کے مزدور ایک سخت مشقت آمیز مرحلے پر آ کر کام کی سختی سے گھبرا کر بھاگ گئے. اہل شمشال نے اس کو ایک چیلنج جانا اور اس کے جوانوں نے بغیر معاوضہ یہ چھیاسٹھ فُٹ ٹریک کا ٹکڑا خود تعمیر کر دیا. یہ جوانمردی اور ہمت کی ایک تابندہ مثال ہے.

ایک بہت تنگ پُل سے موڑ کاٹ کر ہم سیدھا ہوئے تو ایک عجیب گلیشئر ہمارے بائیں اپنی وسعت بکھیرتا نظر آیا. ''مالم گوتی'' گلیشئر کا عجب اس کے رنگ میں پوشیدہ ہے بالکل سیاہ رنگ کا یہ برفیلا دیو تنوع کی حیران کن مثال ہے. سیاہ کالے اس گلیشئر کو دیکھ کر حیرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی آتا ہے کہ نہ جانے یہ کیوں اس رنگ کا ہے. اس کو کوئی سزا ملی ہے یا اس کا مَن کالا ہے. کوئی بھید تھا سہی. گلیشئر کے پار سات ہزار میٹر سے بلند ''دستگیر سَر'' بھی اپنی کھنک بکھیرتی تھی. ذیشان نے انکشاف کیا کہ اس کا دوست ''مرزا علی'' اس سیزن شمشال کی ایک لڑکی اپنی بہن ''ثمینہ بیگ'' کے ساتھ چھ ہزار میٹر سے بلند ایک چوٹی ''چاسکن سَر'' سَر کر کے آیا ہے. یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی اب پاکستانی لڑکیوں کے بھی کوہ پیمائی شروع کر دی ہے کوئی دن جاتا ہے کہ کوئی خاتون کے ٹو بھی سَر کر لے.

رات ہو چلی تھی. شیخ وڈاکٹر دس سال پہلے بھی اسی راستے پر ٹریکنگ کرتے آئے تھے اسلئے ہر جگہ اپنی یادیں تازہ کرتے تھے. دلچسپ امر یہ ہے کہ ان کے پیچھے پیچھے مرشد بھی منزلیں مارتے شمشال پہنچتے تھے جس کا احوال انہوں نے اپنی خوبصورت کتاب ''شمشال بے مثال'' میں کیا ہے. رات کے ہولناک سناٹے میں تنگ موڑ کاٹتی، اچھلتی، ٹاپتی ہماری جیپ تقریباً تین گھنٹوں میں شاہراہ قراقرم پر پہنچی تو زندگی میں کچھ سکون آیا. ''پسو'' کا چھوٹا سا قصبہ محوِ خواب تھا. ہماری منزل ''ایمبیسیڈر ان'' ہوٹل تھا جس کا مہربان مالک کم منیجر کم کُک غدیر شاہ ہماری آمد سے بہت خوش ہوا. فٹ ہی تین آرام دہ کمرے کھول دیے گئے. ایک عرصے کے بعد گدوں کی نرمی اور پلنگوں کی آسودگی میرے لئے کچھ اتنی خوشگوار

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

ثابت نہیں ہوی کہ بڑی مشکل سے نیند آئی. کچھ عادت سی ہوگئی تھی زمین کے بچھونے کی.

اگلی صبح کچھ نامانوس سی تھی. نہ تو صبح صبح پانچ بجے اٹھنا پڑا، نہ ہی سلیپنگ بیگ اور سامان بند کر کے رُک سیک میں رکھنا تھا، نہ شاہ کی آجاو، ناشتا کرلو، رج کے کھاو کی پر لطف آواز تھی اور نہ کوئی برتنوں کی کھڑ کھڑ. مجھے کچھ کچھ اداسی کا سا احساس ہوا. ان پہاڑوں، وادیوں، برف زاروں نے خود سے کچھ مانوس سا کرلیا تھا. ''پسو کون'' کی آسمان میں چھید کرتی نوکیلی چوٹیاں ہوٹل کے لان سے بہت بھلی لگتی تھیں. عطا آباد جھیل کی ہولناک بربادی کی وجہ سے شاہراہ قراقرم کا ایک حصہ زیرِ آب آ گیا تھا اور پسو گلگت کے مابین زمینی ٹریفک بند تھی. پاک فوج کے ہیلی کاپٹر سامان برداری اور آمدرفت کا واحد ذریعہ تھے. ہم بھی پسو سے ایک ایم آئی 17 ہیلی کاپٹر پر سوار ہوے اور واپسی کا سفر شروع ہوگیا. شمشال کے لازوال رنگوں نے ایک باکمال یاد کی بنیاد رکھی تھی. اس جنت سے گرے ٹکڑے کے تصور میں فطرت تھی، سبزہ تھا، خلوص تھا، محبت تھی، رواداری کا ایک ناقابلِ فراموش خیال تھا.

خواب و حقیقت۔ واپسی کا سفر

ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے بیچوں بیچ راستہ بناتا، دریائے ہنزہ کے سنگ محوِ پرواز تھا. اس کے ساتھ میرا خیال بھی اتنی تیزی اور بلندی سے پرواز کرتا تھا. اس بڑے پرندے میں مقید ہم وہ پرندے تھے جن کے پروں پر طویل مسافتوں کے سندیسے رقم تھے. برپوش کہساروں کے ساتھ سے گزرتے میں نے کچھ دیر کیلئے اپنی آنکھیں نیچے بہت نیچے دریا کے بہاؤ پر رکھیں اور جونہی وہ کشتیوں کی مانند ان پر تیرنے کو تھیں، اٹھالیا. ان آنکھوں میں دید کے وہ خزانے دفن تھے جنہوں نے اگلے دنوں حیات کو چکائے رکھنا تھا. میں بے اختیار مسکرا اٹھا. میری مسکراہٹ میں سولہ دنوں کی مسرت بھری تھکاوٹ تھی کہ انجانے برف زاروں، کہساروں کو جاتے بھی یہی سوچا تھا کہ یہ پانی بہتے بہتے اس بیلے کے کناروں کو جا چھوئیں گے جہاں خوشیوں کی بارات اتری ہوگی. کچھ ایسا ہی ہوا تھا. جب ہم نے ''قیصر گراونڈ'' چھوڑ کر ''کورو فن'' پر پہلا قدم رکھا تھا تو ایک انجانے جہان کے اسرار کے ہمراز ہو گئے تھے. بیافو کی ہولناکیوں میں جہاں مہیب سناٹے تھے، ہیبت کے عفریت تھے. وہاں ''نملا''

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

کی شادابیاں تھیں، ہریاول تھی، شیلمن تھے. اے نملا تیرا شکریہ کے تُو نے ہمیں خوشی کی پہلی پچکاری سے رنگدار کیا تھا.

عطا آباد جھیل کے وسیع پانیوں نے زمین کو نیچے چھپا دیا تھا. گلمت، ششکٹ دیہات کے باسیوں پر قیامت آن پڑی تھی. گھر، کھیت، درخت کچھ آدھے اور کچھ مکمل پانی میں ڈوبے ہوئے تھے. سبز جھیل میں وہاں کشتیاں چل رہی تھیں جہاں کبھی ٹرک، بسیں، گاڑیاں چلتی تھیں. ہیلی کاپٹر کافی دیر کوئی دس منٹ تک اس جھیل کے اوپر پرواز کرتا رہا. تیرے رنگ تو ہی جانے. جھیل کے بعد ہنزہ کی گھناوٹ سے نچڑی ہریاول آنکھوں میں کھبتی تھی. عظیم ''منیاپن گلیشئر'' ''راکاپوشی'' کے دامن تک جاتا نظر آرہا تھا. برف میں لپٹی راکاپوشی خاموشی سے ہمیں تکتی تھی. ہم کہ طویل مسافتوں کے مسافر تھے جانتے تھے کہ ہماری بے چین روحوں کا کرشمہ تھا جو اس فناء اور بقاء کے درمیاں موجود انچوں سے محفوظ لے آیا تھا. کائنات کے ان رموز سے آگہی حاصل کر چکے تھے جو روایت کی قید میں سانس لیتے کبھی نہیں پا سکتے. بیانتھا کی نسواری گھاس اور اس کے یخ بستہ کنوارے پانیوں نے ہمیں اس راز کے دوسرے رنگ سے آشنا کیا تھا. کارفو گورو کی کریوس نے مجھے اور کرنل کو عدم اور موجود کا لافانی سبق سکھایا تھا. ''کارفو گورو'' کی نیلی جھیلوں اور اس کے برف زاروں نے اپنے لازوال رنگوں کا ایک چھینٹا ہم پر مار کر ہمارے اندرون کے اندھیاروں کو اجلا بنا دیا تھا. اے بیانتھا، اے کارفو گورو انجانی خوشیوں کے مشروب پلا کر بے خود کر دینے کا شکریہ.

ہمارے چہروں پر بے انت مسافتوں کی دھول تھی. کلفتیں، حیرانیاں، تلاش اور اندیشے بھی تھے. ہونٹوں پر ازلی پیاس کی پپڑیاں تھیں. اب مسافتوں کی دھول میں اٹے، کبھی کوشش میں سرگرداں، کبھی انجانے جذبوں کی حدت میں دہکتے ہمارے چہروں پر جو رونقیں اور ویرانیاں رونما ہوئی تھیں، کوئی بھی انہیں پہلی نظر میں پڑھ سکتا تھا. جو رسم الخط نہیں پڑھا جا سکتا تھا وہ اس تحریر میں پوشیدہ تھا جو چاند کی چودھویں میں سنولیک پر پریوں کے جھرمٹ میں شہزادی کی آمد سے وجود میں آئی تھی. اس تحریر میں وہ راز تھے جو پریوں کے

رقص سے وجود میں آئے تھے. نرت بھاو کے امین تھے. ان حیرانیوں نے سنولیک کی وہ کوہلتا تک لی تھی جس میں معصومیت کی کلیاں جواں ہوتی تھیں. ان وحشتوں نے لک پے لاء کی وہ اذیت بھری چڑھائی دیکھی تھی جس کے اختتام پر فطرت کے جلوے حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھے. اے شہزادی سنولیک، اے لک پے لاء ہماری حیات کے آنگن میں خوشیوں کی بارات اتارنے کا شکریہ. اس بارات کو رنگوں کی پھلجڑیوں سے مزین کرنے کا شکریہ.

ہنزہ کے صدر مقام کریم آباد کے ہیلی پیڈ پر ہیلی لینڈ کرنے والا تھا. آسمانوں کو چھوتے درختوں کے ہجوم تھے جو ہیلی کے اندر تک اُمڈ آئے تھے. پہاڑی کی چوٹی پر بنے ''دربار ہوٹل'' کی کھڑکیوں سے تکتے کچھ غیر ملکی چہرے تھے جو دلچسپی سے ہیلی کو دیکھتے تھے. ہیلی کے اندر ایک جوان کومل کنیا کی آمد سے بہاری آگئی. اس بہار میں کچھ حزن کا رنگ نمایاں تھا سترہ سالہ دوشیزہ نے سر ماں کے زانوں پر رکھا ہوا تھا. چہرے سے سخت تکلیف کے آثار نمایاں تھے کیونکہ اس کے گلے میں ایک سوئی پھنس گئی تھی جو ابھی کسی ماہر طبی مدد سے ہی نکل سکتی تھی.

ڈاکٹر کا کیمرہ بے حد مصروف تھا جبکہ شیخ خرد کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا ..... سو رہا تھا. ہم نیک نیت تھے کہ اب اختتام سفر کی لذت سے ہمکنار ہو رہے تھے. نیک نیتی تو وہ امر ہے جو دمشق کے غریب موچی کا بیٹھے بٹھائے حج قبول کروا دیتی ہے اور اس سے افضل قرار دلواتی ہے جو ہر سال طواف کرتا ہے مگر خلوصِ نیت کے بغیر. یہ ہماری خلوصِ نیت ہی تھی کہ برستی برف میں ہولناک برالڈو سے راستے کے نامعلوم ہونے کے باوجود بسلامت نکل آئے تھے. یہ نیک نیتی ہی تھی کہ دیسم نالے پر خود بخود پُلی کا بندوبست ہو گیا. اس نیک نیتی کا امر کے ناقابلِ یقین بیلوں میں پوشیدہ تھا، شیورت کے باسیوں کے خلوص میں پنہاں تھا، شمشال درّے کی ہیرا جھیلوں کی شفاف تہوں میں رکھا تھا. اس خصوصی انعام کے حقدار صرف ہم تھے کہ ہماری نیک نیتی نے شمشال کی ناقابلِ تصور اترائیوں چڑھائیوں کو شکست دے دی تھی. ارباب پریون کی بھربھری مٹی اور فوزین کے بجری

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

www.kmjeenovels.blogspot.com

نما پھسلتے کنکروں کو کامیابی سے عبور کر لیا تھا ہمارے چہروں کی دھول میں اطمینان بھرا فخر تھا، ان ویرانیوں کے پردے میں حصولِ منزل کا افتخار تھا۔ اے برالڈو، اے ویسم، اے ، اے شیورت، اے شمشال درّے کی جھیلو، اے شمشال تمہارا شکریہ کہ تم نے ہماری دلداری کی۔

ہیلی گلگت لینڈ کر چکا تھا۔ شیخ و ڈاکٹر نے یہاں وداع ہو جانا تھا کہ اگلے دن ان کی اشکومن میں ایک پر تکلف ٹراوٹ ضیافت تھی۔ ہم نے جلدی سے دوسرا ہیلی پکڑنا تھا جو ہمیں پہاڑوں سے دور واپس مشینی دنیا میں لے جاتا۔ شیخ کہ اپنے مولویانہ پن کے باوجود بہت پیارا تھا اور ڈاکٹر کہ اپنے بھاری بھرکم کیمروں کے بوجھ تلے دبا ہمارا دلدار رہا تھا، اب رخصت ہوتے تھے۔ من کے سچے اور انسانی اقدار کے امین ذیشان و عبدل بھی یہیں سے جدا ہونے تھے۔ بظاہر قہقہے لگاتے ہم ایک دوسرے سے آنکھیں چراتے تھے کہ ان آنکھوں میں اب ازلی شناسائی کی مقناطیسی کشش پیدا ہو گئی تھی۔ اب ہمارے جسم تو جدا ہوتے تھے لیکن ہماری روحیں آپس میں چپک چکی تھیں۔ شیخ نے زوردار طریقے سے بغلگیر ہو کر اور ڈاکٹر نے آخری تصویر کے نام پر کوئی پچاس تصویریں لے کر رخصت چاہی۔ اے ڈاکٹر، اے شیخ تمہاری کرم نوازیوں کا، محبتوں کا، انجانے جہانوں سے روشناس کرانے کا شکریہ۔

ہیلی پنڈی کی طرف گامزن تھا۔ نانگا پربت کی عظمت، اس کا طنطنہ، اس کی برفیلی ترنگ اپنے عروج پر تھی۔ میں نے کرنل کے شانے سے سر ٹکایا ہوا تھا۔ ہم اُس اندرون تک رسائی حاصل کر چکے تھے جس میں تجسس اور شوق کی کونپلیں آباد ہو گئی تھیں۔ ان کونپلوں کی مہکار نے آئندہ ساری زندگی کو معطر کئے رکھنا تھا۔ اس ٹریک کی یاد ایک لمس بھرے احساس کی صورت اُن اُن لمحوں میں جاگزیں ہوئی تھی جب جب روح نے یادداشت کے خزانوں میں سے فرحت و شادابی کے موتی چننے تھے۔ ہمارے شوق نے جدوجہد کا لبادہ اوڑھ کر ادراک کی ایسی منزلوں سے شناسائی کروائی تھی جن میں خوشیوں کی آتش بازی تھی، رنگوں کی پھوار تھی، انجانی خوشبوؤں کی مہکار تھی۔ میرے پپوٹے خود بخود بند ہوتے گئے کہ جہاں ایک مسرت بھری حقیقت کا اختتام ہوا تھا وہاں سے ایک تجسس بھرے خواب کا آغاز ہو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

جائے...

کہ رات بہت دیر تھے جاگے ....

ختم شد

www.kmjeenovels.blogspot.com

ڈاکٹر وعبدل۔ بیافو کی مہیب کریوس عبور کرتے ہوئے

عظمت وشان۔ لاٹوک 1 II

www.kmjeenovels.blogspot.com

بیافو کی برفیلی کریوس

چاندنی میں نچڑی منجمد رات۔کارفو گورو

گمنام حسینہ۔بیافو کی نیلی جھیل

چمکتی، دمکتی۔سنولیک

www.kmjeenovels.blogspot.com

برفیلی عظمت کا جسیم دیو۔لُک پے لاء

(دائیں سے بائیں) ڈاکٹر احسن، شیخ ذیشان، دولت، ثابت، کرنل احسن،
ہدایت، عبدل، مصنف، شاہ (بیٹھا ہوا) لُک پے لاء

پریوں کا رقص۔سنولیک پر چاند کی چودھویں

سامانِ تسخیر۔لُک پے لاء کی چڑھائی چڑھتے ہوئے

www.kmjeenovels.blogspot.com

حسینہ کی باس۔شمشال جھیل نمبر1

دلفریب و دلکش۔شمشال جھیل نمبر2

برالڈو۔گمنام برفیلے جہاز

برالڈو۔دنیا کی سب سے خطرناک کریوس

www.kmjeenovels.blogspot.com

شمشال کی مہیب ترائیاں، چڑھائیاں

شمشال، باکمال، لازوال